عـ ۱۱۳۱
میزان المقال در مناظرہ چکوال

میزان المقال در مناظرۂ چکوال

باسمہ

فَاِذَا جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ

پھر جب آیا حکم اللہ کا فیصلہ ہوگیا انصاف سے اور خاسر ہوئے جھوٹے

میزان المقال

در

مناظرۂ چکوال

جسے سیّد شبیر حسین ترمذی و منشی
نعمت اللہ سابق حنفی نے ترتیب دیکر
افادۂ طالبانِ حق کے لئے حسبِ خواہشِ مومنینِ چکوال
۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں

بسعیٔ منشی غلام علی شہیدیہ
جارج سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا

قیمت .... ۱۰ /

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد بیحد اس معبود صمد کے لئے جس نے حق کو باطل سے واضح کر دیا۔ اور جس نے اہل حق
کی نصرت اپنے ذمہ لے کر ہمیشہ ان کی قلیل جماعت کو ہی مظفر و منصور رکھا۔ اور
صلوات وافرات فخر موجودات و سرور کائنات پر جنہیں خدا نے اہل حق کا رہبر بنایا
اور جن کے اتباع کو معیار حقیقت رکھا اور جس نے ان میں توہک کیا۔ ایسے خائب و خاسر و
راندۂ درگاہ کر دیا۔ اور اس کے وصی برحق و خلیفہ مطلق بلا فصل پر جس نے اہل کفر کے
حوصلے پست اور بنیاد کفر کو منہدم کر دیا۔ جس کی ذات بوجہ حق حلیف قرآن قرار پائی
جس کی محبت نشان ایمان اور جس کا بغض علامت ضلالت بن گیا۔ جس کے شیعوں کو فوز
و نجاح کی بشارت ملی۔ اور ان کی آل اصفیا و اوصیاء مصطفےٰ پر جن کی مثل مثل سفینۂ
نوح ہے کہ جو ان کی کشتی میں سوار ہوا۔ اس نے نجات پائی اور جس نے ان سے تخلف کیا۔
وہ بحر ضلالت میں غرق ہوا۔ اور رضوان الٰہی ہو ان کے محبین و اشیاع متبعین پر
باوجود عسر و مصائب کے انہی کے دامن سے متمسک ہے۔ اور جن کی تائید ابطال باطل
کے وقت خدا نے روح القدس سے کی۔ اما بعد اخلائے روحانی سے پوشیدہ نہیں کہ جب کبھی
اہل باطل اہل حق سے مقابل ہوئے۔ انہیں ندامت ہی اٹھانی پڑی۔ تحریری مناظرہ میں اسکی
لاکھوں مثالیں آپ کو معلوم ہیں۔ تحفہ منتہی الکلام۔ آیات بینات وغیرہ کی جو گت بنی
وہ جوابات تحفہ۔ استقصاء و رمی الجمرات وغیرہ سے نمایاں ہے۔ اور بات تو یہ ہے کہ
ان کتابوں نے اسلام پر بڑا احسان کیا۔ اور حق پسندوں کے لئے تلاش حق میں ایسی آسانی
کر دی کہ گھر بیٹھے ہی منزل مقصود کو پالیں۔ تقریری مناظروں میں ہندوستان میں
بھیرۂ مناوات۔ لکھنؤ میں مناظرۂ کلیمیہ۔ اور پنجاب میں مناظرہ قندر مشہور ہیں۔
اب خدا کے فضل سے اہل حق کی فتح کا اور ثبوت مناظرۂ چکوال سے ہو گیا جسکی روئداد
پیش کش ارباب معرفت ہے۔ اللہ اللہ یہ بات کبھی نہ بھولیگی کہ وہ متکبر خصم جو ہمیشہ
اہل بیت علیہم السلام کی توہین کرتا رہا آخر جہلم میں ڈوبا۔ مناظرہ کے ابتدائی حالات تو
آپ کو اخبارات سے معلوم ہو گئے ہونگے۔ اصل مسئلہ جو اس مناظرہ کا باعث ہوا وہ فتاویٰ
قاضیخان کا یہ مسئلہ تھا کہ کلام خدا کو بول سے لکھنا جائز ہے۔ بیچارے عوام کو یہ
خیال ہوا کہ ایسا فتوے کسی نام نہاد اسلامی کتاب میں کہاں ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے مولویوں

کے پاس گئے۔ لیکن اگر ایسے حضرات نے کبھی پہلے حق کی حمایت میں دو کلمے کہے ہوتے
تو اس موقعہ پر بھی ان سے یہی امید رکھی جاتی۔ وہ اُلٹا شیعوں پر طرح طرح کے
الزام لگانے لگے۔ لیکن اس مناظرہ نے ثابت کر دیا۔ کہ یہہ جرم اس کتاب کے ماننے
والوں پر قائم ہے۔ اور وہ آخر دم تک اس کی تردید نہ کر سکے۔ بلکہ روئداد میں اس کا
ذکر تک نہیں کیا۔ **ایک** ہزیمت تو یہہ ہے۔ **دوسری** ہزیمت یہہ کہ شیعوں کے بیحد
اصرار کے باوجود کسی غیر مسلم عربی دان کو منصف بنانا منظور نہ کیا۔ **تیسری** اور
زبردست دلیل ان کی شکست کی یہہ ہے کہ روئداد میں بہت سے
دیئے جو مناظرہ میں قطعاً نہیں کہے گئے تھے اور اس بات کی شہادت غالباً چکوال کے
احمدی دہندہ صاحبان بھی دینے کے لئے تیار ہوں گے۔ خیر اگرچہ ان حضرات نے بہت
کوشش کی کہ مناظرہ ملتوی ہو۔ کبھی منصف بنانے سے انکار کیا۔ کبھی سرکاری اجازت سے
گریز کیا۔ لیکن شیعیان چکوال نے ان کے سارے نازوں کو برداشت کیا۔ اور یہہ ثابت کر دیا
کہ انہیں اپنے مذہب پر کس قدر زبردست اعتماد ہے۔ مقامی حکام نے فریقین کی ضمانت پر
بڑی مہربانی سے اجازت مناظرہ دی۔ اور ۷۔ اپریل ۱۹۱۸ء تاریخ مناظرہ قرار پائی۔ سنی
صاحبان نے مقامی مولویوں پر اعتماد نہ کیا۔ اور باوجودیکہ مولوی کرم دین صاحب موجود تھے۔
لیکن وہ امرتسر۔ لاہور وغیرہ کا چکر لگاتے ہوئے آخر لکھنؤ پہنچے۔ اور وہاں سے مولوی عبد الشکور
صاحب اڈیٹر النجم کو لے آئے۔ ان کے چکوال پہنچنے کے بعد شیعوں نے بھی سوچا کہ ان کا
جواب کوئی لکھنؤ سے ہی آنا چاہیئے۔ اور آخر وہ جناب مولوی سید محمد سجاد صاحب کو لے
آئے۔ جناب مولوی صاحب نے باوجود عدم تعارف کے اور باوجود اس امر کے کہ انہی ایام
میں ان کے خاندان میں کئی موتیں بھی ہوئی تھیں۔ محض تائید دین کے لئے زحمت سفر گوارا
فرمائی۔ جس کے لئے شیعیان پنجاب ان کے بہت مشکور ہیں۔ چونکہ مدیر نجم خود لکھنؤ میں
علماء کا پایہ نہیں رکھتے۔ اس لئے اس کے مقابلے کے لئے شیعوں کو کیا ضرورت تھی کہ
کسی مجتہد کو تکلیف دیتے۔ انہیں اپنے مذہب کی صداقت پر اعتماد تام تھا اور انکو بیقین
معلوم تھا کہ اڈیٹر صاحب شاگرد و تلامذۂ مجتہدین کے مقابلہ کی تاب بھی نہیں لا سکیگا۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علماء سنیہ میں سے جناب مولوی کرم دین صاحب ساکن بھیں۔ مولوی
احمد دین صاحب چکوالی۔ ایضا ساکن بادشاہاں۔ مفتی صاحب رتہ۔ میاں خدا بخش صاحب
مولوی محمود صاحب گنجوی۔ مولوی فضل کریم صاحب۔ قاضی غلام ربانی صاحب وغیرہ قریباً پچاس کس

بلائے گئے تھے اور شیعوں کی طرف سے بھی احتیاطاً علمائے ومناظرین پنجاب جناب مولانا
سید محمد باقر صاحب مولوی فاضل ساکن چکڑالہ - مولانا فیض محمد خانصاحب کھیالوی
مولوی سید شرف حسین صاحب بھکری - مولانا سید محسن علی صاحب سبزواری - حافظ
احمد دین صاحب حافظ قرآن مجید - مولوی سید احمد شاہ صاحب ساکن راولپنڈی ڈاکٹر
سید اکبر شاہ صاحب گجراتی تشریف لے آئے تھے - اور خوش قسمتی سے جناب مولانا میرزا
احمد علی صاحب امرتسری بھی تاریخ مقررہ سے پہلے ہی چکوال میں موجود تھے - اڈیٹر
صاحب مذکور نے اپنے آخری رقعہ مورخہ ۲۷ - مارچ ۱۹۱۸ء میں مضمون زیر بحث خلافت خلفاء
اثنا عشر و ایمان وعدم ایمان ثلاثہ منظور کئے - خدا خدا کر کے شب ہفتم اپریل گذری
اور اس کی صبح نوید فتح حق لیکر افق عالم پر طالع ہوئی - مومنین شیعہ اپنے معبود حقیقی کے
حضور سربسجود ہوئے - اور ضروریات شرعیہ کی ادائگی کے بعد میدان مناظرہ میں جانیکی
تیاریاں ہوئیں - مومنین اپنے علماء ورؤساء کے ساتھ روانہ ہوئے - اور ٹھیک وقت
پر ایک فراخ ووسیع میدان میں نزول اجلال کیا - مختلف علوم وفنون کی کتابیں سلیقہ
سے چنی گئیں اور جب فریقین آراستہ ہوگئے - تو مناظرین کی نسبت استفسار ہوا - فریق ثانی
نے اپنے لکھنوی اڈیٹر کو ہی پیش کیا - یہ سنکر شیعوں نے بھی اس کا جواب اپنے لکھنوی ہی
کو بتایا - اس کے بعد جناب مولوی کرم دین صاحب بھینوی اُٹھے اور اہل حق سے مخاطب ہو کر
فرمایا کہ بسم اللہ آپ اپنے اماموں کی خلافت ثابت کریں - جواب میں جناب مولانا احمد علی
صاحب امرتسری نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ پہلے آپ ایمان ثلثہ ثابت کرینگے - بھینوی صاحب
نے کہا کہ پرچہ شرائط میں پہلے خلافت خلفاء اثنا عشر ہے - اس لئے پہلے شیعہ اسکو ثابت
کریں - مولانا نے کہا کہ آپ مدعی ہیں کہ حضرات ثلثہ خلفائے رسول تھے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ
ائمہ اثنا عشر علیہم السلام ہیں - اور ظاہر ہے کہ غیر مومن خلیفۂ رسول نہیں ہو سکتا - اسلئے خلافت
سے پہلے ثبوت ایمان ضروری ہے - چونکہ ہمارے ائمہ کے ایمان میں کسی کو کلام نہیں - سب انہیں
مومن کامل جانتے ہیں - اور ایمان ثلاثہ میں شیعوں کو کلام ہے - اگر آپنے انکا ایمان ثابت کر دیا تو
بحث ایک بتہ پر آجائیگی - اسلئے پہلے ان کے ایمان وعدم ایمان پر بحث ہونی چاہیئے اور چونکہ
آپ مدعی ایمان ہیں اسلئے ثبوت بذمہ مدعی - اسکے جواب میں جناب بھینوی صاحب کو اقرار کرنا
پڑا کہ ہاں خلافت سے پہلے ایمان کا ثابت ہونا ضروری تو ہے - لیکن چونکہ پرچہ شرائط میں خلافت
خلفاء اثنا عشر پہلے ذکر ہوئی ہے - اسلئے ابتدا شیعوں پر لازم ہے - جواباً مرزا صاحب نے فر
مولوی صاحب میری دلیل کا تو آپنے کوئی جواب ندیا - بیفائدہ وقت نہ ضائع کیجئے - آ

مناظر نے اپنے ایک خط میں صاف لکھدیا ہے کہ شیعہ جس مسئلہ پر چاہیں انسے گفتگو کر لیں اور زبانی بھی چکوال میں بہت سے دعوے کر چکے ہیں۔ اس لئے ہم تو ان کے ارشاد کی تعمیل کیلئے ایمان ثلثہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آپنے مان لیا ہے کہ خلافت سے پہلے ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ اسلئے ثبوت ایمان ثبوت خلافت پر مقدم ہے۔ چونکہ آپ مدعی ایمان ہیں۔ اسلئے اس کا ثبوت آپ کے ذمہ۔ گریز نہ کیجئے۔ کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اثبات ایمان سے عاجز ہیں اور اس لئے راہِ فرار نکال رہے ہیں۔ اس تقریر سے مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ اس وقت کا سماں قابلِ دید تھا جبکہ سُنی مقرر اس تقریر کو سنکر حسرت واندوہ سے ادھر ادھر تکنے لگا اور آخر اُسے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں ہوا کہ اڈیٹر النجم کو پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ اب ذرا ان سے آپکا انٹروڈیوس بھی کرا دوں۔ آپ عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔ رنگ گندمی۔ قد لیست ریش گھنی۔ بائیں ہاتھ سے سادھوؤں سی بھگوے رنگ کی پگڑی باندھے۔ پائجامہ ٹخنوں سے بہت بلند۔ گریبان کھلا ہوا سپاہی ریش وفش میدان میں نمایاں ہوئے۔ آپنے کیا کہا اور کیا پڑھا۔ یہ تو آپکو آئندہ صفحات سے معلوم ہوگا۔ لیکن ہاں میں یہ شعر سنا دیتا ہوں ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا۔ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا۔ آپکی تقریر ایسی پھیکی تھی کہ مجمع کے اوپر سے ہی گزر جاتی تھی۔ ادھر ہمارے مناظر کی زبردست قوت بیانیہ بجلی کی طرح چمکتی ہوئی آن کی آن میں صفوں کو چیرتی محویت کا عالم طاری کر دیتی تھی۔ اڈیٹر صاحب سارے دن آیۂ استخلاف کا ہی وِرد کرتے رہے۔ اور حالانکہ انکا مقدمۃ الجیش انکے سامنے اور انکا وکیل بن کر یہ اقرار کر چکا تھا کہ خلافت سے پہلے ایمان کا ثبوت ضروری ہے۔ لیکن آپ تھے کہ انکی خلافت یعنی حکومت سے ایمان ثابت کرتے رہے۔ گویا اگر وہ خلیفہ نہوتے تو انکا ایمان ہی ثابت نہوتا۔ یا جو خلیفہ نہیں ہوئے۔ انکا ایمان ہی ثابت نہیں۔ بس اسی سے آپ سمجھ لیں کہ وہ اپنے مدعا میں کہانتک کامیاب رہے۔ جب اڈیٹر صاحب نے دیکھا کہ اس سے دال نہیں گلتی تو خارج از بحث مسائل کو پیش کرنا شروع کیا۔ کبھی تحریف قرآن۔ کبھی متعہ۔ تقیہ بداء وغیرہ۔ لیکن ماشاء اللہ ہمارے مناظر نے ایسے دندان شکن جواب دئے کہ پھر مخالف کو تکلم کی ہمت ہی نہیں پڑی۔ برخلاف اس کے ہمارے مناظر نے اگر مطاعن پیش کئے تو وہ مطاعن اسی مسئلہ زیر بحث کے متعلق تھے۔ کیونکہ رسول اللہ پر ایمان یا شک۔ آپکی اطاعت وعصیان۔ آپکے حقوق کی ادائگی یا غصب ایمان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن انکا اڈیٹر نے جواب تک نہیں دیا۔ مدیر النجم نے کئی مقامات پر آیات قرآن کو غلط پڑھا۔ غلط حوالے دئے۔ ترجمہ غلط کیا۔ اور بڑی بے بسی کی بات یہ کی کہ جب ہر طرف سے یاس نظر آئی تو انبیاء و اولیاء کی

شان میں گستاخی و سوء ادبی کی۔ کبھی حضرت موسیٰ کو مغضوب الغضب کہا۔ کبھی اُن پر یہ
الزام لگایا کہ وہ حضرت ہارون کو شریک عبدۃ العجل خیال کرتے رہے۔ جب کہیں سے
کچھ نہ بنا۔ تو آخر اپنے لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا کہ کسی طرح فساد ہو جائے۔ تو انکی
جان بچے۔ جب اپنے گروہ پر بھی اپنی پھیکی تقریر کا اثر نہ پایا۔ تو ناصبیت کے رنگ
میں رنگین ہوئے۔ شیعوں کو اشتعال دینا چاہا۔ تاکہ وہی آمادۂ فساد ہو جائیں۔ تو
ہماری فتح ہو جائے۔ لیکن الحمد للہ کہ خیر و عافیت رہی۔ اور شیعہ مناظر نے اسوقت
اُنکا گلا چھوڑا جبکہ انہیں جان نہ رہی۔ دوسرے دن شیعوں نے خلافت کا مضمون بیان
کرنا تھا۔ لیکن چونکہ حکام نے دوسرے دن کی اجازت نہ دی۔ اسلئے بحث یہیں ختم ہو گئی۔
اور کہ وہ پکار اُٹھے ؎ حق و باطل کھل گئے اہلِ نظر پر ایکبار + نُور برہانِ خدا چمکا
بسانِ ذوالفقار۔ ان کے مناظرہ کا کیا اثر ہوا۔ خود مولوی کرم الدین صاحب سے
مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں ان کی یہ حقیقت معلوم ہوتی۔ تو ہم انہیں
کیوں بُلاتے۔ اور قاضی غلام ربانی نے روئداد ص۳ کے حاشیہ پر مولوی کرم دین کے ہوتے
ہوئے مدیر النجم کو بلانے کے بارے میں لکھا ہے ؎ چو کار فضول از من برآید + مرا در وے
سخن گفتن نشاید کہ ہم سے چونکہ یہ فضول کام ہو گیا اسلئے اب ہمیں اس میں زبان بند
رکھنی چاہیئے اور کچھ نہ کہنا چاہیئے (جیسا کہ صحابہ کے بارے میں کفِ لسان کرتے
ہیں)۔ ان کے ہندو دکیلوں نے بھی ان کی تقریر کی ذرہ بھر تعریف نہ کی۔ انکے دعوت
کنندوں نے انکے عیوب چھپانے کے لئے مرزائیوں سے ان کی تعریف کرائی۔ لیکن یہ تعریف
لاحاصل اور بے اثر ہے کیونکہ مرزائیوں کے امام عبدالکریم نے خلافتِ راشدہ میں لکھا
ہے کہ مرزائی سُنی ہیں پس سنی کی تعریف سُنی کی زبانی اپنے منہ میاں مٹھو بننا ہے۔
ہمارے سُنی بھائیوں نے مرزائیوں کے نوٹوں کو اپنی روئداد کا ماخذ بنانے میں بڑی
غلطی کی۔ مرزا قادیانی نے شہادت القرآن میں اپنی جماعت کی تعریف میں لکھا ہے۔
کہ انہیں کجدل۔ سفلہ اور خود غرض دیکھتا ہوں۔ بات بات پر دست بدامن ہوتے
بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے۔ پس جس جماعت کے بعض یا اکثر افراد کو
ان کے مرشد نے یہ سرٹیفکٹ دیا ہو۔ انکے نوٹوں کو اپنی روئداد کا ماخذ بنانا دیانت
کے خلاف ہے۔ اور اس سے جو نتائج پیدا ہوئے وہ آپکو آئندہ صفحات سے ظاہر ہونگے
ہم اول تو خدا کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے اہل حق کو احقاق حق کا ایسا عمدہ موقعہ
دیا۔ اس کے بعد حکومت سرکار برطانیہ کے لئے دعا کرتے ہیں کہ جس کے سایۂ عاطفت میں

ہمیں ایسی مذہبی آزادی حاصل ہے جیسی اپنے مسلمان حکمرانوں کے وقت میں بھی نہ تھی۔ ساتھ ہی ہم حضرات اہل سنت کے بھی شکر گذار ہیں جنہوں نے امن و امان سے تقریریں سنیں۔ اور بعد میں بھی باوجود اڈیٹر النجم کی چنگاریوں کے شیعوں سے دیرینہ الفت و محبت میں فرق نہ آنے دیا۔ ہم علاقہ جہلم کے برادران مومنین کا عموماً اور عالیجناب سید عجائب علی شاہ صاحب پنشنر صوبیدار درجال۔ چودھری مہر خان صاحب میونسپل کمشنر و انعام خوار چکوال۔ چودھری سلطان محمد خان صاحب رسالدار پنشنر۔ چودھری غلام حسین صاحب علاقہ دار کریالہ۔ چودھری افضل حسین صاحب نمبردار مرید۔ چودھری نور خان صاحب و چودھری اولیا خان صاحب کا خصوصاً شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جنہوں نے مناظرہ کے مصارف برداشت کئے۔ اور شرکاء مناظرہ کی راحت کا ہر طرح خیال رکھا۔ ناشکر گذار ہونگے اگر اپنے علماء و فضلاء و مناظرین کا شکریہ ادا نہ کریں۔ جنکی وجہ سے اہل حق کو ایسی فتح عظیم حاصل ہوئی۔

اب روئداد شروع کیجاتی ہے۔ لیکن اس سے قبل یہہ عرض کئے دیتے ہیں کہ تقاریر کو ہم نے مجلس مناظرہ میں ہی نوٹ کر لیا تھا اور مناظرہ سے واپسی کے بعد ہم نے ان نوٹوں کو فوراً صاف کر لیا اور یہ خیال ہوا کہ انہیں جلد سلک میں پیش کر دیا جائے لیکن جب مخالف مولویوں نے اشتہار بازی شروع کر کے اخفاء حق کی کوشش کی۔ تو ہمیں یقین ہو گیا کہ یہہ لوگ اپنی روئداد میں ضرور واقعات کو ہیر پھیر کر کے دکھائینگے۔ اس لئے انکی روئداد کا انتظار کیا گیا۔ آخر آٹھ ماہ کے بعد ان کی روئداد چھپی۔ تو قیاس سے بڑھکر اس میں تصرف و تغیر و تبدل پایا گیا۔ ہمارے مناظر کی تقریروں کو درج ہی نہیں کیا۔ اور اگر درج بھی کیا تو بہت کمزور اور پھیکا کر کے اور اپنے مناظر کی تقریر بالکل نئی تیار کیگئی بہت سی باتیں جو مناظرہ میں نہیں کہی تھیں اپنی تقریر میں درج کر دیں۔ اسلئے ہم نے پہلے تو اصل روئداد درج کی ہے۔ جس میں حتے الوسع یہ کوشش کیگئی ہے کہ مناظرین کے اصل الفاظ درج ہوں۔ جن مسائل کی مناظرہ میں بوجہ تنگی وقت تشریح نہ ہو سکی انکی تفصیل مزید حوالجات اور زائد اعتراضات کی جوابدہی کی خدمت ہم نے جناب مولانا مولوی مرزا احمد علی صاحب مدظلہ کے سپرد کی۔ چنانچہ انکی تنقید لاجواب بطور ضمیمہ ملحق کر دیگئی۔ وجہ تاخیر ایک تو روئداد کا انتظار تھا۔ دوسرے یہ کہ ہمارے مولانا ئے مکرم کو مناظرہ کے بعد بہت عدیم الفرصتی رہی۔ بہرحال اب یہ مجموعہ حاضر ہے۔ امید ہے کہ حق کے متلاشیوں کیلئے یہ ایک راہبر

کا کام دیگا۔ اس میں قریباً تمام مسائل متنازعہ آگئے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا بے نظیر مجموعہ ہے
جس کی مثال شاید اس سے پہلے نہ ملے۔ پہلے خیال تھا کہ روئداد مفت تقسیم کیجائے لیکن چونکہ
اب حجم بہت زیادہ ہو گیا اس لئے مومنین چکوال نے صرف چکوال کے لئے کچھ نسخے وقف
فرمائے ہیں۔ باقی حضرات شائقین بہدیہ ۱۰ ار آنے منگا سکتے ہیں۔ جن حضرات نے
مرزا محمد ہادی صاحب کو پوسٹیج ٹکٹ بھیجے تھے وہ یا تو انہیں بقیہ قیمت کے وی پی
کی اجازت دیں اور یا خود بقیہ ٹکٹ بھیجدیں۔ ربنا تقبل منا واھد جمیع المسلمین
سبیل الرشاد ؛

حصۂ اوّل روئداد مناظرہ

مناظر سُنّی۔ (خطبۂ عربی کے بعد) حضرات ابوبکر و عمر و عثمان صاحبان کا مومن
کامل سرتاجِ اہلِ ایمان اور خلفائے برحق ہونا اتنا ضروری عقیدہ ہے۔ کہ کوئی مسلمان
اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ شیعہ نے ان کے ایمان سے انکار کیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن
مجید پر ان کا ایمان نہیں ہے۔ اور انہیں بہت سی آیات کو بیک معنی جھٹلانا پڑا۔ قرآن کی
بہت سی آیات سے اِن حضرات کا سرتاجِ اہلِ ایمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن میں اسوقت
اُسی آیت کو پیش کرتا ہوں۔ جس کو پہلے بھی ایسے موقعوں پر پیش کر چکا ہوں۔ تاکہ شاید
اتنے زمانہ میں کسی نے بہت غور کر کے اس کا کوئی جواب بنا لیا ہو۔ ان حضرات کے انکار
کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ شیعوں کا ایمان قرآن پر نہیں۔ یہ تحریف قرآن کے
قائل ہیں۔ کافی میں متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ قرآن میں شیعوں کے
نزدیک کمی و زیادتی ہو گئی ہے۔

میں مضمون زیر بحث پر قرآن اور الفاظِ قرآن سے استدلال کرونگا۔ نہ خبرِ احاد
سے۔ ہاں اگر کوئی واقعہ متواتر ہو۔ تو اسے بھی تائید قرآن کے لئے استشہاداً بیان
کروں گا کیونکہ اخبار احاد ظنّی ہیں۔ اور ظنّی کا نتیجہ بھی ظنّی ہوتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔
وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض
کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم و
لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا و من کفر
بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون ترجمہ وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں کو جو
ایمان لائے اور کئے اُنہوں نے اچھے کام کہ ضرور ضرور خلیفہ بنائیگا ان کو زمین میں جیسا کہ
خلیفہ بنایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے اور ضرور ضرور تمکین دیگا۔ ان کے لئے

اُن کے دین کو جس کو پسند کیا اللہ نے ان کے لئے اور ضرور ضرور بدلادیگا ان کے خوف کے بعد امن - عبادت کریں گے وہ میری اور نہ شریک کرینگے میرے ساتھ کسی کو اور جو شخص بعد اس کے اس نعمت کا انکار کرے تو وہی فاسق ہیں - یہ وعدہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے نہیں - کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا - تو امنوا و عملوا الصالحات کافی تھا - منکم لغو ہوتا ہے - منکم میں کُمْ کا خطاب حاضرین کو ہے - پس اس سے صرف حاضرین صحابہ مخاطب ہیں - وعدہ تین چیزوں کا ہے - اور ان تینوں کا مجموعہ سوائے ثلاثہ کے کسی کو نہیں ملا - رسولؐ کے متبعین پر ایسا زمانہ گذرا - جبکہ وہ کفار سے ڈرتے تھے - لیکن بعد میں ایسا زمانہ آیا کہ ان کا خوف غیروں پر ہوا - یہ آیت بتلا رہی ہے - کہ ان کے موعودین میں ایمان پہلے سے تھا - اور جن چیزوں کا وعدہ ہوا - وہ مجموعی طور پر ہر زمانہ میں نہیں پائے گئے - سوائے ثلاثہ یعنی اول حضرت ابوبکر صدیق - ثانی حضرت عمر فاروق - ثالث حضرت عثمان غنی کے - احتمال عقلی کے طور پر کہہ سکتے ہیں - کہ اس سے ائمہ شیعہ مراد ہیں - لیکن بقول شیعہ اوّل الائمہ حضرت علیؓ کو امن نصیب نہیں ہوا - چنانچہ انکی معتبر کتاب احتجاج میں احمد طبرسی نے لکھا ہے - لقد عمل الولاۃ قبلی باموس عظیمۃ خالفوا فیہا رسول اللہ صلعم متعمدین لذٰلک ولو حملت الناس علی ترکہا و حولتہا الی مواضعہا التی کانت علیہا علی عہد رسول اللہ لتفرق عنی جندی حتی ابقی وحدی الا قلیلا من شیعتی الذین عرفوا فضلی و امامتی من کتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ - یعنی "مجھ سے پہلے حاکموں نے بڑے کام کئے ہیں - جن میں اُنہوں نے عمداً حضرت رسولؐ کی مخالفت کی ہے اور اگر میں لوگوں کو ان کے چھوڑنے کا حکم دوں - اور ان کاموں کو اُن کی صورتوں کی طرف بدل دوں - جن میں کہ وہ زمانہ رسولؐ میں تھے - تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے - یہاں تک کہ میں تنہا رہ جاؤں - سوائے میرے چند شیعوں کے جنہوں نے میری بزرگی اور امامت کو کتاب اللہ اور سنت نبیؐ سے پہچانا ہے" - اور امام حسنؓ کی چھ ماہ میں برائے نام خلافت تھی اب میں اس کا ثبوت شیعوں کی ایسی کتاب سے دیتا ہوں - جو انکے ہاں اتنی صحیح ہے - کہ انکے امام مہدیؑ نے اس کے بارہ میں فرمایا ہے - الکافی کاف لشیعتنا - یعنی کتاب کافی ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے - فروع کافی صفحہ ۲۹ میں مروی ہے - کہ حضرت علیؓ نے سنت عمر کو بدلنا چاہا - لیکن نہ بدل سکے - پہلی روایت سے معلوم ہوا - کہ ان کو خوف تھا اور امن حاصل نہیں تھا - اور دوسری بتلاتی ہے - کہ ان کو تمکینِ دین بھی نہیں تھی - اور اپنے دین کو رائج نہیں کر سکتے تھے - پس دو نعمتوں سے یہ محروم نظر آتے ہیں - اب اس آیت سے یا حضرت

علیؓ مراد ہیں۔ اور یا اصحابِ ثلاثہ۔ شیعوں کی روایات سے ثابت ہو گیا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ اس کے مصداق نہیں۔ پس اصحاب ثلاثہ مراد ہیں۔ حضرت علیؓ نے انکی بڑی تعریفیں کی ہیں۔ دیکھئے شیعوں کی ایک نہایت ہی معتبر کتاب نہج البلاغت میں علامہ شریف رضی حضرت علیؓ کے ایک خط بنام معاویہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ انما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموہ اماما کان ذلک للہ رضی۔ بتحقیق مجھ سے بیعت کی ہے ان لوگوں نے جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان سے بیعت کی تھی اور اس بات پر جس پر اُن سے کی تھی۔ پس نہ حاضر کو جائز ہے کہ وہ اور کسی کو پسند کرے۔ اور نہ غائب کو حق ہے کہ وہ میری بیعت کو رد کرے اور مشورہ مہاجرین و انصار کے لئے ہے اگر وہ کسی پر اجماع کر لیں اور اسے امام کر دیں تو وہ پسندیدہ ہو گا۔ اس خط میں آپ معاویہ پر احتجاج کرتے ہیں کہ شوریٰ مہاجرین و انصار کے لئے ہے جس کو وہ منتخب کر لیں وہ امام و خلیفہ ہے چونکہ خلفائے ثلاثہ کو انہی گروہوں نے منتخب کیا اسلئے وہ خلفاء برحق ہیں۔ جناب علیؓ فرماتے ہیں کہ جیسے ان گروہوں نے پہلوں کو منتخب کیا تھا ویسے ہی مجھے بھی انتخاب کیا ہے پس اب کسی عذر کرنے والے کے لئے جائے عذر نہیں اگر حضرت علیؓ خلافت شیخین کو باطل جانتے تو اُن کے طریق انتخاب کو اپنی حجیت میں کیوں پیش کرتے۔ آپکا اور خطبہ اسی کتاب میں درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں للہ بلاد فلان لقد قوم الاود و داوی العمد و اقام السنۃ و خلف البدعۃ ذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا و سبق شرھا ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ رحل و ترکھم فی طرق متشعبۃ لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن المھتدی۔ یعنی اللہ کے لئے ہیں شہر فلانے کے جس نے کجی کو سیدھا کیا اور بیماری کا علاج کیا اور سنت کو قائم کیا اور بدعت کو پس پشت ڈالا پاکدامن اور بے عیب گیا خلافت کی بھلائی کو لیا اور بُرائی سے بچا۔ اللہ کی طاعت کو بجا لایا اور جیسا چاہیئے تقوےٰ کیا کوچ کیا اور چھوڑ گیا ان کو ایسے متفرق راستوں پر کہ نہ اُن میں گمراہ ہدایت پا سکے اور نہ ہدایت یافتہ اپنی راہ پانے کا یقین کر سکے۔" اس خطبہ میں لفظ فلان ہے اس کی تشریح میں عُلمائے شیعہ اس سے پرے نہیں گئے کہ اس سے مُراد یا حضرت ابوبکر ہیں اور یا حضرت عمر بس دیکھئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کس طرح سے انکی تعریف کرتے ہیں جنکی حضرت علی تعریف کریں وہ بے ایمان ہیں؟

مناظر شیعہ (بعد خطبہ مسنونہ) حضرات! بحث تو تھی ایمان حضرات ثلاثہ پر لیکن مولوی صاحب نے خلافت ثابت کرنی شروع کر دی ان کے نزدیک جس کو ظاہری حکومت مل گئی اس کا مومن اور عامل بالصالحات ہونا ثابت ہو گیا! حالانکہ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس میں بہت سے ایسے

ملینگے جو خلفاء بھی کہلاتے تھے ان کے دین کو تمکین بھی تھی اور انہیں خوف بھی کوئی نہ تھا لیکن باوجود اسکے بعض لوگ انہیں مومن بھی نہیں جانتے اور بعض انہیں فاسق سمجھتے ہیں پس ظاہری حکومت یا اسکے ساتھ دیگر امور کا ملنا کسی کے ایمان پر دلیل نہیں پہلے ایمان ثابت کریں پھر مسئلہ خلافت ہے ایمان کے بغیر خلیفہ کو کون مان سکتا ہے اور مولوی صاحب نے یہ بھی نہیں بتلایا کہ آیۂ استخلاف میں خلافت سے کونسی خلافت مراد ہے خلافت اصطلاحیہ یا خلافت لغویہ۔ بنا بر شق اول کما استخلف الذین من قبلہم میں حضرت داؤدؑ کی مثال ہے۔ یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض (پ ۲۳ ص ع ۲) یعنی اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ مقرر کیا دوسری مثال حضرت ہارونؑ کی ہے وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی (پ ۹ اعراف ع ۱۷) یعنی اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو تو میری قوم میں میرا خلیفہ ہو۔ بنا بر شق دوم لغویہ کی مثال بنی اسرائیل کا استخلاف ہے عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون (پ ۹ اعراف ع ۱۵) یعنی خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور تمہیں زمین میں خلیفہ کرے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ جیسے بنی اسرائیل کا استخلاف تھا ویسا زمانۂ نبویؐ میں ہوگیا۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ صحابہ مدینہ میں حالت خوف میں تھے انہوں نے عرض کی یا حضرت ہم کب بےخوف ہو جائینگے حضرتؐ نے فرمایا خوف والی تمہاری حالت تھوڑے دن رہیگی۔ اسی کتاب میں ہے کہ خطاب رسول اور امت کو ہے اور من بیان کے لئے ہے چونکہ رسولؐ کو بھی خطاب ہے اسلئے رسولؐ کے عہد میں اسکا پورا ہونا ضروری ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپکے زمانہ میں تمکین دین بھی ہو گئی جیسا کہ ارشاد فرمایا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ھی العلیا۔ (پ ۱۰ توبہ ع ۱۱) یعنی خدا نے کلمۂ کفار کو پست اور دین اسلام کو بلند کر دیا۔ خوف بھی امن سے بدل گیا چنانچہ فرمایا فلیعبدوا رب ھٰذا البیت الذی اطعمہم من جوع وآمنہم من خوف۔ (پ ۳۰ قریش) یعنی چاہیے کہ وہ رب البیت کی عبادت کریں جسنے انہیں بھوک سے سیر کیا۔ اور خوف سے امن دیا۔ اور فرمایا لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ امنین (پ ۲۶ الفتح ع ۴) یعنی ضرور داخل ہوگے تم مسجد حرام میں انشاء اللہ درحالیکہ امن میں ہوگے۔ آپ نے حضرات ثلاثہ کے ایمان کا کوئی ثبوت نہیں دیا اور نہ کوئی ایسی خبر متواتر بتلائی جس سے آپکا مدعا صراحۃً ثابت ہوتا۔ اب ہم سے ان کے عدم ایمان کے دلائل سنیں:- (۱) اللہ تبارک وتعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ انما المؤمنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا (پ ۲۶ الحجرات ع ۱۴) جز ایں نیست کہ مومن وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے پھر اُنہوں نے شک نہ کیا۔ پس جنہوں نے شک کیا وہ مومن ہی نہ تھے بلکہ منافق تھے ملاحظہ ہو سورۂ حدید۔ پ ۲۷ ع ۲ لیکن اہل سنت

کی معتبر تفسیر معالم التنزیل جلد ۴ صہ (زاد المعاد مفتاح الفتوح) میں لکھا ہے کہ ثانی نے صلح حدیبیہ کے وقت کہا ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ یعنی جب سے میں اسلام لایا ہوں میں نے شک نہیں کیا مگر آج کے دن۔ (۲) ارشاد ہے یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول (پ ۹ الانفال ع ۳) اے ایماندارو قبول کرو بات اللہ اور رسول کی۔ ظاہر ہے کہ جو رسول اللہ پر زبان اعتراض کھولے اور آپکا حکم نہ مانے اسکو کون مومن کہہ سکتا ہے۔ سر العالمین مصنفہ امام غزالی مطبوعہ بمبئی مقالہ رابعہ ص ۹ پر لکھا ہے واجمعت الجماھیر علی متن الحدیث عن خطبۃ یوم الغدیر ولما مات رسول اللہ قال قبل وفاتہ ایتونی بدوات وبیاض لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لھا بعدی قال عمر دعوا الرجل فانہ لیھجر وقیل یھذو یعنی حضرت نبی اکرم نے فرمایا کہ قلم دوات لاؤ میں امر خلافت کی مشکل کو دور کردوں اور یہ بتلادوں کہ میرے بعد مستحق خلافت کون ہے ثانی نے کہا چھوڑ دو اس مرد کو یہ ہذیان کہہ رہا ہے (نعوذ باللہ) (۳) جو شخص رسول اللہ کو نرغہ اعدا میں چھوڑ دے اور اپنی جان کو بچا کر بھاگ جائے اسکے ایمان کا کیا کہنا اسی واسطے خدا نے جنگ کو معیار ایمان ٹھیرایا۔ پ ۴ آل عمران ع ۱۷ میں ارشاد فرمایا ما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین نافقوا جو کچھ تمہیں پیش آیا اسدن جب دو فوجیں بھڑیں سو اللہ کے حکم سے تاکہ معلوم کرے ایمان والوں کو اور ان کو جو منافق ہوئے تھے۔ نور ع ۹ میں ارشاد کیا انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوا یعنی سوائے اسکے نہیں کہ مومن وہ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائیں اور جب اللہ کے رسول کے ساتھ کسی امر جامع پر ہوں تو نہ جائیں جب تک رسول سے اجازت نہ لیں اس سے ظاہر ہے کہ جو جنگ سے بغیر اذن رسول کے بھاگ جائے وہ مومن نہیں۔ پ ۹ ومن یولھم یومئذ دبرہ ...... فقد باؤ بغضب من اللہ وماواہ جہنم۔ جو جنگ میں پیٹھ پھیرے وہ مغضوب اور جہنمی ہے۔ اب ان حضرات ثلاثہ کے فرار کا ثبوت اپنی ہی کتابوں سے ملاحظہ فرمائیے۔ روضۃ الصفا جلد دوم صہ ۳۴۳ اور حبیب السیر جلد اول جزء سوم صہ ۶۷ پر لکھا ہے در بعضے روایات آمدہ است کہ نوبتے زید بن وہب از عبد اللہ بن مسعود پرسید کہ چنیں شنیدہ ام کہ در روز اُحد بغیر از علی مرتضیٰ و ابو دجانہ و سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم در خدمت حضرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہیچکس نماندہ بود ایں خبر مطابق واقع است

یا نے جواب داد کہ در اوائل حال کہ سپاہ اسلام رو بوادئے انہزام نہادند بجز مرتضیٰ احدے
در نزد مصطفےٰ نماند و بعد از ساعتے عاصم بن ثابت و ابو دجانہ و سہل بن حنیف و
طلحہ بن عبید اللہ بملازمت خیر البشر شتافتہ کمر محاربت بر میاں بستند۔ زید باز پرسید کہ
ابوبکر و عمر کجا بودند گفت ایشاں نیز بگوشۂ رفتہ بودند و چوں از حال عثمان بن عفان
استفسار نمود گفت او نیز بطرفے شتافتہ در روز سوم از جنگ پیدا شد و بنا بر آنکہ
سفر او بمنزل عریض بود رسول فرمود بدرستیکہ ازیں واقعہ عریض رفتے۔ خلاصہ یہ کہ جنگ
احد میں اول و دوم رسول اللہ کو چھوڑ کر ایک گوشہ میں چلے گئے اور سوم عریض میں
بھاگ گئے اور تین دن کے بعد آئے۔ (ب) فرار حضرت ثانی۔ معارج النبوۃ
رکن ۴ ص ۱۵۶۔ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۳۶۶ کنز العمال جلد ۱ ص ۲۳۸۔ کتاب الاذکار
من قسم الافعال حدیث ۴۳۰۱۔ عن کلیب قال خطبنا عمر وکان یقرأ آل عمران
ویقول انہا احدیۃ ثم قال تفرقنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یوم احد فصعدت الجبل الخ۔ ص ۳۰۲ قال خطب عمر یوم الجمعۃ فقرأ آل عمران
فلما انتہی الی قولہ ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان قال لما کان
یوم احد ھزمنا ففررت حتی صعدت الجبل فلقد رأیتنی انزو کاننی
اروی الخ خلاصہ یہ ہے کہ ثانی نے فرمایا کہ احد کے دن میں بھاگا اور پہاڑی پر چڑھ
گیا اور تو نے مجھے اچکتا ہوا دیکھا گویا کہ میں پہاڑی بکرا تھا (ج) فرار حضرت ثالث۔
استیعاب جلد ۲ ص ۴۵۰ ترجمہ عقبہ بن عثمان قال ابن اسحاق وقد کان الناس انہزموا
عن رسول اللہ یعنی یوم احد حتی انتہی بعضہم الی المنقی دون الاعرض وفر
عثمان بن عفان..... حتی بلغوا الجبل مما یلی الاعرض فاقاموا بہ ثلاثا الی
آخرہ یعنی احد کے دن حضرت ابن عفان اتنا بھاگے کہ الجبل تک پہنچے اور تین دن تک
وہیں قیام فرمایا۔ بخاری ص ۵۲۳ و ص ۵۸۱ ان عثمان فر یوم احد (د) فرار شیخین
در جنگ خیبر۔ تاریخ طبری جلد ۳ ذکر الاحداث الکائنۃ فی سنۃ سبع من الہجرۃ
ص ۹۳ عن بریدۃ الاسلمی قال لما کان حین نزل رسول اللہ بحصن اہل
خیبر اعطی رسول اللہ اللواء عمر ابن الخطاب ونہض من نہض معہ من الناس
فلقوا اہل خیبر فانکشف عمر واصحابہ فرجعوا الی رسول اللہ یجبنہ اصحابہ
ویجبنہم فقال رسول اللہ لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ ورسولہ و
یحبہ اللہ ورسولہ فلما کان من الغد تطاول لہا ابوبکر وعمر فدعا علیا الخ

خلاصہ جب حضرت رسول خیبر کے قلعہ کے پاس اترے تو دوم کو جھنڈا دیا اور لوگ اسکے ساتھ ہوئے پس وہ اور اُس کے اصحاب بھاگ آئے رسول اللہ کی طرف اس حالت میں کہ اس کے اصحاب اسکو بزدل کہتے تھے اور وہ انکو نیز دیکھو ازالۃ الخفا ورق ص۲۲۹ اصل حدیث اور کنز العمال جلد ۶- کتاب الفضائل من قسم الافعال ص۳۹۴ حدیث ص۶۰۲۵ از حضرت علی علیہ السلام قال فان رسول اللہ بعث ابابکر فسار بالناس فانہزم حتیٰ رجع علیہ وبعث عمر فانہزم بالناس حتیٰ انتہیٰ الیہ فقال رسول اللہ لاعطین الرایہ رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ لہ لیس بفرار (خلاصہ یہ کہ جنگ خیبر میں شیخین بھاگ آئے تو حضرت نے فرمایا اب میں علم ایسے کو دونگا جو بھاگنے والا نہ ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ نمبر ایک و دو جو پہلے خیبریوں سے لڑنے گئے تھے وہ بھاگ آئے تھے تبھی حضرت نے نئے علم بردار یعنی حضرت علی علیہ السلام کی یہ تعریف کی کہ وہ بھاگ نہیں آئیگا بلکہ اسکے ہاتھ پر ہی فتح ہوگی- (۳) جنگ حنین- بخاری کتاب المغازی- باب قول اللہ و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم الخ حدیث نمبر ۳۰۹ سے ثابت ہے کہ حضرات ثلثہ اسدن بھی بھاگے (۴) اہل سنت کی کتابوں میں حدیث ہے حب الانصار من الایمان- بخاری- کتاب فضائل اصحاب النبی- باب حب الانصار ص۵۳۴ قال آیۃ الایمان حب الانصار و آیۃ النفاق بغض الانصار- یعنی انصار کی محبت ایمان کی نشانی اور انکا بغض نفاق کی نشانی ہے- لیکن بخاری کی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ آپکے فاروق صاحب نے سعد بن عبادہ انصاری کو کہا قال عمر قتلہ اللہ ص۵۱۸ اللہ اسے قتل کرے- اور تاریخ طبری جلد ۳ وقائع ۱۱ھ ص۲۱۰ میں اس کے بعد لکھا ہے انہ منافق یعنی سعد منافق ہے اور ابن قتیبہ نے کتاب الامامۃ والسیاسۃ کے ص۱۶ پر تخلف سعد بن عبادہ کے ذیل میں یہ الفاظ لکھے ہیں اقتلوہ قتلہ اللہ اور ص۱۷ پر ہے ولم یبایع لاحد اسنے ابوبکر و عمر صاحبان کی بیعت نہ کی ایسے جلیل القدر انصاری کے لئے یہ کلمات دلیل حب ہیں یا عداوت- نتیجہ آپ خود ہی نکال لیں- (۵) روضۃ الاحباب جلد ۳ ص۱۰۱ اور نہایہ ابن اثیر جزری ورق ۱۱۱ تحت لغت نعثل (نیز استیعاب میں) لکھا ہے کان اعداء عثمان یسمونہ نعثلا تشبیہا برجل من مصر کان طویل اللحیۃ اسمہ نعثل وقیل النعثل الشیخ الاحمق ... ومنہ حدیث عائشہ اقتلوا نعثلا قتل اللہ نعثلا یعنی عثمان الخ یعنی دشمنان سوم نے آپ کا نام نعثل رکھا تھا مصر کے ایک یہودی سے تشبیہ کی وجہ سے جسکی ڈاڑھی لمبی تھی اور اس کا نام نعثل تھا اور نعثل شیخ احمق کو بھی کہتے ہیں اور اس سے ہے حدیث حضرت عائشہ کہ آپ نے فرمایا قتل کرو نعثل یعنی تیسرے صاحب کو

اللہ اُسے مارے اس سے ظاہر ہے کہ ام المومنین نے ان حضرت کو ایک یہودی سے تشبیہ دی ۔ (۶) موطا
مالک مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۷۴ الشہدا فی سبیل اللہ کے ذیل میں لکھا ہے عن ابی النضر مولٰے
عمر بن عبید اللہ انہ بلغہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لشہداء احد
ھٰؤلاء اشہد علیہم فقال ابوبکر الصدیق یا رسول اللہ السنا باخوانہم اسلمنا
کما اسلموا وجاھدنا کما جاھدوا فقال رسول اللہ بلٰی ولا ادری ما تحدثون
بعدی قال فبکٰی ابوبکر ثم بکٰی ثم قال أئنا لکائنون بعد ذٰلک یعنی حضرت رسول
نے شہدائے اُحد کے لئے کہا کہ ان کے لئے میں شہادت دونگا حضرت ابوبکر نے فرمایا یا رسول اللہ
آیا ہم ان کے بھائی نہیں ہم اسلام لائے جیسے یہ لائے ہمنے جہاد کیا جیسا انہوں نے کیا آپنے
فرمایا ہاں ۔ میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث کروگے حضرت اول روئے اور پھر
روئے اور فرمایا آیا ہم اس کے بعد ایسے ہی ہونگے اسمیں حضرت نے اشارہ فرمایا کہ یہ حضرت
میرے بعد احداث کرینگے اور یہ ثابت ہے کہ بعد رسول احداث کرنے والے بروز قیامت حوض
کوثر سے راندے جائینگے ۔ دیکھو صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۱۸۲ ۔ فتح الباری جزو
۲۷ صفحہ ۱۷ ۔ بخاری جلد ۴ صفحہ ۸۳ فتح الباری جزو ۲۷ صفحہ ۲۱۳ ۔ بخاری صفحہ ۸۳ ۔ فتح الباری صفحہ ۲۱۵ ۔
صحیح مسلم مطبوعہ دہلی مع شرح نووی جلد اول صفحہ ۱۲۶ وغیرہ وغیرہ مطلب یہ ہے کہ حوض
کوثر پر آنحضرتؐ لوگوں کو سیراب فرماتے ہونگے تو حضرتؐ کے اصحاب سے کچھ لوگ حاضر ہونگے
لیکن ملائکہ ان لوگوں کو حضرتؐ کے پاس سے کھینچکر جہنم کی طرف لیجائینگے حضرتؐ عرض کرینگے
بارالٰہا یہ تو میرے اصحاب ہیں اس کا جواب ملیگا کہ تمہارے بعد ان لوگوں نے بڑی بڑی
بدعتیں حادث کیں تب آنحضرتؐ عرض کرینگے بیشک بیشک تب یہ عذاب جہنم کے ہی مستحق
ہیں ۔ اُسی میں ہلاک کئے جائیں ۔ (۷) ازالۃ الخفا ورق ۲۲۸ ۔ ذکر حضرت اول میں
ہے کہ حضرت رسولؐ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا الشرک فیکم اخفٰی من دبیب النمل
کہ شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے ۔ (۸) میزان الاعتدال ذہبی جلد
اول حرف الزاء نمبر ۲۹۲۹ صفحہ ۳۶۵ زید بن وھب من اجلۃ التابعین وثقاتہم متفق
علی الاحتجاج بہ الا ما کان من یعقوب الفسوی انہ قال فی تاریخہ فی حدیثہ
خلل کثیر ولم یصب الفسوی ثم انہ ساق من روایتہ قول عمر یا حذیفۃ باللہ انا
من المنافقین قال وھذا محال اخاف ان یکون کذبا قال ومما یستدل بہ
علی ضعف حدیثہ روایتہ عن حذیفۃ ان خرج الدجال تبعہ من کان یحب عثمان
الٰی ان قال ولو فتحنا ھذہ الوساوس علینا لرددنا کثیر من السنن الثابتۃ بالوھم

الفاسد ولا نفتح علینا فی زید بن وھب خاصۃ باب الاعتزال الخ خلاصہ یہ کہ زید بن وہب اجلۂ تابعین اور ثقات سے تھا اس سے احتجاج کرنے پر سب نے اتفاق کیا ہے مگر یعقوب فسوی نے کہا ہے کہ اسکی حدیث میں بہت خلل ہے اور اس کی یہ حدیثیں لکھی ہیں کہ نمبر دوم نے فرمایا اے حذیفہ بخدا میں منافقوں سے ہوں۔ دوئم جب دجال نکلیگا تو نمبر سوم کے دوست اس کی پیروی کرینگے لیکن فسوی نے ٹھیک نہیں کہا کیونکہ اگر ہم اپنے اوپر ان وسواسوں کا دروازہ کھولدیں تو ہمیں بہت ثابت شدہ سنتیں رد کرنی پڑینگی اس ریمارک سے ثابت ہوا کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور محض وساوس اور حسن ظن سے ان کی تغلیط نہیں ہو سکتی اور نمبر دو کا اقرار اس کے ایمان کی حقیقت کے اظہار کے لئے کافی ہے۔ قرآن شریف کے متعلق میں اپنے محققین علماء کے اقوال آپکو سناتا ہوں۔ تفسیر صافی ص۱۳ میں لکھا ہے اما الشیخ ابو علی الطبرسی فانہ قال فی مجمع البیان اما الزیادۃ فیہ فمجمع علی بطلانہ واما النقصان فیہ فقد روی جماعۃ من اصحابنا وقوم من حشویہ العامۃ ان فی القرآن تغیرا و نقصانا والصحیح من مذھب اصحابنا خلافہ نصرہ المرتضی واستوفی الکلام فیہ غایۃ الاستیفاء فی جواب مسائل الطرابلسیات الخ ص۱۵ وقال شیخنا الصدوق رئیس المحدثین محمد بن علی ابن بابویہ القمی طیب اللہ ثراہ فی اعتقادنا ان القران الذی انزلہ اللہ علی نبیہ ھو ما بین الدفتین وما فی ایدی الناس لیس اکثر من ذلک وقال شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی رحمۃ اللہ علیہ فی تبیانہ واما الکلام فی زیادتہ ونقصانہ فما لا یلیق بہ لان الزیادۃ فیہ فمجمع علی بطلانہ والنقصان منہ فالظاھر ایضا من مذھب المسلمین خلافہ وھو الیق بالصحیح من مذھبنا وھو الذی نصرہ المرتضی وھو الظاھر فی الروایات یعنی ابو علی طبرسی نے مجمع البیان میں فرمایا ہے کہ قرآن میں زیادتی کے بطلان پر سب کا اتفاق ہے کمی کے بارے میں ہمارے بعض اصحاب اور فرقہ حشویہ نے روایت کی ہے لیکن ہمارے اصحاب امامیہ کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے اور اس کی تائید سید مرتضے نے کی ہے اور مسائل طرابلسیات میں اسپر مفصل لکھا ہے اور ہمارے شیخ صدوق رئیس المحدثین محمد ابن علی بابویہ علیہ الرحمہ نے اعتقادات میں فرمایا کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جو قرآن خدا نے اپنے نبی پر اتارا تھا وہ یہی ہے جو بین الدفتین اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔ اور شیخ الطائفہ محمد ابن الحسن الطوسی علیہ الرحمہ نے تبیان میں فرمایا کہ قرآن میں

زیادتی تو ہرگز نہیں ہے کمی کے بارے میں بھی مسلمانوں کا اعتقاد اس کے خلاف ہے اور یہی
ہم امامیہ کا مذہب ہے اور یہی روایات سے ظاہر ہے۔ ہمارے اتنے جلیل القدر علماء و محدثین
کے اقوال و اعتقادات سے ہمارا عقیدہ دربارۂ قرآن شریف صاف عیاں ہے۔ ہمارے
محققین کے اس عقیدہ کی شہادت مخالفوں نے بھی دی ہے[1]۔ چنانچہ مرزا حیرت نے کتاب غسل مصفٰے
صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے بڑے بڑے فضلا و محققین اہل تشیع کا اس پر اتفاق ہے کہ یہی قرآن جو دُنیا
میں موجود ہے۔ زمانہ رسول۔ صحابہ و تابعین میں بھی تھا اور یہی بلا تغیر و تبدل حرفے یا
حرکتے موجود ہے۔ اب ذرا اپنے گھر کی سُنیں۔ آپکی صحیح ترمذی ابواب القراءت صفحہ ۲۷
میں ہے۔ عن علقمہ قال قدمنا الشام فاتانا ابو الدرداء فقال افیکم احد یقرء
علی قراۃ عبد اللہ قال فاشاروا الی فقلت نعم قال کیف سمعت عبد اللہ
یقرء ہذہ الآیۃ واللیل اذا یغشیٰ قال قلت سمعتہ یقرء ھا واللیل اذا
یغشی والذکر والانثیٰ فقال ابو الدرداء وانا واللہ ھکذا سمعت رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم وھو یقرء ھا وھٰؤلاء یریدونی ان اقرء ھا وما خلق
فلا اتابعھم ھٰذا حدیث حسن صحیح وھکذا قراءۃ عبد اللہ بن مسعود واللیل

---

[1] شمس العلما علامہ شبلی نعمانی اخبار الضیا و لاہور بابت ۹۔ اکتوبر ۱۳ء میں اپنے
ایک مضمون "قرآن کا خدا حافظ ہے۔ ترتیب قرانی" کے ذیل میں لکھتے ہیں ملاحظہ ہو اخبار مذکور
صفحہ ۶ کالم ۳ "حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کی حالت اور ان کی روایت قرآن مجید کے محفوظ رہنے
کی سب سے بڑی دلیل ہے شیعہ وہ فرقہ ہے جو خلفائے ثلاثہ کو سرے سے (نعوذ باللہ)
کافر سمجھتا ہے اور ان لوگوں کے ہاتھ سے جو کام انجام پایا ہو اس پر کبھی اعتبار نہیں کرسکتا
یہ مسلم ہے کہ جامع قرآن حضرت ابوبکر اور عمر اور اس کے بزور حکومت شائع کرنیوالے حضرت
عثمان تھے۔ یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت علیؑ نے قرآن مجید مرتب کیا تھا جس کی ترتیب بالکل مختلف
تھی خود سنیوں میں سے طبرانی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے یہ روایتیں نقل کیں (جیسا کہ
ابھی اوپر نقل ہو چکیں) کہ بعض سورتیں قرآن مجید سے نکل گئیں اور بعض سورتوں
کی بہت سی آیتیں جاتی رہیں۔ باایں ہمہ شیعوں نے کیا کہا؟ علامہ طبرسی جو مشہور
اور مستند شیعی مفسر ہیں تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں:۔ (حوالہ متن میں موجود ہے)
متعدد موقعوں پر لکھا ہے کہ قرآن کی صحت کا علم ایسا ہی ہے جیسا شہروں کا علم بڑے
بڑے واقعات اور مشہور کتابوں اور عرب کے مدون اشعار کا علم کیونکہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷ پر)

اذا یغشیٰ والنہار اذا تجلیٰ والذکر والانثیٰ ۔ دوسری حدیث عبد اللہ بن مسعود سے ہے قال اقرأنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی انا الرزاق ذو القوۃ المتین ھذا حدیث حسن صحیح (نیز دیکھو بخاری کتاب التفسیر ص۱۰۱ وص۵۲۹)

یعنی علقمہ کہتا ہے کہ ہم شام میں گئے تو ابو درداؔ ہمارے پاس آیا اور کہا کہ تم میں کوئی ہے جو عبد اللہ کی قرأت پر پڑھتا ہے ۔ میری طرف اشارہ کیا گیا میں نے کہا ہاں اُسنے کہا کہ تو نے عبد اللہ کو آیہ واللیل اذا یغشےٰ کو کیسے پڑھتے ہوئے سنا میں نے کہا کہ میں نے اسے یوں پڑھتے ہوئے سنا واللیل اذا یغشیٰ والنہار اذا تجلیٰ والذکر والانثیٰ ! اسپر ابو درداؔ بولے کہ بخدا میں نے خود رسول اللہ کو یونہی پڑھتے سنا لیکن اہل شام چاہتے ہیں کہ میں والذکر کو نہ پڑھوں اور میں ان کی پیروی نہیں کرتا ۔ (نیز دیکھو بخاری ص۵۲۹) دوسری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ابن مسعود نے کہا کہ حضرت رسول صلعم نے مجھے آیہ یوں پڑھایا انی انا الرزاق ذو القوۃ المتین ۔ یہ دونو حدیثیں حسن صحیح ہیں ۔ موجودہ قرآن میں خط کشیدہ الفاظ نہیں ہیں ۔

اتقان قلمی ۔ ورق ۶۵ ۔ تحت النوع التاسع عشر لکھا ہے ۔ وعن مالک ان اولہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قرآن کی نقل اور حفاظت کے اسباب غایت کثرت سے تھے اور اس حد تک پہنچے تھے کہ اور کسی چیز کے نہ پہنچے نہیں گئے اس لیے کہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ اور احکام دینیہ کا ماخذ ہے اور علماء اسلام نے اسکی حفاظت اور حمایت میں انتہا درجہ کی کوشش کی یہانتک کہ قرآن کے اعراب قراءت حروف آیات کے اختلافات تک اُنھوں نے محفوظ رکھے اسلئے کیونکر قیاس ہو سکتا ہے کہ اس احتیاط شدید کے ہوتے اس میں نقصان یا تغیر آنے پائے سید مرتضےٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن مجید آنحضرت کے زمانہ میں ایسا ہی مکتوب اور مرتب تھا جیسا اب ہے اور اسپر دلیل یہ ہے کہ قرآن اس زمانہ میں پڑھا جاتا تھا اور لوگ اس کو حفظ کرتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سُناتے تھے ۔ پھر ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء کے اخبار الضیاء لاہور کے صفحہ ۶ کالم ۲ میں لکھتے ہیں ۔ "موجودہ قرآن کے محفوظ رہنے کے متعلق عام اہل اسلام کی روایتیں پہلے نقل ہو چکی ہیں ۔ اہل تشیع کے معتقدات کی تشریح بھی گذشتہ نمبر میں انکی سب سے مشہور تفسیر (مجمع البیان علامہ طبرسی) کے حوالہ سے ہو چکی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ :- قرآن مجید آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ایسا ہی مکتوب و مرتب تھا جیسا اب ہے اسپر دلیل یہ ہے کہ قرآن اس زمانہ میں پڑھا جاتا تھا لوگ اس کو حفظ کرتے تھے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے اور متعدد صحابہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸ پر)

لما سقط سقط معہ البسملہ فقد ثبت انہا کانت تعدل البقرۃ لطولہا۔ یعنی مالک نے فرمایا کہ جب سورہ برات کا پہلا حصہ گرایا گیا تو اس کے ساتھ بسملہ بھی گر گیا اور یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ سورہ طول میں بقرہ کے برابر تھا اور بخاری صفحہ ۱۰۰۱ میں آیۂ رجم کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا۔ ان اللہ بعث محمداً بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ آیۃ الرجم فقرانا ھا وعقلنا ھا ووعینا ھا یعنی خدا نے حضرت محمد صلعم کو حق کے ساتھ بھیجا اور اسپر کتاب اتاری۔ جو کچھ خدا نے اتارا اس میں سے آیۂ رجم بھی ہے جسکو ہم نے پڑھا اور سمجھا اور اس کی حفاظت کی قریباً یہی مضمون ازالۃ الخفا مقصد اول صفحہ ۲۲۲ میں بھی ہے اسکی وجہ مسند احمد حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۶۹ میں لکھی ہے کہ قرآن بکری کا بچہ کھا گیا۔ عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں قد ذھب من القرآن کثیر بہت سا حصہ قرآن کا جاتا رہا ہے ان احادیث سنیہ میں موجودہ قرآن کا نقص ظاہر کیا ہے اب سنیئے کہ آپ کے خلیفہ صاحب فرماتے ہیں کہ موجودہ قرآن میں غلطیاں بھی ہیں۔ معالم التنزیل جلد اول صفحہ ۲۶۴ پر لکھا ہے کہ حضرت عثمان صاحب نے فرمایا ان فی المصحف لحنا سیقیمہ العرب یعنی قرآن میں غلطیاں بھی ہیں عرب اس کو ٹھیک کر لینگے۔ ایک اور لطیفہ سنئے جس سے پتہ چلیگا کہ جن لوگوں کے دلوں میں قرآن کی یہ عظمت ہو انکا ایمان قرآن پر کس پایہ کا ہوگا فتاوے قاضی خان جلد ۴ صفحہ ۳۶۷ پر لکھا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مثلاً عبد اللہ ابن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہ نے قرآن مجید کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے چند بار ختم کیا تھا۔ سید مرتضےٰ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو امامیہ یا حشویہ اس کے خلاف ہیں ان کی مخالفت قابل اعتبار نہیں کیونکہ انہیں جن لوگوں نے خلاف کیا ہے وہ اہلحدیث میں سے ایک گروہ ہے اور انہوں نے ضعیف روائتیں نقل کی ہیں (تفسیر مجمع البیان طبع ایران جلد اول صفحہ ۱۴)۔ پھر ۲۳۔ اکتوبر کے اخبار مذکور صفحہ کالم ۲۔۳ میں لکھتے ہیں:۔ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عثمان کا نام جامع القرآن مشہور ہو گیا حالانکہ ان کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب میں کوئی دخل نہیں انہوں نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ حضرت ابوبکر کے نسخہ کی چند نقلیں کرائیں اور مختلف صوبوں میں بھیجدیں کہ اُن کے موافق قرآن پڑھا جائے اتنا البتہ کیا کہ اسوقت تک قرآن مجید مختلف قراوتوں میں پڑھا جاتا تھا اس کی تفصیل آگے آئیگی حضرت عثمان نے قرات مشہورہ (ایک خاص قراءۃ از اتقان) کے موافق قرآن لکھوا کر باقی قراوتوں کے موافق جہاں کہیں جو اجزا ملے وہ چاک کر دئے یا جلا ڈالے اس کے ساتھ یہ بھی کیا کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں سور نہیں باہم کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ بلا خیال تقدیم و تاخیر تمام سورتیں الگ الگ لکھوا کر یکجا رکھوا دی گئی تھیں حضرت عثمان نے سورتوں کے مطول و مختصر ہونے کی بنا پر ترتیب دیدی کہ وہی آج موجود ہے کالم ۲۔ حضرت عثمان نے اگرچہ قرآن مجید کی متعدد نقلیں شائع کیں لیکن اسوقت (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹ پر)

والذی رعف فلا یرقاء دمہ فارادان یکتب بدمہ علیٰ جبہتہ شیئاً من القرآن قال ابوبکر الاسکاف یجوز قیل لوکتب بالبول قال لوکان فیہ شفاء لاباس بہ قیل لو کتب علی جلد میتۃ قال ان کان فیہ شفاء جاز یعنی جس کی نکسیر پھوٹے اور خون نہ بند ہوتا ہو اس خون سے پیشانی پر قرآن لکھنا جائز ہے ایسا ہی شفاء کیلئے اگر بول سے یا مُردار کی کھال پر کتاب مجید لکھے تو جائز ہے۔ اور اسی لئے اس کتاب میں تحریف کی عام اجازت دی گئی ہے ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۱۸۹۔ رہے خطبات نہج البلاغہ۔ اگر آپ نے تعریف ثلاثہ دیکھنی ہے تو خطبۂ شقشقیہ دیکھیں۔ جناب امیر مطلق شورے کو حجت نہیں جانتے تھے اسی خطبہ میں یا للہ وللشوریٰ ہے اسمیں شورے کی شکایت خدا کے پاس کی ہے پس معلوم ہوا کہ حضرت مطلق شورے کو دلیل حقیت نہیں جانتے تھے۔ رہی بیعت یہ سچے خلیفہ کی بھی ہوسکتی ہے جھوٹے کی بھی سچے کی ہی ٹھیک ہے۔ چونکہ معاویہ کا اعتقاد تھا کہ مہاجر و انصار جبکی بیعت کریں وہ خلیفہ برحق ہے اسلئے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میری انہوں نے ہی بیعت کی ہے للہ بلاد فلان میں کسی کا نام نہیں پھر اس میں تعریف کیا ہے کیا جو لوگوں کو ایسی راہ پر چھوڑے جسمیں نہ گمراہ کو راہ ملے نہ ہدایت یافتہ کو یقین وہ ممدوح ہے؟

مناظر سنی نے پھر آیہ استخلاف کو پڑھکر اپنے پہلے استدلال کو دُھرایا اور یہ فرمایا کہ اس آیت میں خلافت سے پیغمبرؐ کی جانشینی مُراد ہے اور فرمایا کہ میں نے آیہ قرآن سے استدلال کیا اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا یہ وعدہ زمانہ رسولؐ میں پورا نہیں ہوا۔ آپ یہ بتلائیں کہ اس آیت کا مصداق کون ہے؟ اگر اس کا مصداق کوئی نہیں تو نعوذ باللہ آیت قرآن جھوٹی ہوئی جاتی ہے۔ خلفاء ثلثہ کی خلافت کو صحیح مان کر ہی قرآن کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ یہ وعدہ زمانہ رسول اللہ میں پورا ہوگیا۔ کشاف میں یہ ہرگز نہیں اسمیں تو لکھا ہے کہ زمانہ ثلاثہ میں یہ وعدہ پورا ہوا۔ آپ پھر سُن لیں کہ یہ وعدہ قیامت تک کے مومنین کے لئے نہیں بلکہ منکم سے ثابت ہوتا ہے کہ حاضرین عہد رسالت ہی کیلئے یہ وعدہ ہے اسلئے جب تک ان میں سے کسی کو اس کا مصداق نہ بتلاویں کلام اللہ پر حرف آتا ہے آپنے چند کتابوں کا حوالہ دیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) تک قرآن میں اعراب (زیر و زبر) اور نقطے نہیں ہوتے تھے اور قریباً ۸۰ برس تک یہی حال رہا اہل عرب کو تو اس کی کچھ ضرورت نہ تھی انکی زبان تھی وہ پڑھ سکتے صحیح پڑھ سکتے تھے اور پڑھتے تھے لیکن عجم کے لئے بڑی دقت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اعراب کچھ سے کچھ ہو چلا یہ دیکھ کر حجاج بن یوسف نے اپنے کاتبوں کو حکم دیا کہ اعراب و نقطے لگائیں چنانچہ نصر بن عاصم یا یحییٰ بن یعمر نے یہ خدمت انجام دی (ابن خلکان تذکرہ حجاج بن یوسف) کتاب الاوایل میں ہے کہ نقطے ابوالاسود دُئلی نے لگائے تھے جو حضرت علیؑ کے شاگرد رشید تھے کالم ۳ (احقر ترمذی) ۱۲

ان میں سرّ العالمین ایسی ہے کہ بعض علماء کو اس میں کلام ہے کہ آیا یہ غزالی کی تصنیف ہے[1]
بھی یا نہیں۔ پھر اس میں سے آپ نے یہ پڑھا ہے اتفقت الجماهير اس سے تواتر حدیث غدیر کہاں سے
ثابت ہوتا ہے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کس چیز پر اجماع کیا ہے۔ آیا صحت حدیث پر یا اس کے
حسن ہونے پر یا کیا اور اس حدیث سے خلافت کہاں سے ثابت ہوتی ہے۔ قرطاس کے متعلق اتنا
ہی کافی ہے کہ حضرت علیؓ نے کیوں قلم دوات نہ دے دی رسول اللہؐ تو اسکے بعد بھی زندہ رہے
اگر یہ وصیت ایسی ضروری تھی تو آپ نے بعد میں اسے کیوں نہ لکھوا لیا۔ معالم التنزیل میں
یہ کہاں لکھا ہے کہ فاروق نے رسول اللہ کی نبوت میں شک کیا۔ اگر حضرت ثانی میں ایمان نہ
ہوتا۔ تو ایک شریف آدمی ایک رذیل کو لڑکی دینا گوارا نہیں کرتا چہ جائیکہ کافر و منافق کو دے۔
حضرت علیؓ نے حضرت ثانی سے کمال اتحاد ثابت کرنے کے لئے باوجودیکہ وہ بوڑھے تھے اپنی کم سن
لڑکی حضرت ام کلثوم کی اُن سے شادی کی۔ چنانچہ اصول کافی میں ہے هذا اول فرج غصبنا
(کافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ مؤلف) پھر دیکھئے حضرت نبی اکرمؐ نے حضرت ابن عفان کو دو لڑکیاں یکے
بعد دیگرے دیں اور اسلئے آپ ذوالنورین کہلاتے ہیں کیا کسی منافق کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے
بھلا شیعوں کا بھی کوئی مذہب ہے۔ حضرات ثلاثہ کو چھوڑ کر یہ کہیں کے نہ رہے۔ ان کے ہاں جھوٹ
بولنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ کافی میں حدیث ہے کہ دین کے نو حصے تقیہ ہیں۔ تقیہ کے معنی
ہی جھوٹ بولنا ہے کافی میں لکھا ہے کہ ابو عبد اللہ نے کہا التقیۃ من دین اللہ قلت من
دین اللہ۔ قال ای واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتها العیر انکم لسارقون
واللہ ما کانوا سرقوا شیئاً یعنی تقیہ دین خدا سے ہے یوسف نے کہا اے قافلہ والو تم چور ہو
بخدا انہوں نے کچھ نہ چرایا تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ جھوٹ کو کہتے ہیں۔
اب ایک اور دلیل سنئے جس سے حضرت علی کا ابن خطاب سے کمال اتحاد ثابت ہوتا ہے نہج البلاغۃ

---

[1] مولوی صاحب نے تو بلا دلیل کہدیا کہ سرّ العالمین غزالی کی تصنیف نہیں اب مجھ سے ثبوت لیں
کہ یہ اسی کی تصنیف ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ پر ترجمہ الحسن بن صباح میں لکھا ہے۔ قال ابو حامد
الغزالی فی کتاب سر العالمین کہ غزالی نے سرّ العالمین میں لکھا ہے۔ اور قاضی زادہ نے
کتاب اعتقادیہ میں نقل کیا ہے کہ کتاب انوار بدریہ میں دیکھا گیا کہ ابن جوزی نے تذکرہ خواص
الامہ میں نقل کیا ہے کہ ابو حامد غزالی نے کتاب سرّ العالمین وکشف ما فی الدارین میں حکایت
روز غدیر کو روایت کیا ہے۔ آپ کے مذہب کے اتنے بڑے علماء کی تحریرات سے ثابت ہو گیا کہ یہ
غزالی ہی کی تصنیف ہے۔ (احمد علی) ۱۲

میں لکھا ہے کہ غزوۂ روم پر جناب امیرؑ نے ان کو لکھا وقد توکل اللہ لاھل ھذا الدین
باعزاز الحوزۃ وستر العورۃ والذی نصرھم وھم قلیل لاینتصرون ومنعھم
وھم قلیل لایمتنعون حی لایموت انک متی تسیر الی ھذا العدو بنفسک
فتلقھم فتنکب لاتکن للمسلمین کانفۃ دون اقصیٰ بلادھم لیس بعدک مرجع یرجعون
الیہ فابعث الیھم رجلاً مجربا واحفز معہ اھل البلاء والنصیحۃ فان اظھر اللہ
فذاک ما تحب وان تکن الاخریٰ کنت ردا للناس ومثابۃ للمسلمین یعنی
تحقیق ذمہ داری کی ہے اللہ نے اس دین والوں کے لئے ان کے گروہ کو بلند کرنے اور انکی
کمزوری کو چھپانے کی اور جسنے ان کی مدد کی اس حال میں کہ وہ تھوڑے تھے فتح نہیں پا سکتے
تھے اور روکا ان کو اس حال میں کہ وہ کم تھے بچ نہیں سکتے تھے زندہ ہے مریگا نہیں۔ اگر
تم خود اس دشمن کی طرف جاؤگے اور مقابلہ کرکے بھاگو گے تو مسلمانوں کے لئے جائے پناہ نہو گی
اور تمہارے بعد ایسا مرجع نہیں ہوگا جس کی طرف وہ لوٹیں۔ پس انکی طرف کسی تجربہ کار کو
بھیجیں اور اس کے ساتھ آزمودہ کار اور خیر خواہ مقرر کریں۔ پس اگر اللہ فتح دے تو یہی تو چاہتا
اور اگر دگرگوں بات ہو تو تو لوگوں کا پشت و پناہ اور مسلمانوں کا مرجع ہو"۔ دوسری دفعہ
غزوۂ فارس پر مشورہ دیا اور فرمایا ان ھذا الامر لم یکن نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ
ولا بقلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی بلغ
ما بلغ وطلع حیث ما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ
ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعہ ویضمہ فاذا انقطع النظام تفرق
الخرز وذھب ثم لم یجتمع بحذافیرہ ابدا والعرب الیوم وان کانوا قلیلا فھم کثیرون
بالاسلام عزیزون بالاجتماع۔ اس امر کی فتح و شکست کثرت و قلت سے نہیں ہے۔ یہ خدا کا
دین ہے جسے اس نے ظاہر کیا اور اس کا لشکر ہے جسے اسنے تیار کیا اور اسکی مدد کی یہانتک کہ پہنچا
جہانتک کہ پہنچا اور طلوع ہوا جہاں سے طلوع ہوا اور ہم وعدہ دئے گئے ہیں خدا کی طرف سے اور اللہ
اپنے وعدہ کو پورا کرنیوالا ہے، اور حاکم کی مثال ہار میں ڈوری کی ہے۔ جب ڈوری ٹوٹ جائے تو دانے
پراگندہ ہوجائیں۔ عرب آج اگر کم ہیں لیکن اسلام سے بہت ہیں اور طاقتمند ہیں اتفاق سے"۔ اور فروع
کافی میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جن مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ سے
جہاد کئے وہ منجانب اللہ ماذون تھے فقد قاتلوھم باذن اللہ عزوجل لھم فی ذالک
اور ظاہر ہے کہ قیصر و کسریٰ کے ساتھ حضرت عمر نے ہی جہاد کئے ہیں اور ان مجاہدین کے لئے حضرت
جعفر نے فرمایا التائبون الحامدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر
یعنی یہ توبہ کرنے والے حمد کرنے والے نیکی کا امر کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہیں۔ اس

سے ان کا ایمان چودھویں کے چاند کی طرح ثابت ہو گیا۔

مناظر شیعہ۔ میں نے آیات قرآن سے ثابت کیا ہے کہ یہ وعدہ زمانۂ رسول میں پورا ہوا۔ دین کو تمکین بھی ہوئی۔ تبدیل خوف بہ امن بھی ہوا اب اور کیا مصداق بتلایا جائے اگر اس استخلاف سے جانشینی نبیؐ مراد تو جیسے کما استخلف کی رو سے پہلے خلفا کی جانشینی ہوئی ہے ویسے اپنے حضرات کیلئے ثابت کیجئے۔ آپکے خلیفہ اول تو یہ فرماتے ہیں کہ وہ خلیفۂ نبی نہیں نہایہ جلد ۲ میں ابن اثیر جزری نے تحت لغت خلف لکھا ہے وفی حدیث ابی بکر جاءہ اعرابی فقال لہ انت خلیفۃ رسول اللہ فقال لا قال فما انت قال انا الخالفۃ بعدہ الخلیفۃ من یقوم مقام الذاھب ولیسد مسدہ ... والخالفۃ فھو الذی لا غنی عندہ ولا خیر فیہ۔ یعنی ید رعائشہ سے اعرابی نے پوچھا آپ خلیفۂ رسول ہیں؟ آپ نے کہا نہیں بلکہ میں تو خالفہ ہوں۔ خلیفہ کسی کے جانشین کو کہتے ہیں اور خالفہ وہ ہے جس میں خیر نہ ہو۔ تفسیر کشاف کے حوالے سے میرا مطلب تھا کہ یہ خطاب رسول اور امت کو ہے اور منؔ بیان کیلئے ہے اور اس سے استخلاف لغوی ثابت ہوتا ہے۔ آپکی اور کشاف کی تفسیر بالرائے حجت نہیں۔ جب تک کوئی حدیث رسول اللہ کی زبانی ایسی بیان نہ کریں جس میں حضرت نے فرمایا ہو کہ اس آیت سے اصحاب ثلاثہ مراد ہیں۔ عجالہ نافعہ ص۳ میں عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے کہ علم حدیث شرافتے دارد کہ ہیچ علم بمشابہ آن نمیتواند رسید زیرا کہ علم قرآن وعقاید اسلام واحکام شریعت وقواعد طریقت ہمہ موقوف بر بیان پیغمبرؐ است وکشفیات وعقلیات را تا باین میزان نہ سنجند وبرین معیار نزنند قابل اعتماد ومحل اعتبار نمیتواند بود۔ یعنی علم قرآن وغیرہ بیان پیغمبرؐ پر موقوف ہے اور کشفیات وعقلیات کو جب تک اس کسوٹی پر نہ رکھا جائے قابل اعتبار نہیں پس آپ اپنی خود کردہ تفسیر کو بیان پیغمبرؐ سے ثابت کریں تب قابل اعتبار ہو سکتی ہے ولا فلا۔ سر العالمین غزالی کی مشہور تصنیف ہے منکرین کا نام بتلائیے اگر بعض نے انکار کیا ہے تو اس سے اس کتاب کی منقصت نہیں ہوتی آپ نے عجیب باتیں کی ہیں آپ مقالۂ رابعہ کا آغاز دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ امر خلافت کے بیان میں ہے۔ اور اتفقت الجماہیر سے ساری عبارت پڑھ جائیں تو آپ پر حقیقت کھل جائے اور آپنے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا کہ نمبر دوم نے حضرت سرور عالمؐ کیلئے ان ھذا الرجل لیھجر (یعنی یہ مرد نعوذ باللہ بکواس کر رہا ہے) کہا تو کیا اس قول کا قائل مؤمن ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں ثانی کو بچاتے ہوئے آپ حضرات نے رسولؐ کو بھی چھوڑ دیا۔ سنئے آپ کے امام ربانی مجدد الف ثانی صاحب اسبارہ میں کیا فرماتے ہیں وازین قبیل است اختلافیکہ در اتیان قرطاس نمودہ اند آنسرور در مرض موت طلب فرمودہ بود تا از براے ایشاں چیزے بنویسند جمعے گفتند قرطاس باید آورد

وجمع دیگر منع اتیان قرطاس نمودند۔ حضرت فاروق از انجماعہ بود کہ با تیان قرطاس راضی نشدہ وگفت حسبنا کتاب اللہ ۔ ازیں راہ بر حضرت فاروق اعتراض کردہ اند وزبان ہاے طعن وتشنیع کشادہ اند فی الحقیقت محل طعن نیست زیراکہ حضرت فاروق دانستہ بود کہ زمان وحی منقطع گشتہ واحکام سماوی تمام شدہ وغیر رائے اجتہاد گنجائش نماندہ دراین وقت آں سرور ہرچہ خواہند داشت از امور اجتہادی خواہد بود کہ دیگراں را دراں شرکت است بحکم فاعتبروا یا اولی الابصار پس صلاح دراں دید کہ دراین طور غلبہ وجع ایشان را تصدیع نباید داد وبرائے اجتہاد دیگراں کفایت باید نمود الخ۔

مکتوبات جلد ۳ صفحہ ۶۱ مکتوب ۳۶ بخواجہ محمد تقی در بیان بحث امامت وحقیقت مذہب اہل سنت جماعت خلاصہ یہ کہ جب حضرت رسول اکرمؐ نے مرض موت میں وصیت لکھنی چاہی تو ثانی اثنینؓ کو کاغذ لانے سے مانع ہوئے اور انھوں نے کہا ہمکو قرآن کافی ہے۔ یہ بات قابل اعتراض نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے جان لیا تھا کہ وحی کا زمانہ ختم ہوگیا ہے اب حضرت جو کچھ کرنا چاہینگے وہ اپنی رائے سے ہوگا جسمیں دوسرے بھی شریک ہیں اسلئے انھوں نے یہ صلاح دیکھی کہ حضرت کو تکلیف نہ دی جائے اور دوسروں کی رائے واجتہاد پر کفایت کرنا چاہیئے" دیکھئے کسی صفائی سے قول ہذیان کو ثابت کیا ہے اور حضرتؐ کو ایک معمولی انسان اور اسوقت درجۂ نبوت سے معزول بتایا ہے کہ انکے مقابلہ میں دوسروں کی رائیں کافی ہیں نعوذ باللہ۔ صلح حدیبیہ کے شک کے متعلق اگر آپ کو یہہ شک ہے کہ یہ نبوت میں شک نہیں تھا تو فرمائیے اور کس امر میں شک کیا تھا؟ لیکن اس کے متعلق سب حوالے مد نظر رکھ لیں (نیز دیکھیں معارف ابن قتیبہ صفحہ ۵۵ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۱ بخاری کی حدیثیں پڑھیں تو آپکو معلوم ہو کہ نبوت میں ہی شک کیا تھا تبھی تو بقول بخاری صدقہ کی سوجھی۔ روضۃ الاحباب میں ہے "ما شککت فی نبوۃ محمد کشکی یوم الحدیبیہ اور غالباً سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کشکی یومی ہذا یعنی جیسا مجھے رسولؐ کی نبوت میں آج شک ہوا ویسا کبھی نہ ہوا تھا فتح الباری قال عمر دخلنی امر عظیم اسی لیئے شارح نے لکھا کہ اسوقت تک مؤلفۃ القلوب سے تھا) نکاح ام کلثوم کے متعلق یہ عرض ہے کہ حدیث پیش کردہ میں یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ ام کلثوم حضرت علیؑ وفاطمہؑ کی بیٹی تھی۔ یہ تو حضرت ابوبکر کی لڑکی ہوگی جن سے خطبہ کرنے کا ذکر استیعاب جلد ۲ صفحہ ۳۵ باب النساء کتاب النساء میں ہے خطب عمر بن الخطاب ام کلثوم بنت ابی بکر یعنے حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت ابوبکر سے نکاح کرنے کی درخواست اور آپنے تو اتحاد ثابت کرنے کے لئے اس عقد کا ذکر کیا اور اس حدیث میں تو ہے کہ یہہ عورت ہم سے چھینی گئی کیا یہ اتحاد ومحبت کی دلیل ہے یا عداوت کی۔ اب اس کا ثبوت سنیئے کہ یہ حضرت علیؑ کی لڑکی نہ تھی قطب راوندی نے روایت کی ہے قیل لابی عبد اللہ ان الناس

یجمعون علینا و یقولون ان امیر المومنین زوج فلانا ابنتہ ام کلثوم وکان متکیا فجلس وقال یقولون ذلک ان قوما یزعمون ذلک لا یہتدون الی سواء السبیل۔ کذبوا الخ (مراۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۴۴۳) حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ علیؑ کی صلبی لڑکی ام کلثوم کا نکاح ثانی سے ہوا جھوٹے ہیں سیدھی راہ پر نہیں چلتے۔ کافی کی روایت بھی حضرت صادقؑ سے ہے اس روایت میں آپ نے تشریح فرما دی ہے کہ حضرت علیؑ کی صلبی لڑکی عمر کی زوجیت میں نہیں آئی۔ ازواجات عثمان حضرتؐ کی صلبی لڑکیاں نہ تھیں کافی کے باب محولہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ حضرتؐ کی صلبی لڑکیاں تھیں آپ کافی سے کوئی حدیث دکھائیں اور امام کا نام بتلائیں جس سے حدیث مروی ہو۔ تقیہ کے لئے کنز العمال جلد ۲ الکتاب الثالث من حرف الھمزۃ فی الاخلاق من قسم الافعال صفحہ ۲۲ حدیث نمبر ۴۹۵ دیکھو لا دین لمن لا تقیۃ لہ۔ جو معتقد تقیہ نہ ہو اس کا دین ہی نہیں۔ تقیہ کے معنے جھوٹ شاید آپکی ہی لغت میں ہونگے اسی لئے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل الشان نبی پر جھوٹ کا الزام لگایا۔ چنانچہ ترمذی ابواب تفسیر القرآن سورۃ الانبیاء صفحہ ۵۰۲ پر لکھا ہے (نیز بخاری صفحہ ۴۷۳ و ۶۱۱ مشکوۃ) لم یکذب ابراھیم علیہ السلام فی شیئ قط الا فی ثلاث قولہ انی سقیم ولم یکن سقیما وقولہ لسارۃ اختی وقولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا ھذا حدیث حسن صحیح یعنی حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ کبھی نہیں بولا مگر تین باتوں میں اول کہا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ بیمار نہ تھا۔ دوم سارہ کو اپنی بہن کہا سوم کہا کہ بت ان کے بڑے نے توڑے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نہج البلاغۃ کی عبارتیں بھی آپ کے مدعا کو ثابت نہیں کرتیں۔ ان میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے ان حضرات کا ایمان ثابت ہو۔ مشورہ ایک مومن کافر کو بھی دیدیتا ہے۔ ہمارے دلائل کا جواب آپ کے ذمہ باقی ہے۔ ایک دلیل اور سناد یتا ہوں بخاری ابواب المظالم والقصاص باب اذا خاصم فجر صفحہ ۳۳۲ پر لکھا ہے عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اربع من کن فیہ کان منافقا او کانت فیہ خصلۃ من اربعۃ کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا حدث کذب واذا وعد خلف واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر حضرت نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ جس میں چار باتیں ہوں وہ منافق ہے یا اسمیں ان چار میں سے ایک خصلت ہو تو اسمیں نفاق کی ایک خصلت ہے جبتک کہ اسے نہ چھوڑے۔ جب وہ بات کرے تو جھوٹ کرے۔ وعدہ خلافی کرے۔ عہد کو توڑ دے اور جب دشمنی کرے تو حد سے تجاوز کرے فجر ہو اس کے ساتھ صحیح مسلم قلمی کتاب الجہاد صفحہ ۳۳۵ کی یہ عبارت سن لیں حضرت ابن خطاب صفحہ ۲ فرماتے ہیں فلما توفی رسول اللہ قال ابوبکر انا

ولی رسول اللہ فجئتما تطلب میراثک من ابن اخیک ویطلب ھذا میراث امراتہ من ابیہا فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلعم ما نورث ما ترکناہ صدقہ فرایتماہ کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انہ لصادق بار راشد تابع للحق ثم توفی ابوبکر رضی اللہ عنہ وانا ولی رسول اللہ وولی ابی بکر فرایتمانی کاذبا غادرا خائنا واللہ یعلم انی لصادق الخ خلاصہ یہ کہ اے علیؑ و عباسؓ تم حضرت اول کے پاس دعوائے میراث لیگئے تو اسنے کہا کہ پیغمبر کا مال وراثت میں تقسیم نہیں ہوتا تو تم نے اسے کاذب گنہگار ۔ غادر ۔ اور خیانت کرنیوالا جانا پھر میرے پاس آئے تو مجھے بھی کاذب ۔ غادر و خائن سمجھا ۔ یہ ہے حضرت علیؑ و عباسؓ کا عقیدہ در بارۂ ہر دو حضرات ۔ ایک اور صحیح حدیث بخاری باب مناقب قرابتہ رسول اللہ صفحہ ۵۳۲ میں وارد ہے ۔ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا ۔ "فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبہا اغضبنی" حضرت نبیؐ نے فرمایا فاطمہ علیہا السلام میرا ٹکڑا ہے ۔ جس نے اسے غضبناک اور ناراض کیا اُسنے مجھے غضبناک کیا ۔ اب دیکھئے کس پر غضب رسول ہوا ۔ اسکے متعلق بخاری وغیرہ کے علاوہ ابن قتیبہ کی کتاب الامامہ والسیاسہ صفحہ ۱۳ کی یہ عبارت کافی ہے ۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے حضرات شیخین کو کہا ۔ "الم تسمعا رسول اللہ یقول رضا فاطمۃ من رضائی وسخط فاطمۃ من سخطی فمن احب فاطمۃ ابنتی فقد احبنی ومن ارضی فاطمۃ فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی قالا نعم سمعناہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت فانی اشہد اللہ وملائکتہ انکما اسخطتمانی وما ارضیتمانی ولئن لقیت النبی لاشکونکما الیہ ... وھی تقول واللہ لادعون اللہ علیک فی کل صلواۃ اصلیہا" ۔ یعنی آیا تم نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ رضائے فاطمہؑ میری رضا اور غضب فاطمہؑ میرا غضب ہے اور یہ کہ جسنے میری لڑکی فاطمہؑ سے محبت کی اُسنے مجھسے کی اور جسنے اُسے رضامند کیا اُسنے مجھے کیا اور جسنے اُسے ناراض کیا اُسنے مجھے کیا ان دونوں نے کہا ہاں ہم نے رسول اللہ سے یہ حدیثیں سُنی ہیں ۔ تو آپنے فرمایا میں اللہ اور اُس کے فرشتوں کو گواہ رکھتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض و غضبناک کیا اور جب میں نبیؐ سے ملونگی تو تم دونوں کی ان کے پاس شکایت کرونگی اور قسم ہے خدا کی کہ ہر نماز میں تمہارے لئے بددعا کرونگی " ایک اور ظلم یہ ہے کہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا اور حضرت علیؑ کے پاس بیٹھ رہے تو آپنے عمر کو اُن کی طرف بھیجا اُسنے آکر آواز دی وہ علیؑ کے گھر میں تھے اور اُنہوں نے نکلنے سے انکار کیا ۔ "فدعا بالحطب وقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن او لاحرقنہا علی من فیہا فقیل لہ یا ابا حفص ان فیہا فاطمۃ فقال وان" ۔ تو ثانی نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا خدا کی قسم نکلو ورنہ میں اس گھر کو

بمعہ انکے جو اس کے بیچ ہیں جلا دونگا۔ لوگوں نے کہا اسے والد حفصہ اسمیں رسول کی لڑکی حضرت فاطمہؑ ہے اُسنے کہا ہو۔" اور حضرت اول اپنے آخری وقت اسپر افسوس کرتے رہے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت دیکھو تاریخ طبری جلد ۴ صہ ۵۲ "فقال ابوبکر انی لا اسی علی شیء من الدنیا الا علیٰ ثلاث فعلتھن وددت انی ترکتھن .. فاما الثلاث التی وددت انی ترکتھن فوددت انی لم اکشف بیت فاطمہ عن شیءٍ" یعنی اے کاش میں نے خانۂ فاطمہؑ کے ساتھ یہ بے حرمتی نہ کی ہوتی کتاب الامامۃ والسیاسہ صہ ۳۱ پر ہے فلیتنی ترکت بیت علیؑ وان کان اعلن علی الحرب"۔ (اے کاش میں خانۂ علیؑ کو چھوڑ دیتا اگرچہ وہ لڑائی کا ہی اعلان کرتا۔) اب مسلمانو! خود فیصلہ کرلو جو بنت الرسول کو ناراض کرے۔ جو خانہ رسول کو جلانے کا قصد کرے وہ کتنا بڑا مومن تھا اور اس سے حضرت رسول اللہ کو کتنی بھاری ایذا ہوئی اور خدا فرماتا ہے ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ۔ (احزاب پ ۲۲ ع ۶) یعنی جو اللہ اور اسکے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ نے ان پر دُنیا و آخرت میں ... کی ہے۔

مناظر سُنی۔ میں نے قرآن سے ثابت کر دیا۔ کہ حضرات خلفاء سرتاج اہل ایمان اور برحق خلفاء نبی تھے آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ نہایہ کوئی حدیث کی کتاب نہیں وہ تو لغت کی کتاب ہے۔ سورۂ لایلاف کی آیہ وآمنھم من خوف میں کفار قریش مراد ہیں مکتوبات کوئی حدیث کی کتاب نہیں وہ ایک خط ہے جو ایک بزرگ نے اپنے مرید کو لکھا ہے۔ ام کلثوم زوجۂ عمر کا بنت علیؑ ہونا میں ابھی کافی سے دکھاؤنگا زوجات عثمان بنات رسول اللہ تھیں دیکھئے کافی میں لکھا ہے۔ وتزوج خدیجہ وھو ابن بضع وعشرین سنہ فولد لہ قبل مبعثہ القسم ورقیہ وزینب وام کلثوم الخ یعنے حضرت رسول نے حضرت خدیجہ سے نکاح کیا تو انکے بطن سے قسم ورقیہ وزینب وام کلثوم پیدا ہوئے مصنف کا یہ لکھنا ہی دلالت کرتا ہے کہ یہ امام سے مروی ہے۔ سُنئے حاضرین! شیعہ کے ہاں ایک مسئلہ متعہ ہے جسکی بڑی بڑی فضیلتیں بیان کی جاتی ہیں۔ تنویر البیان میں لکھا ہے کہ جسنے ایک متعہ کیا اُسے امام حسنؑ کا درجہ۔ دو متعہ کرنیوالے کو امام حسینؑ کا درجہ ملتا ہے اور جب مجلس گرم ہوتی ہے تو اسمیں جو مزے کی جو باتیں کرتے ہیں وہ تسبیح میں شمار ہوتی ہیں حالانکہ قرآن میں متعہ حرام ہے الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایدیھم۔ ممتوعہ زوجہ نہیں۔ آپ فدک فدک لئے پھرتے ہیں اول تو یہ دکھاؤ کہ حضرت فاطمہؑ نے دعوے کہاں کیا۔ حضرت ابوبکر کی مرویہ حدیث سے تو کمال صداقت اسلام ثابت ہوتی ہے اگر نبی کی وراثت جاری ہوتی تو لوگ کہتے کہ نبوت کا کارخانہ اسی لئے چلایا کہ اپنے گھر والوں کو

مالدار کرے اسلئے حضرت نے جہاں اپنے خاندان والوں پر زکوۃ حرام کر دی وہاں جائداد کو بھی صدقہ کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس سوائے علم کے اور کیا ہوتا ہے چنانچہ شیعوں کی معتبر کتاب کافی میں ہے ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا انما اورثوا احادیث من احادیثہم۔ شیعہ قرآن کی آیت وورث سلیمان داؤد پیش کر دیا کرتے ہیں۔ لیکن انہیں سوچنا چاہیئے کہ حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے اگر مالی وراثت تھی تو اکیلے سلیمان ہی کو کیسے ملتی۔ پھر خود انکی معتبر کتاب کافی میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے داؤد سے علم میراث میں پایا۔ حضرت فاطمہؓ کا غصہ تقاضاء بشریت کیوجہ سے تھا۔ اگر اسی پر آپ ایمان و عدم ایمان کا مدار رکھینگے تو حضرت فاطمہ تو حضرت علی پر بھی ناراض ہوئیں دیکھئے احتجاج میں لکھا ہے۔ اشتملت شملۃ الجنین وقعدت حجرۃ الظنین۔ تم جنین کی طرح کپڑا لپیٹ کر بیٹھ گئے اور تہمت زدہ خائن کے حجرہ میں بیٹھ گئے۔ بات دراصل یہی ہے کہ یہ تقاضائے بشریت سے تھا۔ حضرت موسےٰ بھی تو حضرت ہارون پر خفا ہوئے بلکہ ان کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ یہ واقعہ قرآن میں درج ہے۔ حضرت ہارون نے کہا یا ابن امی لا تاخذ بلحیتی ولا براسی۔ اے میری ماں کے بیٹے تو میری ڈاڑھی اور سر نہ پکڑ۔ حضرت موسےٰ کو خیال ہوا کہ ہارون بھی گاؤ سالہ پرستی میں شریک ہو گئے ہیں لیکن جب حضرت ہارون نے کہدیا ان القوم استضعفونی (قوم نے مجھے کمزور کر دیا۔) تو اُن کا غصہ جاتا رہا۔ اب ان حضرات ثلاثہ کے ایمان کا اور ثبوت سنئیے۔

قرآن میں ارشاد ہے یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم اے نبی تو کفار و منافقوں سے جہاد کر اور اُنپر سختی کر۔ اگر یہ حضرات منافق ہوتے تو رسول اللہ ان سے ضرور جہاد کرتے۔ پھر ارشاد ہے لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبہم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا۔ اگر نہ باز آئینگے منافق اور وہ جنکے دلوں میں بیماری ہے اور بد خبر اڑانے والے مدینہ میں تو ہم ضرور تجھے اُن پر اُٹھائینگے پھر وہ آپکے پڑوس میں نہ رہ سکینگے مدینہ میں مگر تھوڑے دن راندے ہوئے جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائینگے اور قتل کئے جائینگے ذلت کے ساتھ۔ منافقوں کو مدینہ کی مجاورت ہی ممنوع تھی۔ لیکن ان حضرات کا مرتبہ دیکھئے انکو جگہ ملی تو عین رسول اللہ کے پہلو میں ایک ہی گنبد کے نیچے۔ اور یہ ان کے اعلےٰ درجے کے ایماندار ہونے کی دلیل ہے۔ پھر فرمایا محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم الخ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپسمیں مہربان الخ۔ اب بتلائیے قیصر و کسریٰ پر کسنے سختی کی کسنے اسلام کو پھیلایا۔ کیا یہ لوگ مومن نہیں؟ پھر ارشاد ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔ تحقیق اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جبکہ وہ بیعت کرتے تجھ سے درخت کے نیچے۔ خدا ان کو مومن کہتا ہے اور رضامندی کی سند دیتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے والذین اٰمنوا وھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ والذین اٰووا ونصروا اولئک ھم المؤمنون حقا۔ جو ایمان لائے۔ ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجروں کو جگہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ دیکھئے خدا کس طرح مہاجروں کو مومن کہتا ہے۔ اور سنئے خدا فرماتا ہے الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ یہ دیکھئے رسول اللہ کے یارِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف کس طرح بیان ہوئی ہے۔ خدا انکو صاحب رسول کہتا ہے۔ کیا کافر و منافق بھی صاحب رسول ہو سکتا ہے؟

مناظر شیعہ:۔ میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آیہ استخلاف کا وعدہ زمانہ رسولؐ میں پورا ہو گیا لیکن مولوی صاحب یہی کہے جاتے ہیں کہ انکی باتوں کا کوئی جواب نہیں ہوا۔ سامعین ملاحظہ کر رہے ہیں کہ مولوی صاحب نے ابتک ایمان حضرات ثلاثہ ثابت نہیں کیا۔ کسیکو آپ کے سرتاج اہل ایمان کہنے سے تو انکا ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ آپنے یہ فرمایا ہے کہ کفار قریش کو خوف کے بعد امن مل گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ محض امن ملجانے سے کوئی مومن نہیں ہوجاتا پس بقول آپ کے اگر ثلاثہ کو امن مل گیا۔ تو کیا وہ مومن ہو گئے؟ نہایہ کے حوالہ کا آپنے خوب جواب دیا۔ صاحب نہایہ نے حدیث لکھی ہے۔ (یہ حدیث کنز العمال کتاب الفضائل باب الفا میں بھی ہے) اور وہ خود ایک محدث جلیل القدر ہے۔ مکتوبات کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ یہ مکتوبات آپ کے مجدد الف ثانی کے لکھے ہوئے ہیں اور انہوں نے اس مکتوب میں اہل سنت کا عقیدہ لکھا ہے اور اس مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ جب حضرت رسول نے قرطاس مانگا تو اسوقت انکا حکم قابل عمل نہ تھا جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہی ہوا کہ نبی اکرم نعوذ باللہ اس وقت فضول باتیں کر رہے تھے۔ ام کلثوم زوجہ عمر کا بنت علی ہونا ابھی تک آپنے کافی کے باب مجولہ سے نہ دکھایا۔ رقیہ و ام کلثوم کے بارہمیں آپنے جو عبارت پڑھی ہے وہ حدیث نہیں۔ آپ وہ حدیث مع اسناد پڑھیں جسمیں زوجات عثمان کا صلبی بنات رسول ہونا لکھا ہو۔ حاضرین دیکھ رہے ہیں کہ آپ ایمان ثلاثہ ثابت کرنے سے عاجز ہو گئے اسلئے آپ خارج از بحث باتیں کر رہے ہیں بھلا مسئلہ متعہ کو اس بحث سے کیا تعلق؟ خیر میں جواز متعہ کی آپکو ایک ہی حدیث سنا دیتا ہوں۔ مسند احمد حنبل جلد ۴ ص ۴۳۶ پر منقول ہے عن عمران بن حصین انہ قال تمتعنا مع رسول اللہ فلم ینہنا

رسول اللہ بعد ذالک عنہا ولم ینزل من اللہ عز وجل فیہا نہی"۔ عمران صحابی کہتا ہے کہ ہم نے رسول اللہ کے عہد میں متعہ کیا اسکے بعد حضرت نے ہمیں اس سے منع نہیں کیا اور نہ خدا کی طرف سے نہی اتری۔ ممتوعہ بھی زوجہ ہے۔ ازالۃ الخفا میں ہے کہ عمر صاحب نے فرمایا متعتان کانتا فی عہد رسول اللہ وانا احرمہما۔ دو متعہ زمانہ رسول میں تھے اور میں حرام کرتا ہوں ان میں متعہ زنان بھی ہے۔

عجیب بات ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا نے دعوے کب کیا اور پھر ان کے غضب کو تقاضائے بشریت بھی قرار دیتے ہیں۔ اگر دعوے ہی نہیں ہوا تو غضب کیسا؟ اب سنیئے دعوے کب کیا۔ بخاری کتاب الخمس باب فرض الخمس ص ۴۳۵ میں عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ صاحبہ سے روایت کی ہے کہ آپنے بیان کیا ان فاطمہ بنت رسول اللہ سالت ابابکر الصدیق بعد وفاۃ رسول اللہ صلعم ان یقسم لہا میراثہا ما ترک رسول اللہ ... فقال لہا ابوبکر ان رسول اللہ قال لانورث ما ترکناہ صدقۃ فغضب فاطمہ بنت رسول اللہ فہجرت ابابکر فلم تزل مہاجرتہ حتی توفیت الخ یعنی حضرت زہرا نے بعد وفات نبی صلعم اول سے کہا کہ ان کے باپ کا ترکہ انہیں دیدے۔ اسنے کہا پیغمبر کے مال کا کوئی وارث نہیں۔ تو حضرت صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہرا اس سے ناراض ہوگئیں اور اس کو چھوڑ دیا اور مرتے دم تک اسکو بائیکاٹ کیا۔ ہم نے ورث سلیمان کو ابھی تک پیش ہی نہیں کیا۔ آپ خود ہی سوال اُٹھاتے ہیں۔ خیر آپکی خاطر اس کا جواب بھی دیتے ہیں فرماتے ہے قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے۔ قرآن میں ایک ہی بیٹے کا ذکر ہے۔ ووھبنا لداؤد سلیمان اسی بیٹے کی وراثت کا بھی ذکر ہے اور کافی کی حدیث میں یہ کہاں لکھا ہے کہ سلیمان نے علم ہی وراثت میں پایا۔ علم ملنے سے مال کی نفی نہیں ہوتی اور کافی کی حدیث کو اگر صحیح بھی مانا جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ارض وعقار کی وراثت نہیں ہوتی۔ درہم و دینار جائداد منقولہ ہے اور اسی کی نفی ہے نہ غیر منقولہ کی اور فدک منقولہ نہیں۔ افسوس ہے کہ آپ معصومین کو بھی اپنے جیسا خیال کرتے ہیں۔ آپنے حضرت موسیٰ پر ناحق الزام لگایا ہے کہ اُنکو یہ خیال ہوا تھا کہ ہارون بھی گاؤ سالہ پرستی میں شریک ہوگئے ہیں۔ حضرت فاطمہ حضرت علی پر کبھی ناراض نہیں ہوئیں۔ ان کلمات میں جو آپ نے احتجاج سے بیان کئے ہیں حضرت سیدہ نے کمال مجبوری و ناچاری جناب امیر کی بتلائی ہے اور یہ تقاضائے حزن سے ہے نہ غضب ہے۔ آیہ جہاد کے متعلق عرض ہے کہ آپ یہ تو مانتے ہیں کہ حضرت رسول کے وقت میں منافق بھی تھے تو آپ یہ ثابت کردیں کہ حضرت نے کسی ایک منافق سے ہی جہاد کیا ہو۔ کیا ابن ابی اور اسکی پارٹی سے آپنے جہاد کیا۔ بلکہ بقول صاحب مدارج النبوۃ اُسکے آپنے کفن کیلئے اپنی چادر دی۔ پس اگر حضرت کے جہاد نہ کرنے کے باوجود وہ منافق کے منافق ہی رہے تو ثلاثہ کس طرح مومن بنگئے؟ دوسری آیت کا مطلب اگر وہی ہے جو آپنے بیان کیا ہے تو آپ یہ ثابت کریں کہ

اس آیت کے بعد مدینہ میں منافق کوئی نہیں رہا اور والذین معہ اگر ساتھیوں کے لئے ہے تو منافق بھی حضرت کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ صرف ساتھ ہونیسے کیا فائدہ۔ جب تک وہ مومن نہ ہوں ہیں نے حضرات ثلاثہ کا جنگوں سے فرار کرنا ثابت کیا ہے کیا ایسے حضرات اشداء علی الکفار ہو سکتے ہیں؟ البتہ کرار غیر فرار اس کا مصداق ہو سکتا ہے۔ بیعت رضوان میں رضا صرف مومنوں کیلئے ہے ہجرت بھی مومن کی مقبول ہوتی ہے اور وہ بھی تب جب فی سبیل اللہ ہو۔ آیت ہجرت میں بھی پہلے ایمان کا ذکر ہے اور صاحب کے لفظ سے کوئی مدح ثابت نہیں ہوتی۔ خدا نے رسول کو کافروں کا صاحب کہا ہے ماضل صاحبکم۔ بیعت رضوان کی رضوان بھی صرف مومنوں کیلئے ہے لفظ المومنین قرآن میں ہے اسلئے پہلے ایمان ثابت کریں۔ کیا اُسکو یار غار کہہ سکتے ہیں جو رسول کے دفن کی بھی پراہ نکرے۔ حضرت کی نعش مطہر کو چھوڑ کر سقیفہ جیسی جگہ میں جائے اور اپنی بادشاہی کیلئے کوشش کرے۔ رازی نے نہایۃ العقول میں لکھا ہے ثم تبکروا الی سقیفہ بنی ساعدۃ وترکوا اہم الاشیاء وہو دفن الرسول) یعنی یہ سقیفہ میں گئے اور سب سے ضروری شے یعنی دفن رسول کو چھوڑ دیا۔ مولوی صاحب! آپ پہلے حضرات ثلاثہ کا ایمان ثابت کریں۔ پھر ان آیات مدحیہ کو انپر چسپان کرنیکا حق رکھتے ہیں۔

مناظر سُنی۔ صاحبان! آپنے دیکھا کہ شیعہ مناظر نے اب تک اتنی لمبی چوڑی تقریر کی لیکن ساری باتیں موضوع سے باہر کہیں۔ اگر فدک۔ قرطاس وغیرہ پر بحث ہوتی تو ہم انہیں دکھلا دیتے لیکن ان امور کو موضوع سے تعلق نہیں۔ مولوی صاحب نے صرف ایک بات ہی معقول کہی ہے کہ پیغمبر کی حدیث دکھلاؤ کہ یہی حضرات مراد ہیں اسلئے اسکا جواب دیتا ہوں۔ سنئیے حدیث رایت مشہور ہے۔ حضرت رسول اللہ نے فرمایا لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ کہ میں کل جھنڈا اسے دونگا جو اللہ اور اسکے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول بھی اسے دوست رکھتے ہونگے۔ اس وعدہ کا مصداق اسوقت معلوم ہوا۔ جبکہ رسول اللہ نے علم حضرت علی کرم اللہ وجہ کو عطا کیا۔ اسی طرح خدا کا وعدہ ہے کہ میں مومنوں کو خلیفہ کرونگا۔ پس جب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم وارضاہ خلیفہ ہوگئے تو ظاہر ہوگیا کہ اس آیت کے مصداق یہی تھے اس سے پہلے جیسا کہ یہ معلوم نہیں تھا کہ محب خدا و رسول کون ہے ویسے ہی اس وعدہ استخلاف سے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ ثلاثہ اسکے مصداق ہیں۔ پس اب یہ تنقیح نکلی کہ آیا یہ حضرات خلیفہ ہوئے۔ ان کے دین کو تمکین ہوئی۔ انکو تبدیل امن کی نعمت ملی۔ اگر کہو نہیں تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اگر کہو ہاں تو یہ خلفاء برحق اور سرتاج اہل ایمان ثابت ہوئے۔ اگر حضرت صدیق نے خالفہ کہا تو یہ کسر نفسی ہے لیکن کافی میں لکھا ہے کہ جناب امیر نے فرمایا لاتکفوا عن مقالۃ بحق او مشورۃ بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطی کہ تم مجھے سچا مشورہ دینے میں پیچھے نہ رہو۔

کیونکہ میں اس سے زیادہ نہیں ہوں کہ خطا کروں۔ کیا رسول اللہ صلعم نے منافق کو ایک نہیں دو لڑکیاں دیں کافی
میں صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں بنات رسول تھیں۔ والذین معہ صیغہ جمع ہے اور از روئے قواعد
تین سے کم پر نہیں آسکتا۔ لیکن آپ کہتے ہیں۔ کہ صرف حضرت علیؑ مراد ہیں۔ پھر رحماء بینہم
کے کیا معنی ہوئے؟ حضرات! شیعوں میں ایک مسئلہ بدا ہے یعنی خدا کی جہالت کا عقیدہ رکھتے
ہیں ان کے ہاں حضرت رضا سے منقول ہے ما بعث اللہ نبیا الا بتحریم الخمر وان
یقر اللہ بالبدا۔ بدا کے معنی ہیں کہ خدا کو ایک بات پہلے معلوم نہ ہو اور پھر معلوم ہو جائے۔ آپ
بار بار کہتے ہیں کہ میں نے ایمان ثابت نہیں کیا۔ میں نے تو ان کے ایمان کے دلائل دے دئیے ہیں
اگر انکو آپ نہیں مانتے تو بھلا آپ علیؑ کا ایمان تو ثابت کر دیں۔ مسلمانو شیعہ صحابہ کبار اور
غوث الاعظم کو گالیاں دیتے ہیں۔ کیا یہ اس قابل ہیں کہ انکی بات مانی جائے؟

مناظر شیعہ۔ صاحبان! آپنے مولوی صاحب کا زور دیکھ لیا۔ آپنے صبح سے شام کر دی
لیکن ثلاثہ کے ایمان کو ثابت نہیں کیا۔ پیچھا چھڑانے کیلئے خارج از بحث مسائل چھیڑتے رہے
پہلے تحریف قرآن کا ذکر چھیڑا لیکن جب اسمیں انہیں اپنے گھر کی سیر کرائی گئی تو پھر خاموش ہو گئے
پھر تقیہ کو لے آئے۔ لیکن جب انہی کی کتابوں سے تقیہ کا جواز ثابت کیا گیا تو لاجواب ہو گئے۔
ہم نے جن امور کا ذکر کیا وہ عین مضمون کے متعلق تھے۔ جیسے ان کے حضرات کا نبوت میں شک کرنا ثابت
کیا۔ تو آپ خاموش رہے۔ ہم نے ان کا حکم نبی کو ہذیان کہنا انہی کی کتابوں سے دکھلایا تو
اُسے ہضم کر گئے۔ ہم نے ان کا جنگوں سے بھاگنا ثابت کیا تو مولوی صاحب اس کے جواب سے
بھی بھاگ گئے۔ ہم نے یہ ثابت کیا کہ حضرت صدیقہ کبریٰ فاطمۃ الزہرا سیدۃ النساء العالمین خاتون
جنت سلام اللہ علیہا آپ کے اول پر ناراض گئیں تو مولوی صاحب نے اسے تقاضائے بشریت کہکر
نبی اکرم صلعم کے قول کی تکذیب کی۔ ہماری تمام باتیں اصل مضمون سے تعلق رکھتی ہیں اسلئے آپکا
انہیں خارج از بحث کہنا بعید از انصاف ہے۔ آیت استخلاف کے متعلق ہمارا پہلے سے یہی سوال ہے
کہ یہ ایمان والوں کو وعدہ ہے آپنے ابتک ان کا ایمان ہی ثابت نہیں کیا تو خلافت تو کہاں کر سکتے
پھر سن لیجئے کہ ہم اسطرح پیچھے بیٹھنے والے کو خلیفہ رسول نہیں مانتے۔ پہلے ایمان۔ پھر اہلیت خلافت
پھر نص ہونی چاہیئے۔ آپ چونکہ پیچھے بیٹھ جانے والے کو ہی خلیفہ جانتے ہیں اسلئے آپ کے ہاں
یزید بھی خلیفہ رسول ہے۔ ثبت العرش ثم النقش پہلے ان حضرات کا ایمان ثابت کریں پھر
خلافت وہ خود تو اپنے آپ کو خالف کہتا ہے اور آپ اسے خلیفہ کہہ رہے ہیں۔ یہ عجیب کسر نفسی
ہے کہ منصب سے ہی انکار۔ پھر ہمارا یہ کہنا کہ وہ واقعی خلیفہ نہیں اسکو بھی کسر نفسی کی تائید ہی سمجھ
لیں اور آپ بھی خالف کہکر مزید تائید کریں۔ جناب امیرؑ کی نسبت جو آپ نے کہا ہے اس کا صحیح حوالہ

دیں۔ اور پوری عبارت پڑھیں اور یہ بھی سن لیں کہ آپکے خلیفہ نے فرمایا ہے ان لی شیطانا یعتریٰنی میرے لئے ایک شیطان ہے جو مجھے بہکاتا ہے۔ جناب عالی! والذین معہ کی شان اشداء علی الکفار ہے کیا جو کافروں سے بھاگیں وہ اس صفت کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ کیا جو رسول کی پیاری بیٹی سے بدخوئی کریں وہ رحماء بینھم ہیں۔ ذرا انصاف تو کریں اور سمجھ لیں کہ جنمیں یہ صفات ہیں وہی اس کے مورد و مصداق حقیقی ہیں لیکن آپکے ثلاثہ ان میں داخل نہیں ورنہ آپ تطبیق کرکے دکھلاتے اور معہ تو منافق بھی تھے۔ پھر ساتھ ہونے سے ایمان کہاں ثابت ہوتا ہے جبتک کہ ایمان کی صفات موجود ہوں۔ حضرت علیؑ کا ذکر میں نے مثال کے طور پر کیا ہے اور میرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح علیؑ میں یہ صفات ہیں اور اسلئے وہ مصداق ہیں اسی طرح جنمیں یہ صفات ہونگی وہ اسکے تحت میں آجاوینگے بہرحال ان آیات سے ثلاثہ کبھی مراد نہیں ہو سکتے۔ آخر تقریر میں آپنے حضرت علی علیہ السلام کی نسبت وہ کلمہ زبان سے نکالا ہے جو شاید خارجی کہتے ہوں اور جس کو ایک مسلمان سن بھی نہیں سکتا اور یہ آپنے اپنے فرار کی راہ نکالی ہے۔ لیکن اگر آپ اسی پر بحث کرنا چاہتے ہیں تو آپ لکھدیں کہ آپ ایمانِ علیؑ سے منکر ہیں۔ پھر میں ایمان علیؑ کو ایسے زبردست دلائل سے ثابت کرونگا کہ خارجیوں کی قبروں سے بھی اشہد ان امیرالمؤمنین علی ولی اللہ و وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل کی آواز بلند ہو۔ آخر میں آپ ذرا اپنے خلفاء کی فہرست بھی سن لیں تاکہ حق و باطل کا بخوبی موازنہ ہو جائے۔ شرح فقہ اکبر و صواعق محرقہ و براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے واز جملہ روایت ابو داؤد است۔ لایزال الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ ... قاضی عیاض گفت شاید کہ مراد بدوازدہ کس کہ دریں حدیث وما نند ایں مذکور شدہ است کہ ایشان خواہند بود درمدت عزت خلافت و قوت اسلام و استقامت امور اسلام و اجتماع ہمہ امت برکسیکہ بامر خلافت نماید ... و شیخ الاسلام ابن حجر در فتح الباری کہ شرح صحیح بخاری است چنین گفتہ کہ کلام قاضی نیکوترین کلامے است کہ دریں حدیث گفتہ اند وارجح اقوال است ... و مراد اجتماع ناس از انقیاد و اطاعت بیعت او است۔ وکسیکہ اجتماع ہمہ مردم بر و شدہ است خلفائے ثلاثہ است باز حضرت علیؑ تا زمانیکہ امر تحکیم واقع شد در صفین و ازاں روز بمعاویہ اسم خلیفہ اطلاق کردند باز اجتماع مردم براو شدہ در وقت صلح جگر گوشۂ رسول حضرت حسنؑ باز بر پسر او یزید بے رحم و امر حضرت سید الشہدا امام حسینؑ انتظام نیافتہ قبل از اجتماع جمیع مردم بروئے شہید شدہ باز عبدالملک۔ ولید سلیمان۔ یزید۔ ہشام۔ جن بارہ خلیفوں کی نبی اکرمؐ نے بشارت دی تھی وہ حضرات ثلاثہ پھر حضرت علیؑ تا زمانہ تحکیم اسکے بعد معاویہ پھر یزید۔ پھر عبدالملک اور اسکے چار بیٹے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے ہاں حضرات ثلاثہ ایسے ہی خلفا ہیں جیسے

معاویہ و یزید۔ اسی پر فیصلہ ہے۔ خدا انکو ہدایت دے ۔ اللّٰھم صلّ علٰے محمدؐ و آل محمدؐ

نتیجہ۔ یہاں ہم اس مناظرہ کے متعلق تحریرات اغیار کا خلاصہ بھی درج کر دیتے ہیں تاکہ یہ بھی یادگار رہیں۔ (۱) اس مباحثہ کے بعد شام کے وقت بابو رام لبھایا مل صاحب پلیڈر راستہ میں مجھ سے ملے انھوں نے دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس سے سابقہ مناظرہ میں جو کمزوری اہل شیعہ کی دکھلائی گئی تھی وہ اس مناظرہ میں رفع ہو گئی حکم سنگھ سیز منڈھٹ چونگی چکوال ۔ (۲) ہم اس مباحثہ میں موجود تھے۔ اسمیں محمد سجاد جی نے یہ سوال کیا تھا کہ حضرت محمد صاحب جی کے چار ساتھیوں میں سے حضرت علیؑ کے بغیر باقی تینوں کا ایمان قائم نہیں تھا جس کے ثبوت میں انھوں نے کتابوں کے حوالے دیکر یہ کہا کہ انکا لڑائیوں سے بھاگنا۔ حضرت محمد جی کے جنازہ میں شامل نہ ہونا بلکہ اسے چھوڑ کر لوبھ میں پڑ کر اپنے دئے سلطنت قائم کرنا۔ حضرت صاحب کی پیاری لڑکی کا حسب الحکم پیغمبر ادب نہ کرنا بلکہ برا سلوک کرنا ان کے ہاں ناپاک لہو یا پیشاب سے پاک کلام کی لکھائی کا جائز ہونا۔ لیکن مولوی شکور جی نے ان میں سے ایک کا بھی تسلی بخش جواب دیکر تردید نہ کی۔ بھائی بخش سنگھ پریزیڈنٹ سنگھ سبھا چکوال۔ سردار نرائن سنگھ سود اگر آہن منڈی چکوال ۔

(۳) اس مباحثہ میں تقریر مولوی صاحب شیعہ کی تیز و طرار تھی۔ رام لبھایا مل پلیڈر ۔ ٹاکر چند۔ گوردت مل و شنبھا سنگھ پلیڈر (منقول از روئداد مولوی عبدالشکور)

نوٹ :۔ اراکین انجمن سنت چکوال اس مناظرہ سے اتنے ہراساں و خوف زدہ ہوئے ہیں کہ روئداد میں اپنے بھائیوں اور علماء سے التماس کرتے ہیں۔ کہ لللہ شیعیت کو دباؤ۔ ان کے برخلاف وعظ کرو۔ کتابیں لکھو۔ کیونکہ پنجاب میں یہ مذہب پھیل رہا ہے۔ سنّی اُن کے فریب میں آ جاتے ہیں۔ ہمیں انکی حالت پر رحم بھی آتا ہے اور افسوس بھی رحم تو انکی بے بسی پر آتا ہے۔ اور افسوس اسلئے کہ انھوں نے اس التماس میں شیعوں پر بے جا حملے اور انکی توہین کی ہے۔ لکھا ہے کہ شیعہ چاہتے ہیں کہ نبی کی نبوت معجزات اور قرآن میں شک ڈلوا دیں۔ استغفر اللہ ۔ اے حضرات! آخر آپنے خدا کے حضور میں ایکدن جانا ہے۔ اپنے اقوال و افعال کا جواب دینا ہے۔ کیا کسی پر افترا کرنے سے عقیدہ کی درستگی ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جنھوں نے نبیؐ کی نبوت میں شک کیا۔ انسے بیزاری کرو جنھوں نے قرآن و اہل بیتؑ کو چھوڑا۔ ان کے دامن سے گرویدہ نہو۔ اور آپ الٹا اُن کو الزام دیتے ہیں۔ لہذا ہم اپنے برادران ایمانی سے عرض کرتے ہیں کہ وہ اپنے مخالفوں کی طعن و تشنیع پر ناراض نہ ہوں کریں لیکن ان کی ہدایت سے منہ نہ موڑیں حضرات واعظین و علماء و مناظرین پنجاب میں دورے کر کے مذہب حق کی اشاعت کریں میدان وسیع ہے۔ لوگ قبول حق کے لئے آمادہ ہیں صرف تھوڑی ہمت کی

ضرورت ہے۔ فتنہ و فساد سے بچتے ہوئے جہاں مناظرہ کی ضرورت ہو مناظرہ بھی کریں۔ قرآن و حدیث سے اتمام حجت کریں۔ اب حسبنا کتاب اللہ کہنے والے چکڑالوی کے ہم خیال ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن ایسوں کو رسول اللہ کی وعید یاد دلائیں جو ابو داؤد میں ہے جسمیں حضرت نے فرمایا کہ نہ چاہئے کہ میں تمہیں پاؤں تکیہ گاہ پر تکیہ لگائے ہوئے۔ اور جب میری حدیث بیان ہو تو کہے کہ ہم یہ حکم قرآن میں نہیں پاتے (سفر السعادۃ صفحہ ۱۵۵ سطر ۱۲) قرآن کی طرف آئیں تو قرآن سے مجحوج کریں۔ کیونکہ قرآن مخالفین اہل بیت کے گلے سے اتر نہیں سکتا۔ حق کے دلائل جتنے قرآن میں ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن تعصب نے انکے دلوں کو فہم قرآن سے عاری کر دیا ہے۔ ہر شیعہ رسالۂ اصلاح (کھجوہ ضلع سارن) ضرور منگائے۔ کہ صرف یہی ایک رسالہ ہے جو تمام معترضین کا جواب دیتا ہے۔ اپنے دوستوں کو دکھلائیے۔ ہر مومن کو چاہیئے کہ ان کتابوں کو جو آخر رسالۂ ہذا میں درج ہیں ضرور منگا کر پڑھے اور اپنے گھر میں رکھے۔ اور ہم اپنے دیگر اسلامی بھائیوں سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے ملانوں کی باتوں پر نہ جائیں۔ ذرا اہل حق کے پاس بیٹھیں۔ ان کی باتیں سنیں انکی کتابیں دیکھیں پھر اگر انکا مسلک صحیح معلوم ہو تو اُسے ضرور قبول کریں۔ بر رسولاں بلاغ باشد و بس

خادمان قوم و ملت خاکساران سید شبیر حسین ترمذی اثنا عشری ساکن قصبہ جمیاری ضلع امرتسر۔ و نعمت اللہ سابق حنفی لاہوری۔

حصۂ دوم

باسمہٖ سبحانہٗ

الحمد للہ و کفی و الصلوٰۃ و السلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

آیت استخلاف۔ **قال**۔ اس آیت سے ثلثہ کا مومن صالح اور خلیفۂ برحق ہونا قطعی اور واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے۔ بچند دلیل اول آیت کا وعدہ صرف ان مومنین صالحین سے ہے جو بروقت نزول موجود تھے۔ اور اس کی دلیل منکم ضمیر حاضر ہے۔ حاضر کے صیغے حاضرین کے لئے موضوع ہیں۔ چونکہ اصول فقہ میں طے ہو چکا ہے کہ معنے موضوع کے برخلاف کسی لفظ کے معنے لینے بغیر ضرورت جائز نہیں۔ آیات احکام میں حاضرین میں غائبین کو شامل کرلینے کی یہ وجہ ہے کہ وہاں ضرورت موجود ہے۔ لیکن وہ ضرورت آیۂ استخلاف میں نہیں لہذا اس آیت کا وعدہ حاضرین پر پورا ہونا چاہئے۔ زمانۂ مابعد کے کسی شخص کو مصداق قرار دینے سے آیت کا وعدہ پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر اس وعدہ کو عام کریں تو پھر لفظ منکم بیکار ہو جائیگا اور یہ لازم آئیگا کہ ہر زمانہ کے مومنین کو ان تین نعمتوں کا مجموعہ ملتا رہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ دوم آیت میں تین نعمتوں کا

وعدہ ہے۔ لہذا اصحابہ میں سے جنکو یہ تینوں نعمات ملیں وہی مصداق ہیں۔ جنکو ایک یا دو ملیں وہ نہیں۔ سوم۔ ان تینوں کا مجموعہ صرف ثلاثہ کو ملا۔ انکا خلیفہ ہونا تو سب ہی مانتے ہیں تمکین دین بھی ظاہر ہے کیونکہ وہ اپنے دین کو علانیہ ظاہر کرتے تھے۔ اور تبدیل خوف بھی ہے کیونکہ جنکے قبضہ میں تمام حجاز اور قیصر وکسریٰ کی دو سلطنتیں ہوں ان کے صاحب امن ہونے میں کیا شبہ۔ پس اس آیت کی موعودہ خلافت ان کی ہی خلافت ہے اور یہی مطلب خلافت راشدہ کا ہے۔ حضرت علیؑ کو اہل سنت کے نزدیک دو نعمتیں ملی تھیں۔ استخلاف اور تمکین دین۔ صرف تبدیل خوف کی نعمت نہیں ملی۔ کیونکہ انکا زمانہ لڑائی میں ختم ہوگیا اور ان سے لڑنے والوں کا زور روز بروز بڑھتا گیا۔ شیعوں کے نزدیک صرف ایک خلافت ملی اور وہ بھی برائے نام۔ پس ماننا پڑیگا کہ ثلاثہ مومن کامل اور خلیفۂ برحق تھے ورنہ خدا کا وعدہ غلط ہو جائیگا۔ اس آیت کا وعدہ عہد رسول میں پورا نہیں ہوا عہد رسول میں کون خلیفہ ہوا۔ اگر اس آیت کا مصداق بتلا دیں تو میں ابھی تمہاری جماعت میں شامل ہو جاؤں گا۔ اس آیت سے سقیفہ میں استدلال ممکن نہ تھا۔ کیونکہ سقیفہ کے بعد اس آیت کا مصداق پورا ہوا۔ جیسا کہ رسولؐ نے فرمایا تھا کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دونگا۔ جو محب و محبوب خدا اور رسولؐ ہے۔ جھنڈا اٹھنے کے بعد سب کو معلوم ہوگیا کہ اس حدیث میں محب و محبوب خدا و رسولؐ علیؑ ہی کو کہا گیا ہے۔ اس سے پہلے ثابت نہ ہو سکتا تھا۔

اقول۔ اس آیت کے متعلق مناظرین کی تقریریں تو صفحات سابقہ میں درج ہیں۔ چونکہ بعض عبارتیں مخالف نے روئداد میں زیادہ کر دی ہیں۔ اسلئے میں نے مزید توضیح مسئلہ کیلئے ان کے تمام استدلال کا مکمل خلاصہ اوپر درج کر لیا ہے۔ اور اب بفضل ربانی اس کے جواب میں مشغول ہوتا ہوں۔ واضح ہو کہ قرآن شریف میں خلافت دو معنوں میں مستعمل ہوئی ہے۔ ایک بمعنی لغوی دوسرے بمعنی اصطلاحی۔ شیعہ مناظر نے اسے بمعنے لغوی لیکر یہ ثابت کر دیا کہ یہ وعدہ زمانۂ رسول میں پورا ہو گیا۔ اور اسکی تردید مخالف نہ بر سر اجلاس کر سکا اور نہ روئداد میں۔ شیعہ مناظر کی تائید تفاسیر اہل سنت سے بھی ہوتی ہے۔ آیت میں یہ بیان ہے کہ تمکو خلیفہ کریگا جیسے خلیفہ کیا انکو جو تم سے پہلے تھے۔ پہلوں کی تشریح تفسیر بیضاوی ص۴۸۳ میں یہ کی ہے یعنی بنی اسرائیل استخلفہم فی مصر و شام بعد الجبابرہ یعنی پہلوں سے مراد قوم بنی اسرائیل ہے خلیفہ ہوئے وہ مصر و شام میں بعد جبابرہ کے۔ اور اسی کے مترادف تفسیر غرائب التنزیل ص۹۲ اور براہین قاطعہ ص۲۷ میں بھی ہے۔ اقسم لیجعلنکم خلفاء فی الارض کما فعل ببنی اسرائیل حین اورثہم مصر والشام بعد اھلاک الجبابرۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے بنی اسرائیل کی ساری قوم خلیفہ ہوئی۔ اسلئے حاضر مسلمانوں کی بھی ساری قوم خلیفہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ان کو ویسی ہی خلافت

ملنے کا وعدہ ہے جیسی بنی اسرائیل کو ملی۔ اس بنا پر آیت سے قومی خلافت مراد ہوئی نہ شخصی اور اس لئے اس سے ثلاثہ کی خلافت شخصی پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ اسبابت کی مزید تائید بھی تفاسیر اہل سنت سے ہو رہی ہیں۔ تفسیر کشاف و فتح البیان جلد ۶ صـ۲۳۳ میں ہے کہ الخطاب للرسول ولمن معہ ومن للبیان۔ بیضاوی میں ہے خطاب للرسول ولامتہ اولہ ولمن معہ ومن للبیان یعنی خدا نے جو کہا ہے کہ تم کو خلیفہ کرے گا یہ تم کا خطاب رسول خدا اور آپکی امت کو یا آپکو اور آپکے ساتھیوں کو ہے۔ اور منکم میں من بیان کے لئے ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ یہ وعدہ قومی خلافت کا ہے۔ اگر خلافت رسول کا وعدہ ہوتا تو رسول کو کیوں وعدہ میں شامل کیا۔ کیا رسول اپنا خلیفہ آپ ہی ہو گیا۔ پھر من بیانیہ نے اور واضح کر دیا۔ کہ تمام حاضرین کو وعدۂ خلافت ہوا۔ اگر بعض سے یہ وعدہ پورا کیا تو تخلف وعدہ لازم آیا۔ اگر باوجود ان تحریرات کے صاحب کشاف نے کہدیا کہ اس سے خلافت ثلاثہ مراد ہے تو یہ اسکی خوش اعتقادی پر مبنی ہے ورنہ من کو بیانیہ لیکر خلافت شخصی ثابت ہی نہیں ہو سکتی اڈیٹر صاحب نے بھی من کو بیانیہ ہی لیا ہے۔ کیونکہ آپنے صـ۸ پر لکھا ہے "وعدہ دیا تمکو" اور صـ۹ پر لکھا ہے کہ یہ وعدہ ان مومنین سے ہے جو نزول کے وقت موجود تھے۔ لیکن نتیجہ غلط نکالا ہے۔ کیونکہ اگر وعدہ تمام مؤمنین حاضرین کو ہے تو تین ہی کو خلافت ملنے سے وعدہ خلافی ہوتی ہے۔ اور یہ نتیجہ اور بھی خراب ہے کہ چونکہ ان تینوں سے یہ وعدہ پورا ہوا اسلیئے یہ مومن تھے۔ کیونکہ اسکا سالبہ یہ ہوا کہ چونکہ باقیوں کو یہ نعمات نہیں ملیں اسلیئے وہ مومن نہ تھے۔ الحاصل یہانتک تو یہ ثابت ہوا کہ حسب تقریر مفسرین اہل سنت اس آیت سے خلافت قومی مراد ہے۔ اب دیکھیں کہ آیا بنی اسرائیل کو قومی خلافت ملی۔ شیعہ مناظر نے اسکے ثبوت میں پ۹ کی یہ آیت تلاوت کی تھی۔ عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض۔ امید ہے کہ خدا تمہارے دشمن فرعون کو ہلاک کرے اور تمکو زمین میں خلیفہ کرے۔ یہ تو وعدہ تھا قوم بنی اسرائیل کو۔ اس وعدہ کا ایفا دیکھئے۔ فاغرقناہ ومن معہ جمیعا وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض $\frac{15}{12}$ ہمنے فرعون اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا اور کہا ہمنے اس کے بعد بنی اسرائیل کو کہ سکونت کرو زمین پر۔ بس معلوم ہوا کہ قومی خلافت سے یہ مراد ہے کہ ایک قوم کو خدا ہلاک کر دے اور دوسری قوم کو زمین میں توطن وسکونت کرنے دے۔ یہ دوسری قوم خلفاء کہلائیگی۔ جیسا کہ حضرت صالح وہود نے اپنی قوموں کو کہا واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم $\frac{\text{عاد}}{\text{نوح}}$ $\frac{9}{9}$ یاد کرو جبکہ خدا نے تمہیں خلیفہ بنایا بعد قوم $\frac{\text{عاد}}{\text{نوح}}$ کے۔ اب یہہ دیکھیں کہ اگر الارض کے وہی معنے لیں جو معترض نے لئے ہیں تو آیا عہد رسول میں اس قومی

خلافت کا وعدہ ہوا یا نہیں۔ تفسیر فتح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۲۹ پر ہے۔ عن البراء قال فینا نزلت ونحن فی خوف شدید وعن ابی العالیۃ قال کان النبی واصحابہ بمکۃ نحوا من عشر سنین یدعون الی اللہ وحدہ والی عبادتہ وحدہ لا شریک لہ سرا وھم خائفون لا یومرون بالقتال حتی امروا بالھجرۃ الی المدینۃ فقدموا المدینۃ فامرھم اللہ بالقتال وکانوا بہا خائفین یمسون فی السلاح ویصبحون فی السلاح فغبروا بذلک ماشاء اللہ ثم ان رجلا من اصحابہ قال یارسول ما یاتی علینا یوم نامن فیہ ونضع السلاح فقال رسول اللہ لن تغبروا الا یسیرا حتی یجلس الرجل منکم فی الملاء العظیم محتبیا لیست فیہم حدیدۃ فانزل اللہ وعد اللہ الخ فاظہر اللہ نبیہ علی جزیرۃ العرب فامنوا ووضعوا السلاح۔ یعنی براء نے کہا آیۂ استخلاف ہم میں نازل ہوئی۔ جبکہ ہم سخت خوف میں تھے۔ ابو العالیہ نے فرمایا کہ نبی کریم اور آپکے اصحاب مکہ میں دس سال تک حالت خوف میں رہے اور پوشیدہ توحید کی طرف دعوت کرا کیئے۔ یہانتک کہ خدا نے مدینہ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا پھر جہاد کا بھی حکم دیدیا۔ مدینہ میں بھی حالتِ خوف میں تھے۔ شب و روز ہتھیار باندھے رہتے ایکدفعہ ایک صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ ایسا دن کب آئیگا کہ ہم بیخوف ہو جائینگے اور اپنے ہتھیار رکھدینگے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم اس حالت پر باقی نرہوگے مگر تھوڑی مدت یہانتک کہ بیٹھے گا تم میں سے ہر شخص ایک بڑے گروہ میں ایسی حالت میں کہ کپڑے پہنیگا اور اُسکے پاس لوہا نہوگا۔ پس نازل کی اللہ نے آیۂ استخلاف اور غالب کردیا اللہ نے اپنے نبی کو جزیرۂ عرب پر اور سب مسلمان بے خوف ہو گئے۔ اور سب نے ہتھیار رکھدئے ؂

(۲) سنن ابی داؤد باب الغزا میں ابو ایوب سے دربارۂ آیۂ لا تلقوا بایدیکم مروی ہے۔ انما نزلت ھذہ الایۃ فینا معاشر الانصار لما نصر نبیہ و اظہر الاسلام۔ کہ یہ آیت ہم انصار میں آئی جبکہ خدا نے اپنی نبی کی مدد کی اور اسلام کو غالب کردیا۔ پ ۱۰ لقد ابتغوا الفتنۃ من قبل وقلبوا لک الامور حتی جاء الحق وظہر امر اللہ وھم کارھون یعنی منافق فتنہ چاہتے رہے۔ اور کاموں کو تیرے لئے الٹتے رہے یہانتک کہ آیا حق اور غالب ہو گیا امر اللہ کا اور یہ ناخوش تھے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ دین اسلام کو تمکن زمانۂ رسول میں ہی ہو گیا۔ (۳) بخاری صفحہ ۵۵۲ و ۶۱۷ پر حضرت عائشہ سے منقول ہے۔ فسالہا عن الھجرۃ فقالت لا ھجرۃ الیوم کان المومن یفر احدھم بدینہ الی اللہ والی رسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ فاما الیوم فقد اظہر اللہ

الاسلام فالمومن یعبد ربہ حیث شاء ولاکن جہاد و نیتہ - یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں اس سے پہلے مومن مصیبت دین میں پڑنے کے خوف سے خدا اور اس کے رسول کیطرف بھاگا کرتا تھا - لیکن آج خدا نے اسلام کو غالب کر دیا ہے پس مومن جہاں چاہے خدا کی عبادت کرے - ان احادیث ثلثہ سے ثابت ہوا کہ زمانۂ رسول خدا میں ہی دین اسلام کو تمکین و غلبہ حاصل ہو گیا - اور اہل اسلام کا خوف امن سے بدل گیا - یہ احادیث اس آیت کی تفسیر کرتی ہیں جو شیعہ مناظر نے پڑھی تھی - لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ امنین - (تم مسجد حرام میں بے خوف داخل ہوگے) مخالف نے کہا تھا کہ صرف مکہ میں ہی امن ہوا - لیکن وہ ذرا حدیث عائشہ کو دیکھیں فالمومن یعبد ربہ حیث شاء (اب مومن جہاں چاہے عبادت خدا کرے) اس سے معلوم ہوا کہ تمام ارض اسلامیہ میں امن ہو گیا تھا - نہ صرف مکہ میں - اور اگر بقول انکے مکہ میں ہی امن تھا تو ثابت کریں کہ مدینہ وغیرہ میں امن نہیں تھا امن مطلق تو ثلاثہ کے عہد میں بھی نہیں ہوا یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ امن بھی ہو گیا - فرائض بھی آزادی سے ادا ہونے لگے جیسا کہ مخالفین رد سکہ وغیرہ سے ظاہر ہے اور اسی کو آپ تمکین دین کہتے ہیں - اور استخلاف بھی ہو گیا - کیونکہ اسلام کا کلمہ فتح مکہ سے بلند ہو گیا - کفر ظاہر مٹ گیا مومن و مسلم جا بجائے کفار ہو گئے - ایک اور آیت مزید توضیح کرتی ہے - واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاوٰکم وایدکم بنصرہ و رزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون $\frac{9}{12}$ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو جائے پناہ دی اور زور دیا اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں شاید تم حق مانو گے (ترجمہ نذیر احمد) یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کی حالت مغلوبیت عہد رسول میں ہی جاتی رہی اور ان کا خوف بھی امن سے بدل گیا - پس دو نعمتوں کا ملجانا تو متحقق ہو گیا - رہی نعمت استخلاف یہ بھی اسی زمانہ میں مل گئی - کیونکہ جب کفار معاندین جنگوں میں مارے گئے عرب دار الاسلام بنگیا مسلمانوں کو بآرام و اطمینان سکونت و توطن مل گیا - تو وہ استخلاف جو قوم بنی اسرائیل کو عہد موسےٰ میں ملا تھا مسلمانوں کو بھی عہد رسول میں ہی ملگیا - چنانچہ خدا فرماتا ہے - (پ ۸) وھو الذی جعلکم خلٰئف فی الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما اٰتٰکم ان ربک سریع العقاب وانہ لغفور رحیم - خدا نے تم کو زمین میں خلیفے کر دیا - اور بلند کئے تم میں سے بعض کے بعض پر درجات تاکہ آزمائے تم کو جو کچھ کہ تمہیں دیا - تیرا رب جلد حساب کرنے والا اور بخشنے والا مہربان ہے - اور چونکہ بنی اسرائیل کو یہ استخلاف انکے نبی حضرت موسےٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی حاصل ہو گیا تھا اسلئے تشبیہ تبھی درست ہوتی ہے - جبکہ امت محمد کو بھی یہ

نعمت نبی اکرمؐ کے عہد میں ہی ملتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر یہ استخلاف زمانۂ نبوی میں نہیں ہوا تو
یا یہ ماننا پڑیگا کہ حضور نعوذ باللہ مومن نہ تھے اور یا یہ کہ خدا نے آپ سے وعدہ خلافی کی لیکن چونکہ
رسول اول المومنین ہے اور خدا بھی وعدہ خلاف نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد۔ اسلئے یہ
ماننا پڑیگا کہ یہ نعمت بھی دوسری نعمتوں کیطرح حیات نبوی ؐ میں ہی ملگئی۔ بنابریں مخالف کا استدلال
باطل ہوا۔ یہ یاد رہے کہ محض یہ نعمتیں کبھی ایمان کو ثابت نہیں کرتیں اور نہ یہ ایمان و کفر کے درمیان
فصل ممیز ہیں۔ کیونکہ یہ نعمتیں کفار کو بھی ملتی رہیں چنانچہ ۲۲ میں ہے ھو الذی جعلکم خلائف
فی الارض فمن کفر فعلیہ کفرہ ولا یزید الکافرین کفرھم عند ربھم الا مقتا ولا
یزید الکافرین کفرھم الا خسارا۔ قل ارءیتم شرکاءکم الذین تدعون من دون اللہ الخ
وہی ہے جسنے کیا تمکو خلیفہ زمین میں پس جو کفر کرے اسپر ہے اسکا کفر اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کو کفر
انکا خدا کے پاس مگر ناخوشی اور نہیں زیادہ کیا کافروں کو انکے کفر نے مگر نقصان ایک اور مقام
پر ارشاد ہے۔ ۲۷ الحدید ع ۱۔ امنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ
فالذین امنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر۔ اگر ان آیتوں کا خطاب اہل اسلام سے ہے تو معلوم
ہوا کہ عہد نبوی میں ہی انہیں خلافت مل گئی اور اگر کفار سے ہے تو معلوم ہوا ان کو بھی یہ نعمت ملی
تھی جیسا کہ قوم صالح و ہود کو ملی جو کافر تھی۔ تبدیل خوف کی نعمت بھی انہیں ملی اور مخالف نے خود
لکھا ہے۔ وامنھم من خوف (ان کو خوف سے امن دیدیا) میں تو کافروں کا بیان ہو رہا
ہے۔ روئداد صنہ ۲ تمکین دین بھی انہیں حاصل رہی۔ قضیۂ حدیبیہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے
حضرتؐ کو حج نہ کرنے دیا۔ بت پرستی بھی علانیہ کرتے تھے۔ اپنے عقائد کی بھی الم نشرح تبلیغ کرتے
تھے۔ جب عہد رسولؐ میں یہ نعمات مومنین کو ملیں تو آپ کے ساتھ منافقین بھی ان سے
متمتع ہوتے رہے۔ حضرت کے اصحاب میں بھی شمار ہوتے تھے۔ بوجہ ظاہری اقرار توحید کے انکے
خون بھی محفوظ تھے۔ حضرتؐ نے انمیں سے کسی کو قتل بھی نہیں کروایا۔ مومنوں کی طرح انکو بھی
وطن نصیب تھا۔ انکا دین کیا تھا ظاہری اسلام۔ اسکو بھی تمکن حاصل تھا۔ پس اگر یہ نعمات
ہی مثبت ایمان ہیں تو کفار و منافقین بھی سچے مومن ہوگئے۔ بنی اسرائیل کو دیکھئے جن کو یہ استخلاف
حاصل ہوا۔ خدا نے انہیں وطن عنایت کیا۔ کیا وہ سب مومن کامل تھے۔ نہیں انمیں مرتدین بھی تھے
۹ میں ارشاد ہے۔ وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام
لھم قالوا یا موسی اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ اور پار اتارا ہمنے بنی اسرائیل کو دریا سے تو وہ
ایک قوم پر پہنچے جو بتوں کی پوجا میں لگے تھے اسے دیکھکر کہنے لگے اے موسیٰ ہمیں بھی ایک ایسا معبود
بت بنادے جیسے انکے ہیں حضرت نے کہا تم لوگ جہل کرتے ہو انکو استخلاف ملا۔ پس محض یہ نعمات دلیل ایمان کہاں ہیں +

سُنّی مناظر اس استخلاف کو بمعنے اصطلاحی ہی لیتا رہا۔ ان کے لئے پہلے تو یہ ضروری تھا کہ شیعہ مناظر کے استدلال کو توڑتے۔ لیکن اُنسے ایسا نہو سکا۔ پھر وہ یہ ثابت کرتے کہ اس آیت میں خلافت افرادی و شخصی مراد ہے۔ لیکن یہ بھی انھوں نے نہیں کیا۔ پھر یہ ثابت کرتے کہ ثلثہ کو خدا نے خلیفہ کیا۔ لیکن وہ تینوں مرحلوں میں بالکل فیل ہوئے۔ اب دیکھیں کہ اگر اس آیت میں خلافت افرادی مراد لیں تو آیا ثلثہ کا کچھ کام بنجاتا ہے۔ پہلے آیت کے اس جملہ پر غور کرنا چاہئے کما استخلف الذین من قبلھم خدا تم میں سے مومنوں کو خلیفہ بنائیگا جیسے اُسنے خلیفہ بنایا انکو جو اُنسے پہلے تھے۔ اگر اس خلافت سے خلافت نبوی مراد ہے تو دیکھیں پہلوں میں کوئی اس کی مثال ملتی ہے۔ ہاں ضرور۔ حضرت موسےؑ کے قصہ میں ارشاد ہے۔ یا ھارون اخلفنی فی قومی و اصلح ولا تتبع سبیل المفسدین حضرت موسےؑ نے کہا اے ہارون تو میری قوم میں میرا خلیفہ ہو۔ اصلاح کر اور مفسدوں کی راہ پر نہ چل۔ اس آیت سے ایک تو یہ ظاہر ہوا کہ مستخلف کی زندگی میں بھی تقرر خلیفہ ہو سکتا ہے دوم یہ کہ جس کا خلیفہ ہو وہی اس کو مقرر کرے۔ اور چونکہ نبی حکم خدا کے ماتحت کام کرتا ہے اسلئے حضرت ہارون بحکم خدا خلیفہ موسےؑ ہوئے۔ اور جو خلیفہ کسی نبی کا لوگ اپنی رائے و خواہش سے بغیر حکم نبی مقرر کریں وہ بُرا خلیفہ ہے۔ حضرت موسےؑ کے عہد میں یہ بھی ہوا۔ آپکے کوہ طور جانے پر بنی اسرائیل نے سامری کو اپنا امام اور گاوسالہ کو معبود بنا لیا۔ جب حضرت موسےؑ واپس آئے اور سامری و گاوسالہ کا قصہ آپکو معلوم ہوا۔ تو آپ اپنے خلیفہ برحق کے مخالفوں پر بہت خفا ہوئے اور انہیں کہا بئسما خلفتمونی من بعدی ۹/۸ یعنے بُری خلافت کی میرے بعد۔ معلوم ہوا کہ جو خلیفہ بغیر از حکم نبی مقرر کیا جائے وہ بُرا خلیفہ ہے۔ پہلوں میں دوسری مثال خلافت نبویہ الٰہیہ کی حضرت داؤد کی خلافت ہے۔ خداوند عالم نے کہا یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض اے داؤد ہمنے تجھے زمین میں خلیفہ مقرر کیا۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ خدا و رسول کے خلیفوں کو یا خدا خود مقرر کرتا ہے اور یا وہ رسول و نبی جسکا خلیفہ ہو۔ ایک مثال بھی قرآن شریف و احادیث صحیحہ سے ایسی نہیں ملتی کہ پہلے کسی نبی کے خلیفہ کو لوگوں نے مقرر کیا ہو۔ دوسری بات یہ ہے۔ خلیفہ خدا و رسول میں کیا اوصاف و کمالات ہونے چاہئیں۔ یہ طولانی بحث ہے۔ جسنے رسالہ الانصاف میں اور دیگر حضرات نے اپنی تصنیفات میں اسپر کافی بحث کی ہے اسلئے یہاں بخوف طوالت اسکو چھوڑتا ہوں۔ صرف یہ عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ حضرت ہارون میں ایک تو یہ وصف تھا جو حضرت موسےؑ نے کہا ھو افصح منی لسانا وہ مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ دوسرا خدا فرماتا ہے واتینا ھما الکتاب المستبین ہمنے موسےؑ و ہارون دونوں کو علم کتاب دیا تھا حضرت رسولخدا افصح العرب تھے۔ آپکا خلیفہ بھی ایسا ہونا چاہئے۔ یہ حضرت علیؑ ہی ہیں

جنکے کلام کی نسبت مخالفوں نے بھی کہا ہے کلامہ تحت کلام الخالق و فوق کلام المخلوق
آپکا کلام خدا کے کلام کے نیچے اور مخلوق کے کلام سے بالا تر ہے۔ صفت علم مشہور ہی ہے کہ رسول اللہؐ
نے فرمایا ہے۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اسکا دروازہ ہے۔ علم قرآن کی نسبت رسولؐ نے فرمایا علی
مع القرآن والقرآن مع علی علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے حضرت علیؑ نے
خود فرمایا میں قرآن ناطق ہوں اور یہ بھی فرمایا سلونی عن کتاب اللہ کتاب خدا کی نسبت
جو چاہو مجھ سے پوچھ لو حضرت داؤد میں یہ اوصاف موجود تھے واتیناہ الحکمۃ وفصل
الخطاب ہمنے داؤد کو حکمت اور فیصلہ کرنے کا علم دیا۔ ادھر حضرت علیؑ ہی ہیں جنکی نسبت حضور
نے فرمایا انا دار الحکمۃ و علی بابھا میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اسکا دروازہ ہے۔
دوسری صفت کے متعلق تمام صحابہ کا یہ مقولہ تھا۔ اقضانا علی ابن ابی طالبؑ (ترجمہ
صواعق صفحہ ۲۱۶) ہم میں سب سے بڑھکر اچھا قاضی اور اچھے فیصلے کرنیوالا علیؑ تھے۔ اب یہ دیکھنا
ہے کہ آیا ثلثہ کو رسول خدا نے اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ بخاری صفحہ ۱۰۵
قول عمر صاحب فقد ترک من ھو خیر منی رسول اللہ۔ یعنے رسول اللہ نے خلیفہ مقرر
نہیں کیا۔ یہ تو غلط ہے کہ حضرت نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ سنت مستمرہ انبیاء کے
خلاف ہے۔ البتہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ شیخین میں سے کسی کو حضور نے خلیفہ مقرر نہیں کیا
تحفہ اثنا عشریہ باب صفحہ ۲۸۲ پر ہے کہ اہل سنت گویند کہ بر ذمہ مکلفین واجب است کہ شخصے
را از میان خود رئیس گردانند یعنی لوگوں پر واجب ہے۔ کہ کسی کو اپنے میں سے خلیفہ بنالیں
عبد الحق دہلوی نے تکمیل الایمان صفحہ ۱۱۵ پر لکھا ہے واگر نصے بر خلافت ابوبکر وجود میداشت
تقاول مہاجرین و انصار منا امیر و منکم امیر درست نبودے و برد و بدل آنز ہا حاجت
نمے شد چنانچہ در قضیہ نصب خلافت در کتب مذکور است۔ اگر ابوبکر صاحب کی خلافت پر کوئی
نص ہوتی۔ تو مہاجرین و انصار کی گفتگو میں منا امیر و منکم امیر کی صدائیں اور وہ رد و
بدل جو انکی خلافت پر ہوا نہ ہوتا۔ عمر و عثمان صاحبان کی خلافت کا تقرر جسطرح ہوا وہ تو
معلوم ہی ہے۔ پس جبکہ انکی خلافت اسطرح نہیں ہوئی جسطرح پہلوں کی ہوئی۔ اور نہ انمیں
وہ اوصاف تھے جو خلفائے نبیؐ کے ہونے چاہئیں۔ تو یہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں۔
اڈیٹر صاحب نے انکے خلیفہ برحق ہونیکی ایک دلیل بھی نہیں دی۔ صرف یہ لکھدیا کہ انکا خلیفہ ہونا
تو سب مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور اگر صحیح بھی فرض کریں تو سب کا ماننا حقیت کی
کی دلیل نہیں۔ مولوی جی نے تو خود لکھا ہے کہ کسی کو خلیفہ ماننا کوئی فضیلت نہیں۔ خلیفہ برحق
ماننا چاہیئے۔ پس اگر ان کی خلافت حقہ کا ثبوت نہیں یہی ہے کہ سب ان کو خلیفہ مانتے ہیں تو

آپکا فرقہ سنت یزید کو بھی خلیفہ مانتا ہے۔ کیا وہ بھی خلیفۂ برحق ہے۔ نزاع تو ہے خلیفۂ رسول ہونے پر۔ شیعہ انکو ایسا نہیں مانتے وہ بعد از رسولؐ حضرت علیؑ اور گیارہ اماموں کو برحق خلفاء نبیؐ مانتے ہیں نہ کسی اور کو۔ حضرت سعد بن عبادہ اور اُسکی قوم نے ابوبکر صاحب کو خلیفۂ رسول نہیں مانا۔ نہ مالک بن نویرہ اور اُسکے قبیلے نے نہ حضرت فاطمہؑ و علیؑ و بنی ہاشم نے۔ بلکہ خود اُسنے بھی کہا میں خالفہ ہوں نہ خلیفۂ رسولؐ۔ پھر مخالفکے پاس کونسی دلیل ہے کہ یہ حضرات نبی صؐ کے برحق خلفاء تھے۔ اگر کوئی لوگوں کے فعل کو خدا کا فعل قرار دیدے اور یہ کہے کہ چونکہ خدا نے انہی کو مقرر کرنا تھا۔ اسلئے لوگوں نے بھی انہی کو بنایا۔ اگر خدا کو منظور ہوتا تو لوگ انہیں کیوں مقرر کرتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا عقیدہ خلاف قرآن ہے۔ اگر لوگوں کے افعال خدا ہی کے افعال ہیں تو پھر دنیا میں نہ کوئی گنہگار ہے نہ قابل سزا۔ کفار بھی یہی کہتے تھے کہ اگر خدا کو منظور نہ ہوتا تو ہم کیوں شرک کرتے۔ پ۸ سیقول الذین اشرکوا لوشاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰباؤنا ولا حرمنا من شیئ کذالک کذب الذین من قبلہم حتیٰ ذاقوا باسنا کہینگے مشرک اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ شرک نکرتے اور نہ حرام کر لیتے کوئی چیز اسی طرح جھٹلا گئے یا انسے پہلے جبتک چکھا ہمارا عذاب۔ ایسا عقیدہ تکذیب قرآن ہے۔ کیا یزید و ولید کو لوگوں نے خلیفہ نہیں بنایا تو کیا وہ بھی خدا کے مقرر کردہ خلیفے ہو گئے۔ اور کیا سامری اور گاؤ سالہ کو لوگوں نے نہیں بنایا۔ کیا وہ برحق خلفاء موسیٰ ہو گئے۔ مرزا قادیانی کو ان کے مریدوں نے امام اور نبی مان لیا تو کیا وہ برحق امام و نبی خدا بنینگے۔ ہرگز نہیں! اسیطرح اگر ثلاثہ کو بھی لوگوں نے خلیفہ بنایا اور انکو خلیفۂ برحق بھی مان لیا۔ تو اس سے نہ یہ ثابت ہوا کہ انکو خدا نے خلیفۂ نبی مقرر کیا اور نہ یہ کہ وہ برحق خلفاء نبیؐ تھے۔ اور نیز اگر معتقدین ثلاثہ نے انہیں خلفاء مان بھی لیا تو اس سے انکا ایمان کہاں ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جس خلافت کے معتقد ہیں اس کے لئے انکے ہاں ایمان شرط نہیں ہے۔ چہ جائیکہ عدالت یا اعمال صالحہ شرط ہوں۔ انکی معتبر کتاب جامع الرموز میں لکھا ہے۔ السلطان ای الخلیفۃ والوالی الذی لیس فوقہ والی عادلا کان او جابرا وقیل ابشرط العدالۃ والاطلاق مشعر بان الاسلام لیس لشرط یعنی خلیفہ وہ ہے جس کے اوپر کوئی حاکم نہو خواہ عادل ہو یا جابر۔ کہا گیا ہے کہ خلیفہ کیلئے عدالت شرط ہے۔ لیکن اطلاق مشعر ہے کہ اسلام بھی شرط نہیں۔ پس جبکہ انکے ہاں خلافت کیلئے اسلام کا ہونا بھی ضروری نہیں تو وہ ایسوں کو بھی خلیفہ مان لینگے جو ظالم ہوں اور اُنمیں اسلام بھی نہو۔ تو ایسی خلافت سے ایمان ثابت کرنا بوالعجبی ہے +

الحاصل ثلاثہ کو خلافت نبوت نہیں ملی - اور ظاہری حکومت جو انہیں ملی - وہ مثبت ایمان نہیں - اب ایک اور نعمت کو بھی انہی کے معیار پر پرکھتے ہیں - انہوں نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ کو نعمت امن نہیں ملی - کیونکہ انکا زمانہ لڑائیوں میں گزرا اور انسے لڑنیوالوں کا زور دن بدن بڑھتا گیا - اس سے معلوم ہوا کہ معترض کے نزدیک امن والا وہ ہے جس کا زمانہ بغیر لڑائیوں کے گزرے اور جس کے مخالف ہمیشہ اس سے زیر رہیں - اب دیکھتے ہیں کہ ان کے ہی مقرر کردہ معیار سے ثلثہ کا صاحب امن ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں - ثلثہ کے زمانے بھی لڑائیوں میں گزرے - حضرت عمر اپنے مخالف ابولولو سے زیر ہو کر قتل ہوئے - ثالث کی نسبت چند جملے ان ہی کی کتاب براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ سے لکھتا ہوں - صفحہ ۲۰۰ ہیچکس از اہل مدینہ نماند مگر آنکہ بر عثمان دلتنگی و خشم نمودند - تمام اہل مدینہ انپر غضبناک ہوئے صفحہ ۲۰۰ باوجودیکہ مدت تک انکے مخالفوں نے ان کے گھر کا محاصرہ رکھا - صفحہ ۱۹۵ صحابہ نے انکی مدد نہ کی صفحہ ۲۰۰ آخر حضرت ابوبکر صاحب کے فرزند ارجمند مومن صالح ان کے مکان میں داخل ہوئے - ان کی ریش دراز کو پکڑ لیا اور دو آدمیوں نے انکو قتل کر دیا - ان واقعات سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت مغلوب ہو گئے - ان کے دین کا تمکن جاتا رہا - انکو امن نصیب ہوا انکے مخالفوں کا زور دم بدم بڑھتا گیا - پس یہ دو نعمتوں سے محروم رہے - اور ایک یہ بات ہوئی کہ کسی نے انکی مدد نہ کی - افسوس ہے کہ مدیر النجم نے دل کو کھانے کے لئے اپنی روئداد کے صفحہ ۳۲ پر یہ کیوں لکھدیا کہ منافق کی یہ علامت ہے ما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر کہ زمین میں ان کا دوست و مددگار نہیں ہوگا - الغرض معترض کے طریق استدلال سے بھی ثلثہ اس آیت کے مصداق نہیں ہو سکتے - اور اگر بالفرض محال معترض کے یہ تمام سطحی دلائل بغیر چون و چرا درست مان لئے جائیں - تو پھر دیکھیے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے - انہوں نے فرمایا ہے کہ خلافت راشدہ صرف وہی ہے جو حاضرین صحابہ کو ملی - اسکے لئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے - لوگ انہیں خلیفہ مانیں - وہ اپنے دین کو علانیہ ظاہر کر سکیں - ان کے قبضہ میں ملک حجاز و قیصر و کسریٰ کی زبردست سلطنتیں ہوں تو وہ صاحب امن ہیں - حضرت علیؑ میں یہ باتیں نہ تھیں آپنے تو زمانۂ علیؑ میں امن کے ہونے سے ہی انکار کیا ہے لیکن ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں تمکین دین سے بھی انکار کیا ہے خوب! اب میں ایک مثال سے توضیح کرنا چاہتا ہوں - اگر خلافت راشدہ کے یہی معیار ہیں اور بس تو پھر یزید کی خلافت راشدہ ہو جاتی ہے - جیسے حضرت ابوبکر نے عمر صاحب کو خلیفہ کیا - ایسے ہی معاویہ نے یزید کو کیا - ثلثہ کی بیعت صحابہ نے کی - یزید کی بیعت بھی صحابہ نے کی - ثلثہ پر بقول سنیان اجماع ہوا - یزید پر انسے زیادہ ہوا - ثلثہ کی طرح اسے بھی غلبہ و شوکت حاصل تھا - ثلثہ کیطرح یہ بھی اپنے عقائد کو علانیہ ظاہر کرتا تھا - ثلثہ کیطرح اسکے قبضہ میں بھی یہ ملک تھے - اسلئے یہ بھی صاحب امن ہو گیا

پس جبکہ یزید کی خلافت مردودہ اس معیار پر پوری اُترتی ہے۔ جسکو اُنہوں نے راشدہ کہا ہے۔ تو
اسکی خلافت ملعونہ بھی راشدہ و برحق ہوگئی۔ پھر معلوم نہیں کہ خلافت یزید کو راشدہ کہنے
سے کیوں جھجھکتے ہیں۔ اچھا ہوا مخالف نے حضرت علیؑ کی خلافت کو اس زمرہ سے نکال دیا۔
لیکن انکے دشمن معاویہ پر بھی تو نظر عنایت کرنی چاہیے تھی۔ معاویہ خلیفہ بھی کہلایا۔ صحابی
بھی تھا۔ سب علیؑ (جو اُسکا دین تھا) بھی علانیہ کروایا کرتا تھا۔ حضرت علی کی حمایت کے
برخلاف بھی اسکا زور دن بدن بڑھتا گیا۔ علاقۂ شام میں اسکو امن بھی حاصل تھا۔ اسلئے
اسکی خلافت بھی راشدہ ہوئی۔ اگر انکے خیالمیں علیؑ کی خلافت غیر راشدہ ہے۔ تو پھر اسکو
خلیفہ ہی ماننا کیا ضرور ہے۔ اور اگر بقول مدیر النجم حضرت علیؑ کی خلافت اس آیت کی مصداق نہیں
تو کس آیت سے اسنے علیؑ کو خلیفہ مانا اور علیؑ کی خلافت جو اسکے نزدیک راشدہ نہیں ماننے کی ضرورت
اُنہیں کیا لاحق ہوئی۔ یہ دیکھیئے مدیر نجم کا طریق استدلال انہیں کہاں سے کہاں لیگیا۔ یہ ہوتا ہے
حق کی مخالفت کا نتیجہ۔ انہی اعتراضوں سے بچنے کیلئے سُنّی مولوی نے یہ عُذر تراشا تھا کہ منکم
کا خطاب صرف حاضرین کو ہی ہے۔ اس سے انکا یہ مطلب تھا کہ اگر کوئی کہیگا کہ یہ باتیں تو یزید
میں بھی ہیں تو وہ کہہ دینگے۔ کہ نہیں اس کی خلافت اس آیت کی مصداق نہیں کیونکہ وہ حاضرین
میں سے نہیں تھا۔ لیکن اس عذر لنگ سے انکا کوئی کام نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اگر اس دلیل کو مان
بھی لیں۔ تو اعتراض قائم رہتا ہے۔ کیونکہ بقول انکے تین چیزیں خلافت راشدہ کا معیار ہیں جسمیں
ان تینوں کا مجموعہ ہے وہ خلافت راشدہ ہے۔ یزید میں ان کے مقررہ اوصاف ثلثہ کا مجموعہ موجود
تھا پھر اسکی خلافت کو راشدہ کیوں نہیں کہتے۔ صیغ خطاب پر بحث کرنے سے پیشتر میں ایک دوسری
آیت پیش کرتا ہوں۔ اسمیں خطاب کے صیغے ہیں۔ حکم بھی کوئی نہیں۔ اسلئے آپکے نزدیک یہ صرف
حاضرین عہد رسول ہی کیلئے ہے۔ پ۲۶ فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض
وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمیٰ ابصارھم امید
ہے کہ اگر تم حاکم ہوگے تو فساد کروگے زمین میں اور رحموں کو قطع کروگے۔ وہی لوگ ہیں جنپر خدا
نے لعنت کی۔ انہیں بہرا کیا اور انکی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ اس آیت میں تم کا خطاب چار دفعہ
آیا ہے۔ اسلئے کم از کم حاضرین زمانۂ نبوی میں سے چار ایسے شخصوں کا پتہ دیں جو اس آیت کے
مصداق ہیں۔ احمد حنبل نے یزید کو اسکا مصداق بتلایا لیکن وہ فرد واحد ہے۔ یہاں صیغہ جمع ہے
اور وہ غائبین سے ہے اور یہاں حاضرین کو خطاب ہے۔ اگر کہیں کہ ایسا کوئی نہیں ہوا تو امید خدا کے
خلاف ہوا۔ اور یہ محال ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ایسے حاکموں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ خدا نے
انکی سزا لعنت وغیرہ کو بصیغۂ ماضی بیان کیا ہے۔ جو دلالت کرتا ہے کہ اُنکا وجود ضرور ہوگا اگر

جب انہوں نے ہونا ہی نہیں تھا تو خدا نے پہلے ہی ان پر لعنت کیوں کر دی۔ اگر مولوی صاحب نے ان چاروں کا
سراغ لگا لیا تو پھر انہیں خلافت حقہ نبویہ کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ کیونکہ انہوں نے
ہمیشہ حکومت سے دھوکا کھایا۔ جس کو حاکم پایا اسی کو خلیفۂ رسول سمجھ لیا۔ اسلئے انہوں ان
حاکموں کا پتہ ملنے سے خلفاء راشدین خود متمیز ہو جائینگے۔ خطاب کے صیغوں کے متعلق عرض
ہے کہ تفتازانی نے خطاب غائبین بضمن ضمیمہ موجودین روا رکھا ہے اور فرقہ اشاعرہ
اہل سنت غائبین کے خطاب کو جائز سمجھتا ہے۔ خود اہل سنت کے نزدیک کلام اللہ
قدیم ہے تو ازل میں خطاب کے صیغوں کے مخاطب کون تھے۔ اور اگر خطاب کیلئے حضور
بالاعیان ضروری ہے تو جب خدا نے الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کہا
وہاں مخاطبین بالاعیان کہاں تھے۔ اگر احکام ایمان و اعمال کے خطابات میں غائبین بھی شامل
ہیں تو کیا وجہ کہ مواعید ایمانیہ کے خطابات میں غائبین شامل نہیں۔ کیا نعمات جنت کے
وعدے صرف حاضرین ہی کو تھے۔ غائبین کیلئے نہیں۔ پس جب سب وعدے غائبین کو بھی
ہیں تو کیا وجہ کہ یہ وعدہ غائبین کو نہ ہو۔ اب وہ آیات سنیں جنہیں منکم اسی عنوان سے آیا ہے
جسطرح آیہ زیر بحث میں۔ (۱) یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم
درجات ۲۸/۲ اللہ بلند کریگا درجے ان کے جو ایمان لائے تم سے اور ان کے جو علم دئے گئے
(۲) ورحمۃ للذین آمنوا منکم ۱۰/۱۳ نبی رحمت ہے انکے لئے جو ایمان لائے تم سے۔ (۳)
یا ایہا الذین آمنوا منکم لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا
الحلم منکم ثلث مرات الخ ۱۸/۱۴ اے ایمان والو اجازت مانگ کر آویں تم سے جو
تمہارے ہاتھ کے مال ہیں اور جو نہیں پہنچے تم سے عقل کی حد کو تین بار۔ (۴) یا ایہا الذین
آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتلہ منکم متعمدا فجزاء مثل ما
قتل من النعم ۷/۲ اے ایمان والو نہ قتل کرو شکار کو احرام میں اور جسنے قتل کیا تم سے
جانکر تو اسپر واجب ہے جزا مانند اس کے جو اسنے قتل کیا چارپایوں سے۔ (۵) ومن
یتولہم منکم فانہ منہم ۶/۱۲ جو دوست رکھے کافروں کو تم سے وہ انہی میں ہے۔ (۶)
او جاء احد منکم من الغائط ۵/۶ یا آیا کوئی تم سے جائے ضرور سے۔ اگر منکم کے
آنے سے تخصیص حاضرین ہوتی ہے۔ تو ان آیات کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ درجے صرف مومنین
صحابہ ہی کے بلند ہونگے۔ حالانکہ علماء شیعہ قائل ہیں کہ سب مومنین کے درجے بلند ہیں چنانچہ
اصول شافی کا خطبہ یہ ہے الحمد للہ اعلی منزلۃ المومنین بکریم خطابہ شکر خدا کو
جسنے مومنوں کا درجہ بلند کیا۔ دوسری آیت اسپر دلالت کریگی کہ نبی اکرم صرف صحابہ ہی کیلئے

رحمت ہے۔ بعد والوں کے لئے نہیں۔ باقی چار آیات اگرچہ احکام کے متعلق ہیں۔ لیکن آپکے طریق استدلال کے مطابق یہ کہنا پڑیگا کہ چونکہ ان میں منکم آیا ہے۔ اسلئے صرف صحابہ ہی کو یہ احکام تھے۔ ورنہ منکم بیکار ہو جائیگا۔ اگر عام مراد ہوتے تو منکم کے بغیر مطلب نکل سکتا تھا۔ بس پھر یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ کسی کے گھر میں جانیکے لئے اجازت مانگنے کا حکم صرف حاضرین کو۔ احرام میں شکار کرنے کی سزا صرف صحابہ کو۔ کفار سے دوستی رکھنے کی ممانعت صرف انہی کو۔ جائے ضرور کے بعد پانی نہ ملنے پر تیمم کا حکم صرف حاضرین زمانۂ نبوی ہی کیلئے رہگیا۔ اور یہ اوامر ونواہی غائبین کیلئے نہ ہوئے۔ لیکن اسکا نہ کوئی قائل ہے اور نہ اسے ثابت کر سکتا ہے۔ اب یہ اعتراض رہا۔ کہ اگر حاضرین و غائبین کو خطاب ہے تو چاہیئے کہ ہر زمانہ کے مومنین صالحین کو یہ نعمات ملتی رہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوا لیکن یہ اعتراض بھی قلتِ تدبر کیوجہ سے ہے۔ آیات احکام بھی جنمیں آپ نے غائبین کو بھی شامل کر لیا ہے۔ ہر زمانہ اور ہر ہر فرد غائبین پر حاوی نہیں ہوا کرتیں۔ مثلاً حکم نماز حائضہ اور نفساء پر نہیں۔ حکم حج غیر مستطیع پر نہیں۔ حکم جہاد پر اکثر زمانوں میں عمل نہیں ہوتا۔ تو کیا یہ سب احکام باطل ہو گئے۔ اور اگر خلافت لغوی ہو اور من بھی بیانیہ ہو۔ تو زمانۂ رسول میں یہ نعمات ملنے اور زمانۂ مہدی علیہ السلام میں بدرجۂ خصوصی ملنے سے حاضرین و غائبین آگئے اور آیت کا مصداق پورا ہوگیا۔ اور اگر خلافت مصطلحہ مراد ہو تو من بعضیہ ہوگا اور اہل شیعہ قائل ہیں کہ ہر زمانہ میں خدا کا ایک خلیفہ موجود ہوتا ہے۔ انمیں سے کچھ صحابی ہیں۔ اور کچھ غائبین۔ اس بنا پر بھی مصداق پورا ہو جاتا ہے۔ تمکن و تصرف فی الارض۔ اقتدار و غلبہ و تبدیل خوف لوازم خلافت الٰہیہ و نبویہ سے نہیں کہ اسکے بغیر خلافت متحقق ہی نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام بہشت میں بھی خلیفہ تھے (تحفہ) حالانکہ وہاں تمکن فی الارض نہیں تھا۔ حضرت ہارون کو زمانۂ خلافت میں قہر و غلبہ نہیں تھا اور اگر تمکین دین کے وہی معنے لیں جو آپ نے لئے ہیں تو یہ بھی انکو حاصل نہ تھی۔ بلکہ وہ اور انکا دین کمزور کر دئے گئے تھے۔ ان کے مخالفوں کا زور دن بدن بڑھتا گیا تھا۔ انہوں نے خود فرمایا انّ القوم استضعفونی قوم نے مجھے کمزور کر دیا گویا انکی خلافت برائے نام تھی۔ لیکن باوجود اسکے خدا کے نزدیک یہ خلافت راشدہ و برحق تھی۔ اسی طرح فتح بلاد بھی داخل حقیقت نہیں یہ کافروں کو بھی حاصل ہوئی ہے لا یغرنّک تقلّب الّذین کفروا فی البلاد پہلے پہلے لفظ الارض کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اب ذرا توضیح کر دیتا ہوں۔ نبی اسلام تمام زمین بلکہ تمام عوالم کیطرف آیا۔ اسلئے وہ تمام زمین کا نبی ہے۔ اسلئے آپکی نسبت جب لفظ ارض استعمال کیا جائیگا۔ تو وہاں ساری زمین مراد ہوگی۔ مثلاً جعل لی الارض طہورا۔ حضور نے فرمایا خدا نے میرے لئے زمین پاک کر دی اور اسکو مسجد بنا دیا۔ اسمیں صرف زمین عرب ہی مراد نہیں بلکہ تمام زمین مراد ہے۔ لیکن دوسرے

انبیاء کیلئے لفظ ارض صرف اس ملک کیلئے آتا ہے جسکی طرف وہ مبعوث ہوتے ہیں مثلاً یا داؤد انا
جعلناك خليفة في الارض - پس جبکہ نبی اسلام ساری زمین کی طرف مبعوث ہے - تو اُسکا خلیفہ بھی
ساری زمین کیلئے ہونا چاہیئے - اسکو ملحوظ خاطر رکھکر دیکھیں کہ اگر آیت زیر بحث میں خلافت سے
نیابت نبی مراد ہے تو زمین میں خلیفہ کرنے سے یہ مطلب ہے کہ یہ خلفاء تمام اہل زمین کیلئے ہیں۔
آپ خلافت کو بمعنے حکومت لیتے ہیں تو کیا آپکے خلفاء ساری زمین پر حاکم ہوئے ہیں - ہمارے ہاں
چونکہ خلافت کیلئے حکومت لوازمات سے نہیں - اسلئے نبی یا اسکا خلیفہ تمام دنیا کیلئے ہے - اگر اسکو
حکومت نہیں ملی - تو انکی نبوت و خلافت میں کوئی نقص نہیں آتا - یہ بات سنکر شاید مخالف بھی اپنے
خلفاء کیلئے یہی کہدے - ہم بفرض محال اسکو مانکر یہ کہینگے کہ انکے ہاں تو نعمات ثلثہ کے ملنے سے خلافت
راشدہ ثابت ہوتی ہے - انکی خلافت کو چھوڑکر دوسری نعمات کو دیکھتے ہیں - جو انہوں نے بیان کی
ہیں - ایک تو یہ ہے کہ انکے لئے انکے دین کو تمکین دیگا - لیکن کہاں - اسکے لئے لفظ الارض پہلے موجود
ہے - دوسری نعمت تبدیل خوف ہے - یہ کہاں حاصل ہوگی - اسکے لئے بھی لفظ الارض پہلے مذکور
ہے - جس جگہ کیلئے یہ خلیفہ ہیں وہیں انکے دین کو تمکین ہوگی وہیں ان کا خوف امن سے بدلیگا
خلفاء نبی تمام زمین کے لئے خلیفے ہیں - اسلئے انکے دین کو تمکین بھی ساری دنیا میں انکا خوف
بھی ساری دنیا میں امن سے بدلنا چاہیئے - لیکن کیا ثلثہ کو یہ ہر دو نعمات ساری دنیا میں ملیں
ہرگز نہیں - پس پھر آپکی دلیل کے رو سے بھی انکی خلافت اس آیت کے مصداق نہوئی - رہی پہلی
نعمت اسکے یہ اہل ہی نہیں - حضرت علیؑ اور انکے اوصیاء کیلئے نص بھی ہے انمیں اوصاف خلافت
نبوت بھی ہیں - پس خلفاء نبی تو یہ ہیں - باقی چیزیں لوازم خلافت سے نہیں - اسلئے انکے نہونے
سے انکی خلافت میں کوئی قدح نہیں آتا - مجدد و سہرہندی نے کتاب التمهيد في بيان التوحيد
میں کیا خوب فرمایا ہے کہ امامت کیلئے قہر و غلبہ ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ اسکو سب
مانیں تو تب وہ خلیفہ راشد ہے لان طاعته فرض على الناس فان لم يكن القهر فذالك
يكون من تمرد الناس وهو لا يعزل عن الامامة - اگر اسکو غلبہ نہو تو اسمیں لوگوں کی سرکشی
ہے اور اسوجہ سے وہ امامت سے معزول نہیں ہوتا - نبی کا بھی غار میں یہی حال تھا - علاوہ بریں
وليمكنن وليبدلنهم ليستخلفنهم پر عطف ہیں - عطف کا یہ خاصہ تو نہیں کہ زمان واحد میں
ایک شخص کیلئے معطوف علیہ اور معطوف کا حکم پورا ہو - ایک آیت ہے - هو الذي يحيي
ويميت خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے یہ دونوں باتیں ایک ہی شخص کے لئے زمان واحد میں نہیں
ہوجاتیں - دوسری آیت ہے يا عيسى اني متوفيك ورافعك الي ومطهرك من
الذين كفروا وجاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا - اے عیسیٰ میں تجھے زندہ آسمان

پر اُٹھاؤنگا۔ کافروں سے تجھے پاک کرونگا اور تیرے پیروؤں کو کافروں پر غالب کردونگا۔ آخری ٹکڑہ
میں آپ لوگ ظاہری غلبہ مراد لیا کرتے ہیں۔ تو یہ وعدہ کب پورا ہوا۔ اگر معطوف کا معطوف علیہ
کے ساتھ زمان واحد میں پورا ہونا لازمی ہے تو مسیحؑ کے پیرو انکے آسمان پر جانیکے بعد ہی کافروں
پر غالب ہو جاتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ صدیوں مسیح کے سچے متبعوں پر ظلم ہوتے رہے اور
اب تو اہل اسلام ہی مسیح کے سچے متبع ہیں۔ انکا غلبہ معلوم ہی ہے۔ اور نظر حقیقت سے دیکھو
تو ظاہری غلبہ حقیقی متبعین مسیح کو آجتک نہیں ہوا۔ اسی طرح یہ ضروری نہیں کہ ہر خلیفہ کے
دین کو تمام روئے زمین پر غلبہ اسی کی زندگی میں ہو۔ اور تمام روئے زمین پر انکا خوف امن سے
بدلجائے۔ چونکہ یہ وعدہ ہے اور وعدہ پورا بھی ضرور ہوگا۔ لیکن زمانۂ حضرت مہدی علیہ السلام
میں اور جسکا اقرار مفسرین سُنیہ نے پ۱۰ توبہ ۵۔ پ۲۸ صف ۱۔ پ۲۶ فتح ۴ کی آیت لیظہرہ
علی الدین کلہ (تاکہ اسلام کو تمام دینوں پر غالب کردے) کی تفسیر میں کیا ہے اب یہ دیکھنا
ہے کہ آیا تمکین دین اور تبدیل خوف کے کوئی اور معنے بھی ہو سکتے ہیں۔ الفاظ یہ ہیں ولیمکنن
لھم دینہم انکا دین انکے لئے متمکن کر دیگا۔ بالفاظ دیگر انکو دین پر پورا قبضہ ہوگا۔ یعنی وہ دین
پر حاوی ہونگے۔ دین کی کوئی بات انسے پوشیدہ نہ ہوگی۔ وہ سلونی قبل ان تفقدونی (پوچھ
لو بیشتر اس کے کہ مجھے نہ پاؤ) کہنے والے ہونگے۔ وہ عالم ہونگے بہ تعلیم نبوی و بعلم لدنی اسکی
تائید آیۂ وما جعل علیکم فی الدین من حرج سے بھی ہوتی ہے۔ یہ صفت بھی ہمارے ائمہ
میں پائی جاتی ہے۔ دوسرے دعویدار تو فاکہۃ و ابا کے معنے بھی نہ جانتے تھے۔ حقیقت کلالہ سے
ناواقف تھے۔ میراث جدہ تک کا علم نہ تھا (تاریخ الخلفاء) چور کا بایاں ہاتھ کٹوایا (صواعق)
اور نمبر۲ تو تیمم جیسے مسئلہ کو بھی نہیں جانتا تھا۔ جب بڑے دو کا یہ حال ہے تو تیسرے کے علم کو آپ
خود سمجھ لیں۔ تیسری نعمت ہے امن کی پ۷ میں ارشاد ہے الذین امنوا و لم یلبسوا ایمانہم
بظلم اولئک لھم الامن و ہم المہتدون۔ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا اپنے ایمان کو
ظلم سے انکے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ مذہب شیعہ کی رو سے بارہ امام معصوم اور مستحق امامت
ہیں بنص لاینال عہدی الظالمین اور سنیوں کے نزدیک بھی محفوظ عن الخطا ہیں اسلئے امن
حقیقی انہی کو ہے۔ جنکا ایمان ہی نہیں۔ انکو امن حقیقی سے کیا واسطہ تفصیل صافی شرح کافی
ص۲۴۳ پر دیکھیں۔ اب آخری بحث اسپر ہے کہ اگر یہ آیت شان ثلثہ میں ہوتی تو حضور صلعم اسکو
بیان کر دیتے۔ شیعہ مناظر نے تحفۂ نافعہ کے حوالہ سے (ص۲۳) یہ دکھلایا تھا کہ علم قرآن موقوف
بر بیان پیغمبر است کہ علم قرآن بیان رسول پر موقوف ہے۔ پس یہ بیان کہ اس آیت سے ثلثہ مراد ہیں
صحیح نہیں مانا جاسکتا جبتک بیان (حدیث) نبوی سے اس کی تائید ہو۔ لیکن رسول اللہ کی کسی حدیث سے

میں بھی نہیں کہ اس آیت سے ثلاثہ مراد ہیں۔ خود سنیوں کے ہاں بھی کسی صحابی سے بھی ایسی روایت نظر نہیں
پڑی جسمیں یہ آیت انکی شان میں نازل شدہ بیان کی گئی ہو اور نہ خود ثلاثہ نے کبھی ایسا بیان کیا۔ پس
جب نہ مدعیوں نے اسے اپنے اوپر منطبق کیا نہ انکے موجودین وقت نے۔ اور نہ خود رسول اللہ نے۔ تو
اب گواہوں کا بیان بغیر دعوے مدعی قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ ایک خبر تھی۔
لیکن تعجب تو یہ ہے کہ یہ قریبی زمانہ کی خبر ہے اسمیں نام نہیں بتلایا جاتا۔ ایک اور خبر ہے بہت
بعید اور آخری زمانہ کیلئے کہ آخری زمانہ میں میرا ایک خلیفہ ہوگا۔ باوجودیکہ آپکو معلوم ہے کہ آ
خلیفۂ آخری کا کوئی مخالف باقی نہ بچیگا۔ لیکن حضرت نبیؐ آپکا پورا پتہ نام وغیرہ وغیرہ سب کچھ
بتلا دیتے ہیں۔ اگر خلافت نبوی نجابت سے ہو جایا کرتی ہے۔ تو کیا وجہ کہ آپ مہدی کو بھی کمیٹی
کے ذریعہ مقرر نہیں کر لیتے۔ یہ دلائل ثابت کرتے ہیں کہ جیسے آخری خلیفہ کیلئے نص کی ضرورت تھی
ویسے ہی پہلوں کیلئے بھی تھی۔ اسلئے اگر اس آیت سے ثلاثہ مراد ہوتے۔ تو حضرتؐ اپنے بیان سے اس امر
کو واضح کر دیتے۔ لیکن انکے لئے کوئی ایسی حدیث نہیں۔ اسلئے یہ اس آیت سے مراد نہیں۔ سُنیوں
کی کتابوں میں اسکی نسبت ایک تو براء صحابی کا بیان ہے (ص۳) وہ کہتا ہے کہ ہمارے بارہ میں آیت
نازل ہوئی۔ یہ زمانۂ رسول اور تمام صحابیوں کو مراد لیتا ہے۔ نہ ثلاثہ کی خلافت کذائی کو۔ دوسرا
بیان دو ائمہ اہل بیت حضرت باقر و صادق علیہما السلام سے ینابیع المودۃ ص۴۲۵ پر منقول ہے
فی قولہ لیستخلفنہم فی الارض قالا نزلت فی القائم واصحابہ کہ یہ آیت قائم آل محمدؐ
حضرت مہدی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے بارہ میں نازل ہوئی۔ جیسے حدیث رایت میں
رسول اللہ نے بتلایا کہ محبؐ و محبوب خدا و رسول حضرت علیؑ ہے ویسے ہی یہاں بھی بتلا دیتے کہ
آیت سے ثلاثہ مراد ہیں۔ حدیث رایت تو آپکے مخالف ہے۔ کیونکہ یہ تو بتلاتی ہے کہ رسول خدا نے
نص کی ویسے ہی یہاں بھی نص بتلا دیں۔ اور یہ غلط ہے کہ اس سے پہلے معلوم نہ تھا کہ محبّ و محبوب خدا
و رسول علیؑ ہے اس سے پہلے بھی حضرتؐ نے بارہا بتلایا ہوا تھا۔ چنانچہ علیؑ کی نسبت مشہور تھا کہ مردوں
میں سے سب سے زیادہ محب و محبوب رسول ہیں۔ (صواعق) حدیث طیر میں بھی آپ نے ارشاد
فرمایا تھا۔ کہ اے خدا وہ آکر یہ پرندہ میرے ساتھ کھائے۔ جو تجھے تیری خلقت سے زیادہ پیارا ہے
علیؑ نے آکر کھایا (مشکوٰۃ ص۴۴۳) انہی امور کی تائید کیلئے حضرتؐ نے یہ حدیث بتلا دی اور واقعہ
سے ثابت کر دیا کہ وہ علیؑ ہے۔ اور صحابہ بھی سمجھ گئے۔ چنانچہ مدارج النبوۃ ص۲۹۹ پر ہے کہ جماعت
قریش بایکدیگر میگفتند کہ معلوم است کہ علی ابن ابیطالبؑ باین مراد فائز نخواہد بود چشم مبارک
وے درد میکند۔ یعنی ایک جماعت قریش کہتی تھی کہ علیؑ اس مراد پر فائز نہ ہونگے کیونکہ اُن کی
آنکھ میں درد ہے۔ ان لوگوں کا اسموقعہ پر علیؑ کا ذکر کرنا دلالت کرتا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ علیؑ میں یہ

صفات ہیں۔ لیکن چونکہ وہ بیمار ہے اسلیئے اُسے علم نہیں مل سکتا۔

(آیۂ دعوتِ اعراب) **قال** - قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الیٰ قوم اولی باس شدید تقاتلونہم او یسلمون فان تطیعوا یوتکم اللہ اجراً حسنا وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذاباً الیما (الآیہ) ترجمہ کہدیجئے اے نبی پیچھے چھوڑے ہوئے بدوؤں سے کہ عنقریب تم بلائے جاؤگے ایک بڑی دہشت والی قوم سے لڑنے کیلیئے تم قتال کروگے انسے یا وہ اسلام لے آئینگے۔ پس اگر تم اس بلانے والے کی اطاعت کروگے تو اللہ تمکو اچھا بدلہ دیگا۔ یہ آیت ان اعراب کے بارہمیں نازل ہوئی جو سفر حدیبیہ میں رسول اللہ کے ہمرکاب نہ گئے تھے۔ جب آپ واپس آئے تو انہوں نے معذرت کی۔ تو وحی الٰہی نے حکم سُنایا کہ تم اب رسول کے ہمراہ کبھی نہیں جا سکتے۔ پھر جب اُنہوں نے بہت زاری کی تو یہ آیت آئی۔ اس قوم سے لڑنے کیلیئے اعراب کو بلانے والے۔ حضرت رسول تو نہیں کیونکہ آپکے زمانہ میں انکو ہمراہ جانے کی ممانعت تھی۔ اور نہ قوم اولی باس شدید سے کوئی لڑائی پیش آئی۔ نہ حضرت علیؑ کا زمانہ مراد ہے کیونکہ آپنے اعراب کو کبھی جہاد کیلیئے نہیں بلایا۔ نہ انکی کوئی لڑائی اس قوم سے ہوئی۔ نہ انکی لڑائیوں کا مقصد مسلمان بنانے کا تھا۔ حالانکہ تقاتلونہم او یسلمون کا صریح مقصد یہ ہے۔ اور نہ زمانۂ بنی اُمیہ مُراد ہے کیونکہ اُنہوں نے بھی اعراب کو جہاد کیلیئے نہیں بُلایا۔ پس ثابت ہوا کہ خلفائے ثلثہ مراد ہیں۔ اول کے زمانہ میں قیصر روم سے قتال ہوا اور ثانی کے وقت میں بادشاہ ایران سے۔ ان حضرات نے اعراب کو بھی دعوت دی۔ شیعوں کی کتاب کافی صفحہ ۲۰۹ میں ہے وظلمہم کسریٰ وقیصر۔ اس آیت میں انکی نافرمانی کو رسول کی نافرمانی سے تشبیہہ دیگئی۔ اور معلوم ہوا کہ داعی ایسا ہوگا جسکی اطاعت تمام اُمت پر فرض ہوگی اور یہ صفت نبی یا نبی کے خلیفۂ برحق کی ہی ہو سکتی ہے +

اقول - یہ آیت مناظرہ میں قطعاً پیش نہیں کیگئی۔ لیکن چونکہ ان حضرات کو حق پوشی اور خلاف گوئی ہی مطلوب ہے تو اسکا کیا علاج۔ خیر اب جواب ملاحظہ کریں۔ تین باتوں پر فیصلہ منحصر ہے۔ اوّل اسکا ثبوت کہ ان اعراب کو حضرت رسول اللہ کے ہمراہ جانیکی ممانعت تھی۔ دوم۔ قوم اولی باس شدید کون ہے۔ سوم۔ تقاتلونہم او یسلمون کے کیا معنے ہیں۔ پہلے دو امور کی نسبت مولوی صاحب نے دعوے ہی کیئے ہیں دلیل کوئی نہیں دی۔ اور تیسرے امر کی کوئی تشریح ہی نہیں کی۔ شان نزول آیت کا آپکی معتبر تفاسیر میں یہ ہے کہ جب حضرت رسول حدیبیہ کو تشریف لیگئے تو بعض قبائل منافقین نے حضرت کا ساتھ نہ دیا۔ اپنے گھر ہی میں رہے۔ جب حضرت بخیریت واپس ہوئے۔ تو انہوں نے

معذرت کی۔ اور زبانی استغفار کیا۔ خدا نے سفر حدیبیہ میں شامل ہونیوالے مومنین کو غنائم
خیبر کا وعدہ دیا۔ جب مومنین خیبر کو جانے لگے۔ تو انہوں نے کہا ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔
اسکے جواب میں انہیں کہا گیا کہ تم تو خدا کے وعدوں کو جھٹلانا چاہتے ہو تم ہمارے ساتھ
اس سفر و جنگ میں ہرگز نہ چلو گے۔ لیکن ہاں تمہارے لئے ایک اور امتحان ہوگا کہ تم ایک
ہتھیاروں والی قوم سے لڑنے کے لئے بلائے جاؤ گے اگر تم نے اسمیں رسول کی اطاعت کر لی اور
پیٹھ نہ دی۔ تو خدا تمہیں اچھا بدلہ دیگا یہ ہے مختصر واقعہ اس آیت کے متعلق۔ اب یہ سوال
ہے کہ آیا رسولؐ کے وقت میں حضرت کے ہمراہ جانے کی انہیں ممانعت تھی۔ مولوی صاحب نے
لن تتبعونا سے غالباً یہ بات نکالی ہے۔ لیکن اسکے متعلق فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد
میں یہ جواب دیا ہے۔ کہ یہ مقید تھا اور تقدیر اسکی یہ تھی کہ اگر تم نفاق پر رہے تو نہ نکلو گے
اور یہ تقدیر اسلئے واجب ہے کہ ہم (اہل سنت) نے اجماع کیا ہے کہ انہیں سے بہت مسلمان
بھی ہو گئے اور انکا اسلام بھی اچھا ہوا۔ اور نبی کے لئے یہ جائز نہ تھا کہ انہیں کہے کہ تم مسلمان
نہیں۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ جو تمہیں سلام کرے اسے تم یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں اور ان کے
مسلمان ہوتے ہوئے حضور کے لئے جائز نہ تھا کہ انہیں جہاد سے منع کرے حالانکہ یہ انپر واجب
تھا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ مقید تھا انکا حسن حال ظاہر ہو گیا کیونکہ نبی اکرمؐ نے انہیں جہاد
کیلئے بلایا اور ایک قوم نے آپکی اطاعت کی اور ایک نے نہ کی۔ دوسرا جواب جو اس سے اہم
ہے یہ دیا ہے۔ المراد من قولہ لن تتبعونا فی ھذا القتال۔ کہ جنگ خیبر میں تم ہمارے
ساتھ نہ آؤ گے۔ اور اسکے قرائن آیت میں ہی موجود ہیں۔ کیونکہ ان کا قول تھا ذرونا
نتبعکم ای الی مغانم خیبر کہ ہمیں خیبر میں اپنے ساتھ جانے دو یہ جواب بھی اسی کے متعلق ہونا
چاہیئے۔ پھر ملاحظہ کریں کہ لن تتبعونا فرمایا نہ لا تتبعونا۔ یعنی بصورت نفی فرمایا نہ بصورت
نہی کہ ممانعت مراد لیجائے۔ بلکہ اخبار ہے کہ تم ہرگز اس سفر خیبر میں ہمارے ساتھ نہ چلو گے
اسکے متعلق رازی کا یہ جملہ مزیدار ہے یعنی لو اذنتکم ثم تتبعکم اولو اردتم و اخترتم
لا یتم لکم ذالک لما اخبر اللہ۔ تم یعنی اگر میں تمہیں جانے کی اجازت بھی دیدوں اور تم ارادہ
بھی کرلو تو بھی تمہارا یہ ارادہ (اس سفر خیبر کیلئے) پورا نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ ان کو حضرت کے
ساتھ جانیکی ابدی ممانعت نہیں ہوئی۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ لکھا ہے کہ اگر رسول اللہؐ نے انہیں ابدی
ممانعت کی ہوتی تو اپنی زندگی میں پھر انہیں جہاد کیلئے نہ بلاتے۔ لیکن آپنے بلایا۔ چنانچہ تفسیر
کبیر جلد ۷ ص ۶۲۵ سے ص ۶۶۵ تک۔ اسی کو ثابت کر کے فرمایا ہے۔ انما یمنع متبعتا ان النبی
منعاھم ... وان قالوا لمدیدعہم النبی فالنفی والجزم بہ فی غایۃ البعد۔ یعنی ہم اسکو

ثابت کرتے ہیں کہ حضور نے انکو جہاد کیلئے بلایا۔ اگر کوئی کہے کہ نہیں بلایا تو اسکا یقین کر لینا بہت بعید ہے۔ تیسری دلیل رازی نے یہ دی ہے۔ لان النبیؐ لو امتنع من قبولہم لاتباعہ لامتنع ابوبکر و عمر لقولہ تعالیٰ واتبعوہ وقولہ فاتبعونی یعنی اگر نبی انکو ساتھ لیجانا قبول نہ کرتے تو ابوبکر و عمر بھی انکو لیجانے سے باز رہتے۔ کیونکہ خدا کا فرمان ہے رسول کی پیروی کرو اور رسولؐ نے فرمایا ہے میری پیروی کرو۔ چوتھی دلیل رازی کی یہ ہے کہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ حضور کے آخری زمانہ میں منافق کوئی نہ تھا۔ یا کافر مجاہر تھے یا مومن ظاہر یہ قبائل اگر مومن تھے تو انسے مومنوں والا برتاؤ کیوں نہ کیا گیا۔ اگر منافق تھے تو بقول آپکے جاھد الکفار والمنافقین انسے جہاد کیوں نہ کیا گیا۔ اگر کافر تھے تو پھر کب اور کیونکر مسلمان ہوئے کہ شیخین کے ساتھ جاکر جہاد کیا۔ چونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریمؐ نے انہیں اپنے ساتھ جانیکی مطلق ممانعت نہ کی تھی۔ بلکہ مقید اور وقتی خبر بھی آئیگی نہ جانے کی۔ حضورؐ نے انہیں پھر جنگجو اور مسلح قوموں کے ساتھ لڑنے کو بلایا۔ اسلئے ثلاثہ کے متعلق آپکا استدلال باطل ہوا۔ دوسرا امر قابل غور الفاظ قوم اولی باس شدید ہیں انکے متعلق آپکی معتبر تفسیر معالم التنزیل ص۲۵ پر ہے کہ سعید بن جبیر و عکرمہ کے نزدیک اس سے ہوازن و حنین مراد ہیں۔ قتادہ کے نزدیک ہوازن و ثقیف۔ ضحاک کے نزدیک ثقیف۔ زہری کے نزدیک بنو حنیفہ شرکاء مسیلمہ۔ ابن عباس کے نزدیک اہل فارس۔ حسن و کعب کے نزدیک اہل روم اور ص۲۶ پر ہے قال ابوھریرۃ لم یات تاویل ھذہ الأیہ۔ آپکا معتبر صحابی ابوہریرہ کہتا ہے کہ اس آیت کی تاویل ہی نہیں آئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابوہریرہ کے نزدیک آپکی تاویل باطل ہے۔ اب ہم تحقیق کرتے ہیں کہ اس سے کونسی قوم مراد ہے۔ آیت میں ہے ستدعون عنقریب تم بلائے جاؤ گے۔ یہ واقعہ ۶ھ کا ہے۔ جنگ فارس و روم غالباً ۱۲ ۱۳ھ میں یعنے اس کے چھ سات سال بعد ہوئی ہیں۔ اسلئے یہ قریب کی دعوت نہیں کہلا سکتی۔ دوم یہ کہ قوم واحد ہے اور فارس و روم کی دو قومیں مختلف العقائد تھیں اور دو مختلف زمانوں میں انسے لڑائی ہوئی۔ اگر یہ مراد ہوتی تو اقوام کا لفظ آتا۔ پہلی تمہید میں ثابت ہو چکا ہے کہ نبیؐ نے اپنے زمانہ میں انہیں جہاد کیلئے بلایا۔ اسلئے مابعد زمانوں سے نبی کا زمانہ قریب ہے۔ یہ جنگ حنین کے متعلق ہے جو ۸ھ میں یعنے اس آیت کے نزول کے قریباً دو برس بعد ہوئی جسمیں بنی ہوازن۔ بنی ثقیف۔ بنی جشم۔ بنی سعد اور دیگر پہاڑی اور صحرائی لوگوں نے آنحضرتؐ سے لڑائی کرنے کیلئے بقول روضۃ الصفا تیس ہزار کا جتھا اور قوم بنالی۔ تاریخ الخمیس میں ہے کہ

حضرتؐ نے انکے مقابلہ کے لئے بارہ ہزار اور بروایتے ۱۶ ہزار کی فوج جمع کی۔ جنمیں سے دس ہزار مہاجر و انصار تھے اور دو ہزار باشندگان مکہ جنمیں کافر بھی تھے انمیں صفوان بن امیہ کافر مشہور ہے۔ پس جبکہ حضرتؐ نے اس جنگ میں بقول مورخین کفار کو بھی ساتھ لیا تو قرینہ شاہد ہے کہ ان منافقوں کو بھی ضرور ساتھ لیا ہوگا۔ کیونکہ ایسے دشمنوں کو مدینہ میں پیچھے چھوڑنے سے سخت فساد کا اندیشہ تھا۔ اور ۱۶ ہزار کی روایت کے مطابق ۱۲ ہزار تو مذکورہ فوج ہوئی۔ باقی چار ہزار انہی کی جماعت ہوگی۔ مخالف فوج کی تعریف میں ارشاد خدا ہے اولی باس شدید جسکے معنے رازی کرتا تھا یعنی اولی سلاح من آلۃ الحدید فان الحدید فیہ باس شدید یعنی اس سے مراد ہے لوہے کے ہتھیاروں والے کیونکہ لوہے میں سخت لڑائی ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ مخالفین حنین ہتھیاروں والے تھے۔ قرآن میں ارشاد ہے تقاتلونہم او یسلمون یعنی تم انسے لڑوگے یا وہ مسلمان ہونگے اسپر بھی آپکے فخر الدین رازی نے آپکی خوب تردید کی ہے۔ مقام مذکور پر فرمایا ہے کہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے لالزمنک او تقضی حقی جسکے معنے ہیں لالزمنک الی ان تقضی حقی لامتداد زمان الملازمۃ الی القضاء وھذا مما یضعف قول القائل الداعی ھو عمر والقوم فارس وروم لان الفریقین یقران بالجزیۃ فالقتال بہم لایمتد الی الاسلام لجواز ان یودوا الجزیۃ خلاصہ مطلوب یہ کہ اگر کوئی کہے کہ میں تیرے ساتھ رہونگا یا تو میرا حق ادا کرے اسکے معنی یہ ہیں کہ جبتک تو میرا حق نہ دے میں تیرا ساتھ نہ چھوڑونگا۔ زمانِ ملازمت حق کے پورے ہونے تک ممتد ہوتا ہے۔ اس سے اس قائل کا قول ضعیف ہو جاتا ہے جو کہتا ہے کہ داعی عمرؓ ہے اور قوم سے فارس و روم مراد ہیں۔ کیونکہ انکے ساتھ جنگ کا خاتمہ صرف اسلام پر ہی نہیں ہو سکتا تھا بلکہ جزیہ پر بھی حالانکہ آیت میں ہے کہ قتال منتہی ہے اسلام پر۔ چونکہ اس آیت کا مصداق بھی زمانہ رسولؐ ہی میں پورا ہو گیا۔ اسلئے مولوی صاحب کا استدلال الزامی بھی غلط ہو گیا فالحمد للہ

آیت معیت۔ قال محمد رسول اللہ والذین معہ الخ۔ اس آیت میں آنحضرتؐ کے ساتھ والوں کی بڑی منقبت اور انکا دشمنوں پر غالب اور خالص النیت ہونا بیان فرمایا ہے۔ اور کھیتی کی مثال سے انکے اعوان کی کثرت کا اظہار کیا ہے۔ اگر حضرت علیؓ کو بقول شیعہ ثلثہ سے علیحدہ کیا جائے تو انکو یہ بات حاصل نہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنے دشمنوں پر غالب نہ ہے۔ نہ انکے اعوان کی کثرت تھی۔ اسیوجہ سے انکی خلافت تین مرتبہ غصب ہوئی۔ اگر ثلثہ مومن نہ مانے جاویں تو پھر اصحاب میں سے کوئی مصداق نہیں نکلتا۔ شیعہ نے کہا کہ معیت سے کوئی فضیلت نہیں۔ البتہ جو لوگ مصیبت میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہے ہیں انکی فضیلت ہو سکتی ہے اور مصیبت کے وقت میں جناب امیرؑ کے سوا کسی نے ساتھ نہ دیا رسولؐ کے بستر پر لیٹے۔ لیکن افسوس فضیلت صحبت رسولؐ سے صاف انکار۔ اگر ساتھ

عشرہ میں ساتھ رہنا فضیلت ہے۔ تو بھی خلیفہ اول کا کوئی مساوی نہیں۔ سفر ہجرت میں حضرتؐ کے ساتھ رہنا بڑے خوف کا موقع تھا۔ بستر رسول پر لیٹ رہنا کچھ بات نہ تھا۔ اسلئے کہ کفار کو رسولؐ سے خصومت تھی نہ علی جیسے کمسن لڑکے سے۔ اسلئے علیؑ کیلئے وہ مقام خوف نہ تھا۔

اقول ۔ اصل تقریر تو متن میں درج ہے۔ یہ دشمنان علیؑ کا لہجہ مرزائیوں کی مدد سے بعد میں اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن ذوالفقار علیؑ خارجیوں کے قلع و قمع کیلئے موجود ہے۔ پہلے آپکے استدلال کو باطل کرتا ہوں۔ آپکی تحریر سے یہ بات عیاں ہے کہ جو دشمنوں پر غالب رہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ بہت خوب۔ اگر ایکوقت بھی کوئی مغلوب ہو جائے تو وہ معیت رسول سے خارج۔ اور جو دنیا میں رسول کی معیت سے خارج ہوا وہ آخرت میں بھی ضرور خارج ہے۔ متن مناظرہ بحث فرار میں آپ حضرات کا فرار ملاحظہ کرینگے۔ اگر فرار کا نام ہی دشمن پر غالب رہنا ہے تو خیر فرار کو آپ حضرات ہزیمت یعنی مغلوبیت و شکست بھی کہا کرتے ہیں۔ اسطرح بھی انکا مغلوب ہونا ثابت ہے۔ پھر یہ کہ ثانی اپنے دشمن سے مارا گیا۔ ثالث دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ یہ واقعات ان کی مغلوبیت کے شاہد ہیں۔ اگر یہ غالب ہوتے تو یہ انکو مارتے۔ چونکہ یہ مارے گئے اسلئے یہ مغلوب ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ معیت رسول سے آپکے استدلال کے مطابق بھی دنیا و آخرت میں خارج ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شیعہ کی باتوں سے حضرت علی بوجہ مغلوبیت اس آیت کے مصداق نہیں ہوتے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ شیعوں کے اقوال کی رو سے نہیں بلکہ آپ ہی کے قول کی رو سے۔ کیونکہ آپنے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق وہ ہے جو دشمنوں پر غالب ہو۔ اور روئداد صفحہ پر لکھا ہے کہ حضرت علیؑ سے لڑنیوالوں کا غلبہ روز بروز بڑھتا گیا۔ مطلب آپکا یہ ہوا کہ حضرت علیؑ مغلوب تھے اور آپکے محاربین جو محاربین رسولؐ ہیں (یا علی حربک حربی) غالب۔ پس تمہارے اس استدلال سے علیؑ فضیلت صحبت رسولؐ سے محروم اور خوارج فضیلت صحبت سے مستفیض ہوئے۔ دیکھا آپکی تعلیم۔ آپکے دلائل کسطرح آپکو خوارج کے عقائد سے ملا رہے ہیں۔ سچ ہے بروں کی حمایت بھی انسان کو برا بنا دیتی ہے۔ یہ تو قلب الکلام کیطرح تمہارا ابطال کیا گیا۔ چونکہ آپنے صرف تینوں کو ہی آیت کا مصداق بتلایا ہے۔ اسلئے ہم تینوں کو ہی اس سے نکالتے ہیں بدلائل قرآنی۔ ا۔ خدا فرماتا ہے حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو انکے ساتھی ہیں۔ قرآن میں انبیاء کے ساتھ انکے ساتھیوں کی الذین معہ یا معہ کے ساتھ جہاں تعریف ہوئی ہے۔ وہاں مومنین صحابہ ہی مراد ہوتے ہیں مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کے صحابہ کو لیں۔ خدا فرماتا ہے۔ ونجنی ومن معی من المومنین فانجیناہ ومن معہ فی الفلک المشحون یعنی خدایا بچا مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں مومنین میں سے۔ پس بچا یا ہمنے اسے اور جو اسکے ساتھ تھے لدی کشتی میں ساتھ۔ گو من معہ سے مراد الذین امنو امعہ جو

اسکے ساتھ مومن تھے۔ بالفاظ واضح والذین معہٗ سے والذین امنوا معہ مراد ہے۔ اسلئے یہ صفات
مؤمنین ہی کی ہو سکتی ہیں۔ اسی لئے شیعہ مناظر نے کہا تھا کہ پہلے انکا ایمان ثابت کرو پھر یہ آیت چسپاں کرو
کسی نبی کی صحبت نشینی سے ہی ایمان کا سرٹیفکٹ نہیں ملجاتا۔ آپ معہ سے سب کا ایماندار ہونا
ثابت کر رہے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ دیکھئے میں قرآن سے ہی استدلال کرتا ہوں۔ اگر تمام مخالفین
جمع ہو کر اسکا جواب دینا چاہیں تو انشاء اللہ نہیں دے سکتے۔ ارشاد ہے یوم لا یخزی اللہ النبی والذین
امنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم۔ پھر پ ۲۷ میں ہے۔ یوم تری المؤمنین والمومنات
یسعیٰ نورھم الیٰ ان قال یوم یقول المنافقون والمنافقات للذین امنوا الی
ان قال ینادونھم الم نکن معکم قالوا بلیٰ۔ خلاصہ یہ کہ قیامت کے دن رسول اور اسکے
ساتھی مومنوں کا نور انکے آگے چلتا ہوگا۔ اسدن انکو منافق کہینگے ہمیں بھی اپنے نور سے دو۔
آیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہینگے ہاں۔ لیکن تمہیں امیدوں نے مغرور کر دیا۔ اور تمنے شک
کیا۔ ان آیات سے منافقین کی بھی رسول اور مومنین سے دنیا میں معیت ثابت ہے۔ پس اگر
محض معیت مثمر ہوتی تو انکے لئے ماوٰکم النار (تمہارا ٹھکانا جہنم ہے) کیوں فرمایا گیا۔
۱۹ سورۃ الشعراء میں فرمایا ہے۔ وانجینا موسیٰ ومن معہ اجمعین یعنی ہم نے موسیٰ
اور اسکے تمام اصحاب (ساتھیوں) کو بچا لیا فرعون سے یا غرق ہونے سے اور فرعون کو غرق
کر دیا۔ اسمیں تمام ساتھیوں کا ذکر ہے۔ اب اگر یہ کلیہ آپکا مان لیا جائے کہ محض معیت سے تمام
کی ایمانداری ثابت ہوتی ہے۔ تو حضرت موسیٰؑ کے تمام اصحاب بھی حقیقی مومن ہونے چاہیئے تھے۔
لیکن ان کا ایمان دیکھ لو۔ خدا پ ۹ میں فرماتا ہے۔ وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علیٰ
قوم یعکفون علیٰ اصنام لھم قالوا یا موسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ قال انکم
قوم تجھلون یعنے جب اصحاب موسیٰ دریا پار ہوئے۔ تو وہ ایک ایسی قوم پر پہنچے جو بتوں کی
پوجا کرتے تھے تو کہنے لگے اے موسیٰ ہمیں بھی بت دے جیسے انکے بت ہیں آپنے فرمایا کہ تم لوگ بے عقلی
کرتے ہو۔ پھر یہی الذین معہ موسیٰ تھے جو موسیٰ کے طور جانے پر گوسالہ پرستی کرنے لگے

(۲) اشداء کے معنے غالب نہیں بلکہ سخت ہیں۔ سخت وہی ہوگا جو بہادر ہو دشمن کے مقابلہ میں
ڈٹا رہے۔ جو دشمن سے بھاگ جائے وہ سخت کہاں رہا۔ آپ بروایت صحیح ثابت کریں کہ ثلاثہ نے حیات
رسول میں کسی کافر پر اپنے ہاتھ سے سختی کی ہو۔ یا کسی کو خود ذرا سی بھی ضرب فی سبیل اللہ لگائی
ہو۔ ہاں مومنوں پر سختی ضرور کرتے رہے ہیں۔ مالک بن نویرہ اور اسکا قبیلہ مومن تھا۔ دیکھو مدارج النبوۃ
واصابہ وغیرہ۔ لیکن اول نے بڑی سختی سے انکو مروایا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مومن صادق تھا
انکو ثالث نے پٹوا کر جلا وطن کیا۔ عبداللہ بن مسعود صحابی کی پسلی توڑ دی۔ اور ثانی تو مومنین صحابہ پر

سختی کرنے میں فظ و غلیظ القلب مشہور ہی تھے - انہیں سے بعض بعض کو بازاری کہتے تھے بخاری ۲۲ پ
پوہے کہ انس کہتا تھا مہاجرین کو کان یشاغلھم الصفق پس چونکہ یہ تین نہ اشداء علی
الکفار تھے نہ بالمؤمنین رحیم - اسلئے یہ اس آیت کے مصداق نہیں - (۳) اگر یہ آیت تمام
صحابہ کیلئے ہے تو چاہئے تھا کہ یہ آپسمیں مہربان ہوتے - محمد بن ابی بکر صحابی تھا اسنے ثالث سے
کیا کیا - اسکی داڑھی پکڑ کر کھینچی - اور تو اور عہد جناب امیر میں جنگ صفین میں فریقین ظاہر
صحابی تھے - اگر سب اس آیت کے مصداق ہوتے تو آپسمیں کیوں لڑتے - کیا آپسمیں لڑنا
رحماء بینھم کے معنے ہیں - (۴) اب میں بتلاؤں یہ کون تھے - حضرت علی ؑ علیہ السلام -
حضرت سلمان فارسی - ابو ذر غفاری - مقداد - عمار - حمزہ - جعفر طیار - ابو دجانہ -
شہداء بدر و احد و امثالہم - (۵) کزرع یعنی کھیتی کی مثال سے کثرت کس لغت سے آپنے
نکالی - اسکے متعلق استدلالی تقریر کریں تو جواب دیا جائے مصیبت میں ساتھ رہنے سے ہی
کوئی فائدہ نہیں - مصیبت کی گھڑی میں امداد کرنا مطلوب ہے - کیا احد کی مصیبت کی گھڑی
میں ثلثہ نے مدد کی یا خیبر و حنین میں - مرض الموت میں انہوں نے مدد کی یا تجہیز و تکفین میں -
یہ کہنا تو آسان ہے کہ علی کو کیا خوف تھا - لیکن اسکا کیا جواب کہ خدا کے نزدیک یہ سخت خوف کا
مقام تھا - اسلئے خدا نے علی کے بستر رسول پر لیٹنے کو جان بیچنا فرمایا ملاحظہ ہو ومن الناس
من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ سورہ بقرہ پ ۲ ع ۹ اور اسکی تفسیر تفسیر کبیر جلد ۲
ص ۲۰۳ - تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۸ - تاریخ خمیس جلد اول
ص ۳۶۶ - روضہ ندیہ شرح تحفہ علویہ ص ۱۱ میں - لیکن اول کے ہمراہ رسول جانے کو بھی عدم نصرت
ہی فرمایا ارشاد کیا الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ - اگر تم (صحابہ) نے اسکی مدد نہ کی تو
کیا ہوا - خدا نے تو اسکی مدد کی جبکہ کفار نے اسے نکالا اور ایک جان کا دکھیا بھی ساتھ تھا - وہ
وہاں بھی رونے اور چلانے سے ایذا دیتا رہا - لیکن خدا ہی تھا جسنے ایسے وقت میں رسول کی مدد
فرمائی - اسکی تو عجیب مدد یہ تھی کہ ایسے سفر میں بھی نقدا نقد سودا رسول سے کرکے پانچ گنے
دام اپنی اونٹنی کے کھرے کئے - ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ صفحہ ۴ ، جلد ۲ یہاں اسکو یاد رکھنا چاہئے
کہ آیہ غار میں خداوند کریم شرکت اول کو مصائب رسول میں شمار کرتا ہے کہ جب اسکو کافروں
نے نکالا وہ دو کا دوسرا تھا جب وہ دونو غار میں تھے اور اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کھا خدا
ہمارے ساتھ ہے - کون عاقل ہے جو اس سے اول کی تعریف نکال سکے بلبل شیراز شیخ سعدی رح غالباً اسی
طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎ ترا اژدہا گر بود یار غار ٭ ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار ٭

قتال مرتدین - یا ایھا الذین امنوا من یرتد

منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین
اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ
یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔ اے وہ جو ایمان لائے ہو جو تم میں سے مرتد ہو جائیگا اپنے
دین سے تو لائیگا خدا ایک ایسی قوم کو جنکو خدا دوست رکھتا ہے اور وہ اُسکو دوست رکھینگے عاجزی
کرنے والے مومنوں پر سختی کرنیوالے کافروں پر۔ جہاد کرتے ہیں راہ خدا میں اور نہیں ڈرتے ملامت
کرنیوالے کی ملامت سے۔ یہ بخشش ہے اللہ کی دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اسکے متعلق سنی کوئی تقریر صحیح بیان
نہیں کی اور نہ اُسے مناظرہ میں پیش کیا معلوم تھا کہ اسی سلسلہ میں کہا ہے کہ ابوبکر نے مرتدین سے قتال کیا لیکن یہ خیال
درست نہیں۔ شیخین میں سے کسی پر بھی یہ آیت چسپاں نہیں۔ پہلا وصف اس قوم کا یہ ہے کہ یہ محب و محبوب
خدا ہے۔ اب دیکھیں کہ آیا یہ حضرات ایسے ہیں۔ جنگ خیبر میں اصحاب ثلاثہ کا یہ حال تھا غائب تھے۔ حضرت
رسول نے قلعہ کو سر کرنے کیلئے اول کو بھیجا وہ بھاگا۔ دوم کو بھیجا اُسنے پیٹھ دی۔ اُسوقت حضرت نے
کیا کیا آپ ہی کے الفاظ روضۃ الصفا میں یہ ہیں۔ حضرت علی مرتضےٰ کے محب و محبوب خدا و رسول
ہونیکا ثبوت حدیث رایت سے ہوتا ہے۔ جنگ خیبر میں رسولخدا نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایک ایسے
شخص کو دونگا جو خدا اور رسول کا محب و محبوب ہوگا۔ دوسرے دن جھنڈا آپنے حضرت علی مرتضےٰ کو دیا۔
جھنڈا اُٹھنے کے بعد سب کو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث میں محب و محبوب خدا و رسول انہیں کو کہا گیا ہے۔ کیوں
حضور اس سے ثابت ہوا کہ شیخین میں یہ وصف نہیں تھا۔ کیونکہ اگر وہ اس سے موصوف ہوتے تو پہلے
دنوں کی طرح اسدن بھی انہیں کو اس سے مشرف کیا جاتا۔ مومنوں پر نرمی اور کافروں پر سختی کی کیفیت
اشداء کے ذیل میں ملاحظہ کریں۔ جہاد فی سبیل اللہ انہوں نے کوئی کیا ہی نہیں۔ اگر اس آیت سے
حضرت ثلاثہ مراد ہوتے تو رسول اللہ کی حدیث میں اسکی توضیح ہوتی۔ لیکن اسکی نسبت کوئی لفظ نہیں۔
البتہ حضرت علیؑ کی نسبت وارد ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ تم میں کوئی ہے جو تاویل قرآن پر جنگ کریگا
جیسا میں نے تنزیل قرآن پر کی۔ ابوبکر نے کہا کیا وہ میں ہوں۔ آپنے فرمایا نہیں بلکہ وہ وہ ہے جو میری
کفش کو پیوند کرتا ہے اور وہ حضرت علیؑ تھے (جامع الاصول) اور مستدرک حاکم میں ہے کہ رسولخدا
نے فرمایا انک تقاتل علی القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ (براہین قاطعہ ص) اے علیؑ تو قرآن
کے حکم کے مطابق لڑائی کریگا جیسے تو نے جنگ کی قرآن کے نازل ہونے پر۔ اور تحفہ اور دیگر کتب میں ہے
کہ رسولؐ نے فرمایا یا علی تقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین تو (بحکم خدا) جنگ
کریگا عہد شکنوں۔ بے انصافوں اور دین سے باہر ہونے والوں کے ساتھ۔ مارق اور مرتد ہم معنے ہے۔ حضرت
علیؑ نے بحکم خدا ان سے جنگ کی۔ اسلیئے اس قوم محب و محبوب خدا سے آپ اور آپکی جماعت مخلصہ مراد ہے اور
آپنے جنگ کی انکو بقیۃ الاحزاب فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اُنسے پہلے بھی ایسے ہو چکے ہیں اگرچہ وہ مومن

حضرت نے انسے قتال نہ کیا ہو۔ آپنے ترجمہ آیت میں سوف بمعنے عنقریب لیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ استقبال بعید کیلئے آتا ہے۔ اگر آپنے صرف پڑھی ہے تو آپکو یہ بات معلوم ہوگی۔ اس آیت کے متعلق اور بہت سے امور قابل ذکر ہیں۔ لیکن بخوف طوالت انکو چھوڑ دیا گیا۔ اگر کسی نے کچھ لکھا۔ تو مزید توضیح کر دیجائیگی صرف یہ بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ منکم میں خطاب کن سے ہے۔ آپنے بارہا لکھا ہے کہ حاضرین زمانہ نبوی سے پس اسکے مخاطب صحابہ ہوئے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ صحابہ میں سے مرتد بھی ہو گئے۔ اسلئے تمام صحابہ ممدوح نرہے جیسا کہ آپکا عقیدہ ہے + سورۂ نصر- قال - ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا- جیسے مدرسہ میں داخل ہو کر اہل مدرسہ بنجاتے ہیں- ویسے ہی دین میں داخل ہو کر اہل دین تو ہو گئے- لیکن شیعہ تو انکے اہل دین ہونے سے ہی منکر ہیں- خدا تو فرمائے کہ دین خدا میں افواج داخل ہوئیں اور شیعہ کہیں کہ صرف چار پانچ داخل ہوئے- جنمیں سے ایک کامل طور پر اور باقی ناقص طور پر- اقول - خدا فرماتا ہے کہ جب آئے فتح اور مدد خدا کی اور دیکھے تو لوگوں کو داخل ہوتے خدا کے دین میں گروہ گروہ - خدا کے دین کا کیا نام ہے ان الدین عند اللہ الاسلام - اس کا نام اسلام ہے- مطلب یہ ہوا کہ جب تو اسلام میں گروہ گروہ داخل ہوتے دیکھے- یہ تو ہم مانتے ہیں کہ اسلام میں گروہ گروہ داخل ہوئے- لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ آیا داخل ہونے سے ہی ایمان ثابت ہو جاتا ہے- اگر داخل ہونے سے ہی ایمان ثابت ہوجاتا ہے- تو چھٹی ہوئی- لیکن قرآن کی تعلیم اسکے برخلاف دلالت کرتی ہے ۲۶/۱۴ قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولاکن قولوا اسلمنا و لما یدخل الایمان فی قلوبکم- کہا اعراب نے کہ ہم ایمان لائے آپ انہیں کہیں کہ تم یہ کہو کہ اسلام لائے- کیونکہ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا- یہ اعراب اسلام میں داخل ہو چکے تھے- لیکن باوجود اسکے انہیں کہا گیا کہ مومن نہیں ہو ایک اور آیت میں اسلام میں داخل ہونے والوں کی ایک جماعت کا ذکر کرتا ہے- واذا جاء وکم قالوا امنا وقد دخلوا بالکفر وھم قد خرجوا بہ واللہ اعلم بما کانوا یکتمون ۶۱/۷ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے- بتحقیق وہ داخل ہوئے تھے اسلام میں کفر کے ساتھ اور اسی کے ساتھ نکلے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپا رہے تھے- اس سے معلوم ہوا کہ ایک گروہ ایسا تھا کہ کفر کے ساتھ اسلام میں داخل ہوا- اور کفر کے ساتھ خارج ہوا- ایک گروہ ایسا ہے جو کفر کے ساتھ داخل ہوا اور کفر کے ساتھ ہی رہا- انکو خدا وعظ کرتا رہا- یا ایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ اے وہ جو امنا کہتے ہو ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر اگر انمیں ایمان موجود ہوتا تو خدا انہیں کیوں کہتا کہ ایمان لاؤ- اور یہ حدیث تو آپکو معلوم ہوگی کہ حضرت نے فرمایا کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہونگے- کلھم فی النار الا واحدۃ منھم ناجیۃ (تحفہ وغیرہ) انمیں سے ایک ناجی باقی سب نار میں جائینگے- یہ ناری فرقے دنیا میں تو اسلام میں ہی داخل ہوئے لیکن آخرت

کو نار میں داخل ہونگے۔ تو پھر صرف داخل ہونیسے کیا شرف ملگیا۔ اور یہ آیت فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی۔ اس سے اگر بالفرض ایمان ہی ثابت ہو تو صرف انکا ہی ہوگا۔ جو اسوقت داخل ہوئے۔ جنکے ایمان کی بحث تھی وہ تو اس سے ۲۳ سال پیشتر اسلام میں آ گئے تھے۔ انکا ایمان کسطرح ثابت ہوگیا۔ اور نیز یہ کس طرح ثابت ہوگیا کہ اسکے بعد انکا ارتداد واقع نہیں ہوا۔ بہت سے قبیلے جو اسوقت اسلام لائے تھے۔ آپکے ہاں کی کتابیں بتلاتی ہیں کہ وہ عہد ابوبکرؓ میں مرتد ہوگئے۔ ان داخل ہونیوالوں میں ابوسفیان بھی تھا۔ وہ ایکدفعہ گدھے پر سوار آ رہا تھا اسکے ساتھ معاویہ بھی تھا اور یزید اسے چلاتا تھا تو آپنے فرمایا لعن اللہ الراکب و القائد و السائق۔ خدا نے لعنت کی ہے سوار کھینچنے والے اور ہانکنے والے پر۔ (ربیع الابرار زمخشری) اس سے معلوم ہوا کہ ملعون بھی داخلین میں شامل تھے۔ انمیں وحشی قاتل حضرت حمزہ بھی تھا جس کی بعد اسلام بھی حضور نے شکل دیکھنا بھی گوارا نہ کی۔ انمیں ھندہ جگر خوارہ حمزہ بھی تھی۔ الغرض اس آیت سے بھی آپکا مطلب حل نہوا۔ یہاں یہ جتا دینا بھی ضروری ہے کہ تسبیح و حمد کا حکم حضرت کو نصرت اور فتح کے آنیکی وجہ سے ہوا۔ مدیر صاحب نے لکھا ہے کہ شیعہ مشن ہکیوال نے اشتہار میں لکھا ہے کہ دین خدا میں داخل ہونیسے مسلمان ہونا مراد نہیں۔ لیکن یہ غلط لکھا ہے اشتہار میں یہ عبارت نہیں۔ منافق بھی ظاہرا اسلام کیوجہ سے مسلمان ہی کہلاتا ہے۔ بلکہ منافق صحابۂ رسول میں شمار ہوتے رہے ہیں۔ جب وہ صحابی کہلاتے رہے تو کیا مسلمان نہیں کہے جا سکتے۔

قال ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم کی ۲۳ برس کی محنت میں صرف ایک حضرت علیؑ کامل الایمان ہوئے۔ اور تین چار آدمی اور بھی ہوئے مگر ناقص الایمان۔ لیکن اسمیں حضرت صلعم کی بڑی توہین ہے۔ اور انکی تعلیم کی قوت تاثیر جو ایک نمایاں خصوصیت تھی ہاتھ سے جاتی ہے۔ اور اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص کو بھی کامل طور پر مسلمان نہ بنا سکے ایک حضرت علیؑ اسوجہ سے شمار میں نہیں آ سکتے ہیں کہ وہ داماد و ابن عم تھے۔ ابتدا سے انکی ساخت و پرداخت حضرت ہی کے ہاتھ سے ہوئی۔ ایسے شخص پر اثر ڈالنا مشکل نہ تھا۔ شیعوں نے کہا کہ حضرت علیؓ کے علاوہ فاطمہ حسنینؑ بھی کامل الایمان ہوئے۔ چہ خوش کسی شخص کی اولاد اگر اس کے راہ پر ہو تو کیا کمال ہے۔ **اقول** ۔ اڈیٹر صاحب نے عامیانہ باتیں کر کے اپنے ناظرین کو بہلانا چاہا ہے۔ لیکن ایک بات کی بھی دلیل نہیں دی۔ قلت متبعین سے کسی نبی کی شان میں فرق نہیں آتا۔ خدا شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کے حال میں فرماتا ہے۔ وما آمن معہ الا قلیل اسپر ایمان نہیں لائے مگر تھوڑے ۹۵۰ سال

کی شبانہ روز محنت میں تھوڑے سے آدمی مومن بنے ۔ کیا اسمیں حضرت نوحؑ کی توہین ہے ۔ اگر
۹۵۰ سال کی مدت میں تھوڑے مومن بننے سے ایک نبی کی توہین نہیں تو ۲۳ سال کی مدت میں
تھوڑے بننے سے کیونکر توہین ہوگئی ۔ اگر قوت تاثیر کو دیکھنا ہے تو اربعہ لگا کر دیکھ لیں
پھر بھی حضرتؐ کے مومنین کاملین مومنین نوحؑ سے زیادہ نکلینگے ۔ اور یہ قوت تاثیر معلوم
نہیں کہاں سے استنباط کیا ہے ۔ انبیاء کا یہ فرض نہیں کہ ضرور تاثیر ہو ہی جائے ۔ خدا فرماتا ہے
ماکنت تھدی من احببت ولاکن اللہ یھدی من یشاء ۔ ترجمہ جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا
لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے ۔ یہاں تو قوت تاثیر ہی کی نفی ہے ۔ کثرت و قلت پر ہی اگر
مدار نبوت ہے تو مقابلہ کر لیجئے مسلمانوں کا دوسری قوموں سے ۔ ہندو صرف ہندوستان میں
۳۳ کروڑ ہیں اور مسلمان ساری دنیا میں ۲۳ کروڑ ۔ تو کیا آپ یہ کہینگے کہ ہندوؤں کے بزرگوں
کی قوت تاثیر رسول اللہؐ سے زیادہ ہے ۔ یہ آپکا پہلا فقرہ شیعوں پر افترا ہے ۔ شیعہ صحابہ کی
ایک جماعت کثیرہ کو مومن جانتے ہیں ۔ شہداء بدر ۔ احد وغیرہ ۔ حمزہ ۔ جعفر ۔ ابو طالب ۔ سعد معاذ
سلمان ۔ مقداد ۔ ابوذر ۔ عمار ۔ بلال ۔ قنبر ۔ صعصعہ ۔ محمد بن ابی بکر ۔ سعد بن عبادہ ۔ قیس
بن سعد ۔ ابودجانہ ۔ مالک بن نویرہ اور اسکا قبیلہ ۔ اویس قرنی ۔ مالک اشتر ۔ القصہ بارہ
ہزار صحابی مخلص اور مومن ہوئے ہیں ۔ (حق الیقین ۵۵۹) لیکن چونکہ آپکے خیال میں صرف
تین اور ان کی جماعت ہی مسلمان ہوئی تھی ۔ اس لئے جو ان کو مومن نہ ملنے وہ کسی کو بھی
نہیں مانتا ۔ حضرت علیؑ کے ایمان کی آپنے بہت توہین کی ہے ۔ کیونکہ ایسا ایمان تو آپکو اچھا بھی
معلوم نہیں ہوتا ۔ آپ تو دوسرے ایمان کے عادی ہو چکے ہیں ۔ جناب من جسکی ساخت و پرداخت
رسول اللہؐ کے ہاتھ سے ہوئی ہو ۔ بتلائیے اس کا ایمان کیسا کامل ہوگا ۔ اسلئے ضرورت اسی کی
تھی کہ وہی خلیفہ رسول بھی ہوتا جس کی ساخت و پرداخت حضرت کے ہاتھ سے ہوئی ہو ۔ جیسے خدا
کا خلیفہ وہ ہوتا ہے جسکی ساخت و پرداخت خدا کے ہاتھ سے ہوتی ہے ۔ ویسے ہی خلیفہ رسولؐ وہ
ہونا چاہیئے جسکی ساخت و پرداخت رسولؐ کے ہاتھ سے ہوئی ہو ۔ آپنے کہنے کو تو کہدیا کہ علیؑ پر اثر
ڈالنا کیا تھا ۔ اجی جناب ! اگر ایک علامۂ دہر واقفِ اسرار ۔ عالم علم لدنی ۔ مسلمہ حکیم اسلام
ایک کو سمجھا مان لے ۔ تو وہ ان لاکھ جاہلوں سے اچھا ہے جو فاطمہ کے معنے بھی نہ جانتے ہوں
جو میراث جدہ سے ناواقف ہوں ۔ جنہیں تیمم کی آیت بھی یاد نہو ۔ جو کھڑے ہو کر بول کرتے ہوں ۔
یہی بات قرآن بھی سکھلاتا ہے فرماتا ہے وآمن لہ لوط ۔ کہ ابراہیم پر اظہار ایمان کیا لوط نے
لوط کے ذکر کی کیا ضرورت تھی ۔ ابراہیم کے ہاں پرورش پائی ۔ قریبی رشتہ دار تھا ۔ اسکا ایمان
لانا بقول آپکے کیا حیثیت رکھتا ہے ۔ لیکن ہم آپکی کیوں سنیں جبکہ اصدق الصادقین فرما رہا ہے آپ

کہتے ہیں کہ اولاد کا باپ کی راہ پر ہونا کیا کمال ہے۔ لیکن قرآن اسکو کمال کہتا ہے۔ ومن ذریتہ داؤد
وسلیمان الخ ابراہیم ایسا تھا کہ اُس کی اولاد میں داؤد و سلیمان۔ موسیٰ۔ ہارون۔ عیسیٰ وغیرہم
جیسے شخص ہوئے۔ تینوں انکے باپوں۔ بھائیوں اور اولادوں میں سے چنے اور انہیں سیدھی راہ پر قائم رکھا۔ یہ رسول اللہ
کا بڑا کمال تھا کہ انکا داماد سرتاج اولیاء و افتخار انبیاء عالم علم لدنی ہوا۔ یہ بڑا کمال تھا کہ اسکی لڑکی
حضرت فاطمہ نے وہ درجہ پایا کہ مراتب و کمالات میں تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہو گئی۔ یہ بھاری
فضیلت تھی حضرت کی کہ انکے دو نواسے کمال محمدی تک پہنچے اور وارثیت سنگے۔

بیعت الرضوان۔ قال ۔ اس آیت میں بڑی وضاحت کے ساتھ اصحاب بیعت رضوان سے
اپنی رضامندی بیان فرمائی انکے دل کی حالت کی تصدیق کی۔ انپر سکینہ اتارنیکا بھی ذکر کیا جو ایک
عظیم الشان فضیلت ہے۔ **اقول** یہ آیت بھی مخالف کے مفید مطلب نہیں کیونکہ اسمیں لفظ مومنین
بیٹھا ہے۔ اور رضوان صرف مبایعین مومنین کیلئے ہے۔ اگر ہر مبایع شجرہ سے خدا راضی ہوا ہوتا تو فرماتا
لقد رضی اللہ عن الذین یبایعونک۔ پس جنکو یہ اس رضوان میں شامل کرنا چاہیں پہلے انکا ایمان
ثابت کریں۔ اس بیعت کے بعد جب حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا جسکے لئے یہ بیعت ہوئی تھی تو کہنے
والے نے اپنا مافی الضمیر کہہ دیا کہ مجھے ای محمد آپکی نبوت میں جیسا آج شک ہوا کبھی نہوا تھا۔ اگر انپر
سکینہ نازل ہو چکا تھا تو اس ارتیاب کی پھر کہاں گنجائش تھی۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ انپر سکینہ نہیں آیا
اسلئے انکے ایمان کا حال معلوم۔ ایسے اشخاص نے خود اقرار کیا کہ ان کیلئے یہ بیعت باعث فضیلت نہیں
بخاری باب غزوۃ الحدیبیہ ص ۵۹۹ پر ہے کہ براء سے کسی نے کہا طوبی لک صحبت رسول اللہ و بایعتہ
تحت الشجرۃ فقال انک لاتدری بما احدثنا بعدہ خوشا حال تیرا۔ تو صحابی رسول ہے اور تو نے
درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔ اُسنے کہا تو نہیں جانتا کہ ہمنے اسکے بعد کیا کیا۔ اسلئے ہمیں اس سے کیا فائدہ
بیعت کرنیوالوں میں ایک ابو الغادیہ بھی تھا۔ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے ذکر ابن حزم
ان عمار بن یاسر قتلہ ابو الغادیہ واما ابو الغادیہ ھذا من السابقین لمن بایع تحت
الشجرۃ۔ حضرت عمار یاسر کو ابو الغادیہ نے شہید کیا۔ جو ان پہلوں میں سے ہے جنہوں نے رسول خدا سے درخت
کے نیچے بیعت کی۔ اور قاتل عمار کی نسبت حضرت نے فرمایا ہے قاتل عمار فی النار (کنز العمال)
کہ وہ دوزخی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے یا عمار تقتلک فئۃ باغیۃ تدعوہم الی الجنۃ و
یدعونک الی النار (بخاری و فتح الباری) اے عمار تجھے ایک باغی جماعت قتل کریگی تو انہیں
بہشت کیطرف بلائیگا اور وہ تجھے آگ کیطرف۔ مغیرہ بن شعبہ بھی انہیں سے ہے۔ (مدارج النبوۃ)
یہ زانی بھی تھا اور حضرت علی کو سب بھی کرتا تھا (مسند احمد حنبل) دشمن علی بالاتفاق منافق ہے۔
کنا نعرف المنافقین ببغضہم علیاً۔ اور اسی نے تدبیر امارت یزید کی۔ پس معلوم ہوا کہ آیۂ مذکورہ سے

صرف مومنین مخلصین کی مدح ثابت ہوتی ہے - نہ تمام مبایعین کی - اور یہ رضا بھی وقتی رضا ہے یعنی جب وہ بیعت کرتے تھے تب راضی ہوا خدا - رضائے مطلق ثابت نہیں ہوتی -

فضائل صحابہ - قال - خلفاء کے فضائل ان آیات سے بدو طریق ثابت ہیں - اوّل یہ کہ یہ بھی مہاجرین سے تھے - دوم - یہ کہ تمام مہاجرین و انصار نے برضا و رغبت دلی انکو اپنا امام اور خلیفہ بنایا تھا - لہٰذا وہ خدا کے ممدوحین کے مقتدا ہوئے - تمام مہاجرین و انصار کا ثلثہ کے ہاتھ پر برضا و رغبت دلی بیعت کرنا احتجاج حشرے پر ہے - وما من الامۃ احد بایع مکرھا غیر علی و اربعتنا تمام امت میں کوئی ایسا نہیں جسنے بجبر بیعت کی ہو سوائے علیؑ اور زبیر - سلمان - ابوذر و مقداد کے +

اقول - آیۂ ہجرت کی توضیح دوسرے مقام پر ہو چکی ہے اس سے آپکو معلوم ہوگا کہ سب مہاجر ممدوح نہیں - پس بلا ایمان مہاجر ہونا کچھ سود مند نہیں - اگر سب مہاجرین و انصار کو ممدوح بھی مانا جائے - تو وہ اسوقت تک ممدوح تھے جبکہ حق پر قائم رہے - علیؑ کے لئے فرمان نبوی ہے علی مع الحق والحق مع علی - علیؑ حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے - پس جو علیؑ کی ولایت سے منحرف ہوا وہ غیر ممدوح بنگیا - بنی اسرائیل کو خدا نے فضیلت دی - اور فرمایا - وانی فضلتکم علی العلمین ہمنے تمکو جہان کے لوگوں پر فضیلت دی - لیکن حضرت موسےؑ کے کوہ طور جانے پر جب انہوں نے وصی خلیفۂ موسےؑ یعنی ہارون کو چھوڑکر اتباع سامری کیا - تو خدا نے فرمایا انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل کہ تم نے گاؤ سالہ کو معبود و پیشوا بناکر اپنے نفسوں پر ظلم کیا - اگر وقتی ممدوح ہونے سے مدامی ممدوحیت ثابت ہوتی ہے - تو بنی اسرائیل کو ظالم کیوں فرمایا - اگر وقتی ممدوحوں کے پیشوا بننے میں کوئی فضیلت و حقیت ہے - تو سامری کے گاؤ سالہ کی حقیت کا دم بھرنا شروع کر دیجئے - احتجاج کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ سب مہاجرین و انصار نے بیعت کی - مطلب یہ ہے کہ جنہوں نے بیعت کی انمیں سے از روئے کراہت و بجبر ان پانچوں نے کی - حضرت سعد بن عبادہ مقبول صحابی تھا - اسنے بیعت نہیں کی حضرت فاطمۃ الزہراؑ نے تاحیات بیعت نہیں کی - علےٰ ہٰذا اور بھی مثالیں ہیں - اور اگر صحابہ کی بیعت سے کوئی مقبولین کا امام ہو جاتا ہے تو صحابہ نے یزید کی بھی بیعت کی تھی - اور اگر انکی بیعت مثبت حقیت امامت ہے تو انکا کسی پر خشمناک ہونا اور کسیکو مخذول کرنا اسکی بطلان امامت پر دلیل ہونا چاہیئے - ثالث کے ذکر میں ہمنے ثابت کیا ہے کہ صحابہ نے اسے مخذول کیا - پس امامت اسکی باطل ہوئی -

قال - والذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اٰووا ونصروا اولٰئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم - جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو جگہ دی - وہی سچے ایمان والے ہیں - انکے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے - دیکھئے کسطرح خدا مہاجرین و انصار کے سچے مومن ہونے کی گواہی دے رہا ہے -

اقول - معلوم نہیں مخاطب نے اس آیت کو کسلئے پیش کیا - یہ تو انکے دعوے کی مخالفت کرتی ہے مہاجروا سے پہلے آمنوا موجود ہے ایمان کے بعد ہجرت مقبول ہے - لیکن انکا تو آپنے ابھی تک ایمان ہی ثابت نہیں کیا۔ دوم - ہر مہاجر کی بھی تعریف نہیں بلکہ اُن مہاجروں کی تعریف ہے جنھوں نے فی سبیل اللہ ہجرت کی - مطلق ہجرت سے کوئی مومن حق نہیں بنجاتا - اگر ایسا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ مہاجر و مہاجرہ کے ایمان کی فوراً تصدیق کرلیجاتی - اور اسکی ہجرت کو ہی دلیل ایمان تصور کرلیا جاتا - حالانکہ قرآن شریف اسکے برخلاف فرمارہا ہے - پارہ ۲۸ سورۂ ممتحنہ میں ارشاد ہے - یاایھا الذین آمنوا اذا جاءکم المومنات مہاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار - اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرکے آئیں - تو انکا (ایمان میں) امتحان کرلیا کرو - اللہ انکے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے - پس اگر امتحان کے بعد تمہیں انکا ایمان معلوم ہوجائے تو انکو کفار کیطرف نہ لوٹاؤ - اور بخاری مطبوعہ میں حضرت عمر صاحب سے منقول ہے - فمن کان ھجرتہ الی الدنیا یصیبھا او الی امراۃ تنکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ - اعمال کا مدار نیتوں پر ہے جسکی ہجرت دنیا کیلئے ہو کہ اسے ملے یا عورت کیلئے کہ اس سے نکاح کرے - تو اسکی ہجرت فی اللہ والی اللہ نہیں بلکہ اسکی طرف ہے جسکے لئے انہوں نے ہجرت کی - اور قرآن پاک میں ایک آیت دنیا دار صحابہ کی شان بیان کرتی ہے منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ تم میں اے صحابہ بعض تو دنیا چاہتے ہیں اور بعض آخرت - جو جنگ احد میں رسول کو چھوڑ کر لوٹ اور بھاگ میں لگ گئے - وہ مرید دنیا تھیں - اسلئے انکی ہجرت بھی دنیا کیطرف تھی - نہ ہجرت مقبولہ - اس سے واضح ہوگیا کہ آپکا یہ دعوٰے کہ خدا نے مہاجروں کے ایمان کی گواہی دی - بالکل غلط ہے - بلکہ آپکو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ مومن مہاجروں کی تعریف کی - اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ کس طرح ثابت ہو کہ ہجرت خدا کیلئے ہے - توبہ میں ارشاد ہے - ام حسبتم ان تترکوا ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ولم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المومنین ولیجۃ کیا تمنے گمان کرلیا ہے - کہ چھوڑ دیے جاؤگے - نہیں ایسا کبھی نہ ہوگا جبتک کہ اللہ جان نہ لے انکو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا - یہ آیت صاف بتلاتی ہے - اور بڑا بھاری قرینہ اسپر حسبتم کا (تمنے گمان کرلیا) اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ وہ ہجرت کو دلیل ایمان جانتے تھے - اب یہ دیکھنا ہے کہ جہاد تو انمیں سے منافقوں نے بھی کیا - تو خدا کو نسے جہاد پر پرکھنے والا ہے - اور اس جہاد کی کیا علامت ہے - خود ہی توضیح فرمادی ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین ہم تمہیں پرکھینگے یہانتک کہ جانیں کون تم میں سے مجاہد صابر ہے - دوسرے

مقام پر ارشاد کیا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس - اب دیکھیں کہ مجاہد صابر کون ہے - ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص وہ مجاہد اللہ کا پیارا ہے جو خدا کی راہ میں ایسا جمکر لڑتا ہے کہ گویا وہ آہنی دیوار ہے - یہ تو پیارا مجاہد ہوا اب دیکھئے کہ پھٹکارا کون ہے - پ۹ یا ایہا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوہم الادبار ومن یولہم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر - ایمان والو جب کفار سے لڑنے جاؤ - تو پیٹھ نہ دو - اور جو بروز جنگ اپنی پیٹھ پھیریگا وہ خدا کا پھٹکارا ہے اور اسکا ٹھکانا جہنم ہے - ہاں لڑائی کا ہنر کرتا یا فوج میں جا ملنا اسمیں داخل نہیں اب آپ خود غور کرلیں کہ جنگو نمیں پیٹھ دینے والے مجاہد صابر نہیں - اور جو مجاہد صابر نہو نہ اسکی ہجرت کا اعتبار اور نہ ظاہری ایمان کا - اسلئے مومنون حقا انکی شان کے مطابق نہیں ہے - اور مناظرہ سے آپکو معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ کون تھے - آپنے یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن میں بہت سی آیتیں ہیں جنمیں خدا نے اصحاب نبی کا مومن کامل ہونا بیان کیا ہے - لیکن اسکا ثبوت آپنے کچھ نہیں دیا - قرآن میں ایسی کوئی بھی آیت نہیں جسمیں تمام صحابہ کا مومن ہونا بیان ہوا ہو - بلکہ صحابہ کے ایک گروہ کے بارہ میں ارشاد ہوا ہے - افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین - پھر کہا اگر ہمارا رسول مرگیا یا مارا گیا تم پھر جاؤگے اپنی ایڑھیوں پر اور جو پھر جائیگا اپنی ایڑھیوں پر تو نہ بگاڑیگا اللہ کا کچھ اور اللہ بدلہ دیگا شاکروں کو - اسکے ساتھ بخاری کی کتاب الحوض طے ۶ مطالعہ کریں جسمیں کئی حدیثیں ملینگی کہ صحابہ کی ایک جماعت حوض کوثر سے ہٹائی جائیگی اور یہی ہونگے جنہوں نے بعد از رسول دین میں احداث کئے - پس معلوم ہوا کہ سارے صحابہ مومن نہ تھے - رہے انصار انہیں بھی آپ تمام کو مومن نہیں جانتے - دیکھئے جنگ تبوک میں عبد اللہ بن ابی کے ساتھیوں کے علاوہ ۹۰ کے قریب انصاریوں سے پیچھے رہے تھے جنکی طرف سورہ توبہ میں اشارات ہیں - اور اگر تمام انصار کو مغفرت کا خلق کا وعدہ ہے تو کعب بن مالک انصاری کو تبوک میں تساہل کیوجہ ۵۰ دن تک سخت سزا کیوں دی - اسیطرح مرارہ بن ربیع و ہلال بن امیہ انصاری بدری کو قصور پر سزائیں کیوں دیں - پھر دیکھئے رجال صحابی بجرہ کا حافظ مرتد ہو گیا تھا - علیحدہ ہے اور آپ سعد بن عبادہ انصاری - اسکے قبیلہ کو لیں - یہ ابو بکر صاحب کی بیعت سے منحرف رہے - یہی حال مالک بن نویرہ عامل صدقات رسول اور اسکے قبیلہ کا ہے جو سب صحابی تھے - اگر یہ باوجود انکار خلافت حضرت ابی بکر صاحب مومن حق رہے تو پھر آپکے شیعوں کو مومن ماننے میں کونسا عذر ہے +

علامات نفاق - قال یا ایہا النبی جاہد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم

اے نبی کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجیئے اور اُنسے درشت کلامی فرمائیے۔ اگر خلفاء
منافق ہوتے تو ضرور رسولؐ انپر جہاد کرتے اور کبھی انسے لطف و محبت کا کلام نہ کرتے۔ مگر حضرتؐ نے
اُن سے جہاد نہیں کیا۔ اور بلکہ ہمیشہ محبت کے کلام کرتے رہے۔ پس ماننا پڑیگا کہ یا رسولِ خداؐ نے
حکم الٰہی کی تعمیل نہ کی اور یہ منافق نہ تھے۔ (۲) لئن لم ینتہ المنافقون الخ ص۲ (۳)
مالہم فی الارض من ولی ولا نصیر۔ منافقوں کا روئے زمین پر کوئی دوست اور مددگار
نہ ہوگا۔ لیکن خلفا کے دوست ہر زمانہ میں دنیا میں رہے۔ اور ہمیشہ کثرت و قوت میں غالب رہے۔

اقول۔ پہلی آیت کے متعلق میں آپکو مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محل کی اس تقریر
کا اقتباس سناتا ہوں جو اُنہوں نے انجمن علماء اسلام بنگال کے جلسہ میں اتحاد باہمی پر کی۔
آپنے فرمایا۔ "حضرتؐ سے جب شکایت کی گئی کہ فلاں منافق ہے۔ آپکو برا کہتا ہے۔ اسکو قتل
کرا دیجئے۔ تو آپنے فرمایا کہ اگر میں اس کو قتل کرا دونگا تو لوگ کہینگے کہ محمد صلعم اپنے
ساتھیوں (اصحاب) کو مار ڈالتے ہیں۔ مسند احمد حنبل جلد ۳ ص۳۹۳" (اخبار وکیل
امرتسر مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹ء و مسلم جلد ۲)۔ اب میں اس بات کے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ
حضرتؐ نے ان منافقوں کو کیوں قتل نہ کروایا۔ اور کیوں انہیں اپنے اصحاب کے زمرہ میں شمار
کراتے رہے۔ جو آپ اس کا جواب دینگے وہی خلفاء کے بارے میں ہمارا بھی جواب سمجھ لیجیئگا۔
ایک وجہ منافقوں سے نہ جنگ کرنے کی یہ تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرتؐ نے فرمایا۔
امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ فمن
قالہا عصم منی مالہ ودمہ الا بحقہا وحسابہ علی اللہ۔ براہین قاطعہ ص۲۳ پر
اسکے معنے یہ لکھے ہیں کہ جسنے کلمہ پڑھا اور اظہار اسلام کیا۔ اسکا خون و مال محفوظ ہے۔ اُس سے
جنگ نہ کرونگا خواہ وہ مخلص ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ حساب خدا پر ہے۔ پس چونکہ منافقوں نے
اظہار اسلام کیا۔ اس لئے حضرتؐ نے انسے جنگ نہ کی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جہاد کیلئے ایک شرط
یہ بھی ہے قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم فی الدین (تم راہ خدا میں انسے
جنگ کرو جو دین میں تم سے جنگ کریں) چونکہ منافقین نے زمانہ رسولؐ میں آپسے کوئی جنگ شروع
نہ کی۔ اسلئے حضرتؐ نے بھی انسے جنگ نہ کی۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے تین زمانوں میں اپنی تلوار
نہ نکالی۔ جب ظاہری خلافت میں منافقوں نے جنگ کی ابتدا کی۔ تو حضرتؑ نے بھی انسے جنگ
کرکے یہ بتلا دیا کہ میں ہوں رسولؐ کا خلیفہ برحق اور اسلئے اسی حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ جو رسولؐ خدا
کو ملا تھا۔ یہ آیت سورۂ براءت شریف میں ہے۔ اور جنگ تبوک کے متعلق ہے۔ جو ۹ھ میں
ہوا۔ ماہ رمضان ۹ھ میں حضرتؐ واپس آئے۔ پس یا یہ آیات دوران سفر تبوک میں نازل
ہوئیں یا عین واپسی پر۔ حضرات اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ان منافقوں میں عبداللہ بن ابی اور

اُسکی جماعت بھی تھی - ان آیات کے بعد بھی حضرت نے اس پارٹی سے جہاد نہیں کیا - بلکہ اسکے بعد ماہ شوال میں جب عبداللہ بیمار ہوا تو حضرت بقول اہل سنت اسکی عیادت کو گئے - وہ مرگیا تو اپنا پیراہن اسے کفن کے لئے دیا (مدارج النبوۃ) اسکے جنازہ کے ساتھ گئے - اور نماز جنازہ پڑھی (بخاری) اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے - کہ حضرت اسکی قبر پر گئے اسے باہر نکلوایا - اسکا سر اپنی گود میں رکھا - اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا - فرمائیے - یہ محبت کی باتیں تھیں یا درشتی کی - حضرت نے اس سے کیوں جہاد نہ کیا - اس سے کیوں ایسی محبت کی باتیں کیں - اس کے بعد اس کی پارٹی سے حضرت نے کیوں جہاد نہ کیا - اگر کہو کہ یہ مومن ہوگئے تھے - تو غلط ہے - اس مقام پر خدا فرماتا ہے فاعقبہم نفاقا فی قلوبہم الی یوم یلقونہ الخ پھر اس کا اثر رکھا نفاق انکے دلوں میں جسدن تک خدا سے ملینگے - یہ آیت شہادت دیتی ہے کہ مرتے دم تک انہیں نفاق رہا - دوسرے سال ۱۱ھ میں حضرت کا انتقال ہوا - اور یہ موجود تھے - اس زمانے میں حضرت نے کوئی جہاد نہ کیا - فاعقبہم سے مجھے واقعۂ عقبہ یاد آگیا - اس جنگ سے واپسی پر جب حضرت عقبہ سے گزرنے لگے تو ۱۲ یا ۱۴ سواروں نے چاہا کہ آپکے اونٹ پر پتھر پھینکیں تاکہ حضرت کا اونٹ بھڑکے اور آپ گر کر شہید ہوں - کہ یکایک بجلی چمکی اور حضرت رسولؐ نے انکو پہچان لیا - اور حذیفہ کو انکے اور انکے باپوں کے نام بتلاکر فرمایا کہ یہ قیامت تک منافق رہینگے - ایک بڑا جرنیل عقبہ کا ہیرو تھا - اسنے کئی دفعہ حذیفہ سے پوچھا کہ اسکا نام تو منافقوں کی فہرست میں نہیں - لیکن حذیفہ نے بتلانے سے انکار کیا - (تاریخ الخمیس - درمنثور - روضۃ الاحباب - معارج النبوۃ - شواہد النبوۃ - تفسیر جلالین) آخر اسنے خود ہی کہدیا باللہ یا حذیفہ انا من المنافقین (میزان ذہبی) خدا کی قسم حذیفہ میں تو ضرور منافقوں میں سے ہوں - پس یہ جنگ ایسی تھی کہ اسی میں حضرت علیؑ کو رسول اللہؐ نے مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کرکے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ - اور اسی میں منافقوں کے نام بھی بتلادئے - اگر کسینے تفصیل دیکھنی ہو تو حیوۃ القلوب ملاحظہ کرے - (۲) صد ۲۷ یہ آیت پ ۲۲ احزاب میں ہے - اگر اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت نے نفاق کا خاتمہ کر دیا - اور منافقوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا - تو چاہیئے تھا کہ اس کے بعد منافقوں کا پتہ ہی نہ ملتا - اس سورہ کے بعد حسب بیان صاحب اتقان سورۂ ممتحنہ - نساء اسی طرح علی الترتیب بارہ سورتیں نازل ہوکر سورۂ منافقون کا نزول ہوا - اور سورۂ براءت جو بقول مفسرین آخری سورت ہے جنگ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی - جو ۹ھ میں ہوئی - اگر منافق آیت زیر بحث کے بعد معدوم ہوگئے تھے تو بعد کی سورتوں میں اور آخری سورت میں انکا ذکر کیسے آگیا - اب حضرت عمر صاحب کا قول سنیئے کہ وہ جلیلہ

کہ حضرت کی وفات کیوقت بھی منافق موجود تھے۔ چنانچہ جب آپ نے وفات رسول سے انکار کیا تو عدم وفات کی دلیل یہ دی۔ لن یموت رسول اللہ حتیٰ یفنی المنافقون (کنز العمال۔ مدارج النبوۃ) رسول اللہ ہرگز نہ مرینگے جب تک منافق فنا ہو جائیں۔ بخاری ص ۵۶ پر خطبہ سقیفہ کے ذیل میں ہے لقد خوف عمر الناس وان فیہم لنفاقا۔ حضرت عمر صاحب لوگوں سے ڈرے کیونکہ انمیں نفاق تھا۔ میں نہیں جانتا کہ آپ اپنے خلیفہ صاحب کی تکذیب کے لئے تیار ہونگے۔ یہ واقعات آپکے دعوے کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ اور اگر آپ ان آیات کے سباق وسیاق کو بغور ملاحظہ فرمالیتے تو انکو اپنی غلطی فوراً معلوم ہو جاتی۔ ذرا قرآن کھولکر دیکھئے۔ ارشاد ہے۔ الذین یوذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا یا ایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالک ادنی ان یعرفن فلا یوذین وکان اللہ غفورا رحیما لئن لم ینتہ المنافقون وہ لوگ جو مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اسکے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو تو اُٹھایا انہوں نے بڑے جھوٹ کا اور صریح گناہ۔ اے نبی اپنی عورتوں بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو کہدیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں نیچے لٹکا لیا کریں۔ اس میں لگتا ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی نہ ستاوے۔ اللہ غفور رحیم ہے۔ اگر منافق باز نہ آئے الخ

اب یہ دیکھئے کہ ان منافقوں کو کس چیز سے باز رہنے کا حکم تھا۔ پہلی آیتیں بتلاتی ہیں کہ یہ مومن عورتوں کو ایذا دیا کرتے تھے۔ ان کو حکم ہوا کہ اگر تم اس سے باز نہ آؤ گے تو تمہیں یہ سزا ملیگی نفاق سے باز رہنے کا اشارہ تک نہیں۔ اگر یہ ہوتا تو نفاق پہلے مذکور ہوتا۔ جیسا کہ اسیطرح کی اور آیتوں میں منتہے عنہ پہلے مذکور ہوا ہے۔ مثلاً قال اراغب انت عن الھتی یا ابراھیم لئن لم ینتہ اسمیں رغبت عن الہ منتہے عنہ ہے۔ قالوا لئن لم تنتہ یا نوح۔ اس میں انذار ان انا الا نذیر مبین۔ قالوا لئن لم تنتہ یا لوط۔ اسمیں وعظ اتاتون الذکران من العالمین۔ ان تنتہوا فھو خیر لکم اسمیں منتہے عنہ کید وان اللہ موھن کید الکافرین۔ ایک آیت ہے جسمیں منتہے عنہ عمن کے ساتھ مذکور ہے وان لم ینتھوا عما یقولون۔ لیکن آیۃ محولہ میں نفاق سے باز رہنے کا اشارہ تک نہیں۔ بلکہ مومنات کی ایذا دہی سے باز رہنے کا حکم ہے۔ یہ کسطرح ہوتی تھی۔ اس کی توضیح حضرت عمر نے فرمائی ہے بخاری باب خروج النساء الی البراز ص ۲۶ پر ہے کہ ایک رات سودہ زوجۂ نبی قضائے حاجت کو نکلیں تو حضرت عمر پکار رہے قد عرفناک یا سودہ۔ اے سودہ ہمنے تجھے پہچان لیا۔ فعل تو یہ ایذا کا ہے لیکن بات یہ بنائی گئی ہے کہ حضرت رسول اپنی عورتوں کو پردہ نہیں کرایا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے یہ بات اسلئے کی کہ حکم پردہ نازل ہو۔ لیکن یہ نہیں

سوچا کہ حکم پردہ تو آگیا پر کہنے والوں کیلئے بھی ڈانٹ آگئی۔ چونکہ یہ حضرات آئندہ اس فعل سے باز آگئے۔ اسلئے انہیں یہ سزائیں بھی نہیں ملیں۔ لیکن منافق مدینہ میں حضرت کی مجاورت میں رہے۔ رہا گنبد خضرا میں بلا اذن دفن ہونا۔ اول تو یہ قرآن کے خلاف ہے۔ لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم۔ نبی کے گھروں میں ہمیشہ کیلئے داخل ہوجانا قبضہ مخالفانہ ہے۔ جبکی شرع اجازت نہیں دیتی۔ اگر یہ وقعہ تھا تو سب مومنوں کا اس جگہ ضروری تھا۔ وہ بھی ثابت نہیں۔ بلکہ انکی ابتداء انتہا فلتہ تھی۔ اور پھر اگر کسی میں ایمان نہو اُسے وہاں دفن ہونے سے کیا فائدہ۔ حرم مدینہ سے حرم مکہ اگر افضل نہیں تو کم بھی نہیں۔ اسمیں خدانے کفار کو جگہ دی اور فرمایا او لم نمکن لھم حرما امنا سورہ قصص۔ آیا ہمنے انکو حرم ایمن میں جگہ نہیں دی۔ تو کیا یہ انکی فضیلت کا باعث ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ کہیں ایسے مقامات پر دفن بھی ہوں تو خدا نے اُنکے لئے ملائکہ نقالہ رکھے ہیں جو اُنکی لاشوں کو وہاں سے نکال دیتے ہیں۔ (جذب القلوب۔ المصنوع ملا علی ص۱۷ حاشیہ) اور اگر جگہ دفن سے ہی کسی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ تو پھر ثالث کے مدفن حش کوکب پر غور کر کے فیصلہ کریں۔ ترجمہ صواعق محرقہ ص۱۹۶۔ یہ جگہ بقیع سے باہر جائے ضرور تھی مجمع البحار گجراتی جلد ا ص۱۷ جہاں لوگ مردوں کو دفن کرنا برا جانتے تھے۔ (حجج الکرامہ ص۱۶۳) کیونکہ وہ خراب جگہ تھی۔ (۳) مخالف کے استدلال حدیث رسول کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مخالفان اہل بیت کے گلے سے نیچے قرآن نہیں اتریگا۔ میں انکے استدلال پر قرآن کی ایک اور آیت سناتا ہوں۔ اس سے ذی فہم مطلب سمجھ لینگے۔ ۱۷/۱۶ ویعبدون من دون اللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وما لیس لھم بہ علم وما للظالمین من نصیر اور عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا جسکی سند نہیں اتاری اسنے اور جسکی خبر نہیں انکو اور ظالموں کا کوئی نہیں مددگار۔ اس آیہ مبارکہ میں خدا کے سوا پوجنے والوں کو ظالم کہا اور یہ بھی فرمایا کہ انکا کوئی مددگار نہیں۔ مشاہدہ اور تاریخ بتلاتی ہے کہ کوئی زمانہ دنیا میں آجتک ایسا نہیں آیا کہ روئے زمین مشرکوں کے دوستوں سے خالی رہی ہو۔ بلکہ آجتک یہ اور ان کے دوست کثرت وقوت میں غالب رہے۔ آج بھی دنیا میں انکے اسقدر دوست ہیں جو انکے نام پر اپنی جان نثار کرنا عین سعادت سمجھتے ہیں۔ پس آپکے معنے لینے سے نہ صرف تکذیب خدا و رسول لازم آتی ہے بلکہ مشرکوں کا مومن کامل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ۵/۱۰ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا وعظ ہے۔ انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار وما للظالمین من انصار۔ جو شرک کرے اللہ سے سو حرام کی اللہ نے اسپر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ پھر خدا نے فرمایا لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے۔ معبود تو

کوئی نہیں سوائے ایک کے اگر باز نہ آئے اس سے جو کہتے ہیں تو یہ کافر دردناک عذاب پاوینگے۔ تثلیثی بھی آپکے ہاں مشرک مانے جاتے ہیں۔ لیکن کیا یہ کبھی عذاب الیم سے معذب ہوئے۔ کیا آپ اور ہم و دیگر اقوام بوجہ انکے حسن سلوک کے انکے مددگار اور دوست نہیں۔ کیا یہ کثرت و قوت میں غالب نہیں ہیں اور ضرور ہیں۔ پس اگر یہی معیار ایمان ہے۔ تو ان کے ایمان کا کلمہ پڑھکر ان کے ہم عقیدہ ہو جائیے۔ اب مولوی صاحب سمجھ گئے کہ انہوں نے کیسی غلط راہ پر قدم رکھا تھا۔ بات یہ ہے کہ یہ آیت مناظرہ میں تو آپنے قطعاً نہیں پڑھی اور نہ اس سے آپنے کچھ استدلال کیا۔ ایسے مضامین مرزائیوں کی تحریرات میں پائے جاتے ہیں۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون کو تکرار کر نیکے لئے انہوں نے اپنے نوٹوں میں اسے لکھ دیا ہوگا اور اسیکو آپنے بھی روئداد میں جڑ کر اپنی سبکی کرائی۔ اصل مطلب آیت کا تو صرف یہ ہے کہ جب انپر عذاب الیم آئیگا تو اسوقت زمین کا کوئی دوست و مددگار انکی مدد نہ کر سکیگا۔ دنیا میں تو آپنے دیکھ لیا۔ اور آگے دیکھنے والے زندہ رہ کر جنت و آخرت میں دیکھینگے۔ تفسیر بیضاوی۔ مدارک اور حسینی میں بھی یہی ہے۔ وما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر فینجیھم من العذاب۔

خط علیؑ بنام معاویہ متعلق بیعت نہج البلاغہ ص ۲۰۹ فان بیعتی یا معاویہ لزمتک وانت بالشام فانہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر وعمر وعثمان علیٰ ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموہ اماما کان ذالک للہ رضی فان خرج من امرھم خارج بطعن او بدعۃ ردوہ الیٰ ما خرج منہ فان ابیٰ قاتلوہ علیٰ اتباعہ غیر سبیل المومنین یعنی اے معاویہ میری بیعت تجھ پر لازم ہے۔ اگرچہ تو شام میں ہے کیونکہ میری بیعت کی ہے اسی قوم نے جسنے ابوبکر و عمر و عثمان (صاحبان) کی بیعت کی اسی پر جسپر انکی بیعت کی۔ پس نہ ہوا شاہد کیلئے کہ کسی کو اختیار کرے اور نہ غائب کے لئے کہ رد کرے۔ اور شوریٰ مہاجرین و انصار کے لئے تھا۔ اگر وہ اب مجتمع ہو جاتے ہیں کسی شخص پر اور اسکو امام مان لیتے ہیں تو یہ خدا کے لئے خوشنودی ہے۔ اگر نکلے کوئی ان کے امر سے نکلنے والا طعن اور بدعت سے لوٹاؤ اسے اسکی طرف جس سے وہ نکلا۔ اگر انکار کرے تو لڑو اس سے اسبات پر کہ اسنے پیروی کی غیر راہ مومنین کی معاویہ نے حضرت کو ایک خط میں لکھا تھا فلعمری لو بایعک القوم الذین بایعوک وانت بریٔ من دم عثمان کنت کابی بکر وعمر وعثمان (کامل مبرد) اے علیؑ اگر بیعت کرتی تجھ سے وہ قوم جسنے تیری بیعت کی اور تو خون عثمان سے بری ہو تو تو ہوتا مثل ابی بکر و عمر و عثمان کے۔ اسی لئے جناب امیرؑ نے لزمتک فرما کر اسے الزامی جواب دیا۔ اور قوم سابق کی تشریح کی۔ کہ مجھ سے اسی قوم نے بیعت کی جسنے ان تینوں سے کی۔ اور وہاں یہ ہوا کہ کسی شاہد کو اختیار اور غائب کو رد کا حکم نہیں ہوا۔ اگر اس قوم مبائع کو پہلوں سے بیعت کرنے میں بیعت کنندہ و بیعت کردہ شدہ دونوں کو حق پر سمجھتا ہے۔ تو میرے بارہ میں کیوں ایسا نہیں کرتا۔ تیرا یہ عذر کہ مجھے مشورہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ بالکل بارد ہے۔ کیونکہ شوریٰ تو زمانہ ثلثہ میں

مہاجر و انصار ہی کیلئے محدود تھا اور تو انہیں سے نہیں - پس چونکہ تو پہلے ناقص اجتماعوں کو حق جانتا ہے
تو اب تو ان تمام سے نہی بلکہ ایک شخص یعنے مجھ پر اجتماع کر لیا ہے اور انکو امام مان لیا ہے اور اسمیں رضاء
خدا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ خط حضرت علیؑ نے حجت الزامی کے طور پر لکھا ہے - اور اسمیں ایک لفظ
بھی ایسا نہیں جس سے خلافت ثلثہ کی حقیت کی طرف اشارہ تک ہو - مخالفین شورے کا لفظ دیکھکر خوش
ہوجایا کرتے ہیں - لیکن یہی جملہ ان کے خیالات کی تردید کرتا ہے - کیونکہ اول تو اس لفظ شورے کو حضرت
نے حجت الزامی کے طور پر پیش کیا - دوم الذین بایعوا ابابکر وغیرہ کے بعد ہی شورے کا ذکر
کر کے ظاہر کیا کہ انکے عہد میں اہل شورے یہی سمجھے جاتے تھے - سوم اس شورے و اجتماع میں بھی
انکا نقص بھی ظاہر کیا - اور فرمایا کہ مجھ پر تمام مہاجر و انصار نے بعد شورے اجماع کیا ہے - لیکن
خلافت ثلثہ میں نہ شورے ہوا اور نہ تمام کا اجتماع - اور یہ امر تمام اہل بیت کے نزدیک مسلم
ہے - بلکہ خود مخالفین کے ہاں بھی - پہلی خلافت میں شورے نہیں ہوا - اسی لئے حضرت عمر صاحب نے
فرمایا کان بیعۃ ابی بکر فلتۃ (براہین قاطعہ صـ۱ از بخاری و مسلم) دوسرے کیلئے شورے
کا نام تک نہیں ہوا - بلکہ ابوبکر صاحب نے اسے خود اپنا خلیفہ بنا دیا - تیسرے کے لئے بہت ہی ناقص
شورے بنایا گیا - چھ کی کمیٹی بنی - ان میں سے صرف ایک عبد الرحمن بن عوف ہی رہ گیا - جسنے
عثمان صاحب کو خلیفہ بنا دیا - اسلئے جناب امیرؑ نے عثمان بن عفان کو کہا ہے فان کنت بالشورے
ملکت امورھم - فکیف بھذا والمشیرون غیب - وان کنت بالقربی حججت خصیمھم
فغیرک اولی بالنبی واقرب (دیوان علی صـ۴۲) اگر تو شورے سے لوگوں کے امور کا مالک
ہوگیا تو یہ کیونکر ہے حالانکہ مشورہ دینے والے غائب ہیں - اور اگر قرابت کیوجہ سے غالب ہوا
دشمنوں پر سو غیر تمہارا بہتر ہے ساتھ نبی کے اور نزدیک تر ہے - اور حضرت جعفر صادق علیہ السلام
نے فرمایا قد عمد عمر الی ابی بکر فبایعہ ولم یشاور فیہ احدا ثم ردھا ابوبکر علیہ ولم
یشاور بہ احدا ثم جعلھا عمر شوری بین ستۃ واخرج منھا جمیع المہاجرین والانصار
وغیر اولئک الستۃ من قریش الخ فروع کافی جلد ا کتاب الجہاد باب ۔ یعنے عمر صاحب ابوبکر
صاحب کیطرف بڑھے اور انکی بیعت کی - اور اس میں کسی سے مشورہ نہ کیا - پھر ابوبکر نے اسکو
عمر پر لوٹا دیا - اور کسی سے بھی مشورہ نکیا - پھر عمر صاحب نے چھ کے درمیان شورے رکھدیا اور
تمام مہاجرین و انصار و قریش کو اس سے نکال دیا - اور ایک عجیب کارروائی یہ کی کہ صہیب
کو حکم دیا کہ تین دن لوگونکو نماز پڑھائے اور ان چھ کے ساتھ اور کوئی ہو جس سے مشورہ کریں
سوائے میرے بیٹے عبد اللہ کے اور جو لوگ انکے پاس تھے انہیں حکم دیا کہ اگر یہ تین دن کے اندر
کسیکو خلیفہ نہ بنالیں تو ان چھیوں کی گردن اڑا دو - اور اگر دو مخالف ہوں تو انکو مار دو
اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اہل بیت کے نزدیک ان تینوں پر شورے نہیں ہوا اور نہ شورے کے بعد

تمام مہاجرین و انصار نے اجتماع کیا۔ اسکی تائید شارح مقاصد کے اس قول سے ہوتی ہے۔ انّ ذالک الحصول لا یفتقر الی الاجماع من جمیع اھل الحل والعقد بل الواحد والاثنین من اھل الحلّ والعقد کافٍ کعقد عمر لأبی بکر وعقد عبد الرحمان لعثمان۔ ایک عمر نے ابوبکر پر اجماع کیا اور ایک عبد الرحمان نے عثمان پر۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ میرے مبائع وہی ہیں جو پہلے تینوں کے تھے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ان پر نہ شوریٰ ہوا نہ اجتماع تام۔ برخلاف اسکے مجھ پر کامل شوریٰ ہوا۔ لم تکن بیعتی ایاکم فلتة (نہج البلاغہ صـ۱۱۱) میری بیعت اچانک بے سوچے سمجھے نہیں ہوئی۔ اجتماع کا حال یہ ہوا کہ لوگ میری طرف بچوں کی طرح یکے بعد دیگرے چلے آتے تھے۔ اور چاروں طرف سے بیعت کیلئے مجھے گھیر لیا تھا یہانتک کہ حسنینؑ کو اسی کشمکش اور ازدحام میں دھکے لگے۔ میری رداکے دونوں گوشے شگافتہ ہوگئے اور بکریوں کے گلے کیطرح لوگ میرے گرد جمع ہورہے تھے۔ (خطبۂ شقشقیہ) صرف اسی خطبہ میں ہی حضرت علیؑ نے تینوں پر تعریض نہیں کی۔ بلکہ اور مقامات پر بھی انکی نسبت اپنے خیالات ظاہر فرمائے۔ ایک موقعہ تو وہی ہے جسکا ذکر آپنے روضۃ صـ۱۱ پر احتجاج سے نقل کیا ہے۔ حضرت نے کہا۔ مجھ سے پہلے حکام نے بڑے بڑے کام کیئے ہیں اور انہیں رسول اللہ صلعم کی عمداً مخالفت کی ہے۔ ۲۔ خطبۂ شقشقیہ میں فرمایا جب ابن ابی قحافہ نے اس پیراہن خلافت کو ناحق اپنی زینت بنا لیا تو میں نے اس معاملہ میں غور کرنا شروع کیا کہ آیا اپنے بریدہ اور شکستہ ہاتھ سے اسپر حملہ کردوں یا اس ظلمت و تاریکی و ضلالت پر صبر کروں۔ میں نے صبر اختیار کیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث کسطرح تاراج و غارت ہو رہی ہے۔ یہانتک کہ اول اپنے راستہ پر چلا گیا مگر اپنے بعد اپنی خلافت کے ڈول کو ابن خطاب کے کنوئیں کی طرف پھینک گیا۔ مجھے تو سخت تعجب ہے کہ وہ جانیوالا اپنی حیات میں بیعت خلافت کے توڑ دینے کا حکم دیتا تھا۔ وہ اقالہ طلب کرتا تھا مگر باوجود اس قول کے اپنے مرنے کے بعد دوسرے کے ساتھ اس خلافت کو منعقد کر گیا۔ اور واقعی امر یہ ہے کہ پستان ناقۂ خلافت کو دونوں نے آپس میں خوب بانٹ لیا۔ افسوس خلافت کو ایک درشت مزاج اور تندخو کے حوالہ کر گیا جسکی زبان کے زخم نہایت سخت اور کاری تھے۔ اور جسکا چھونا بھی ناگوار تھا۔ جسکی گفتار و کردار دونوں ناہموار و غیر موافق تھیں۔ اسکی طبیعت میں سخت لغزشیں تھیں وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا تھا۔ ایسی طبیعت والے شخص کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو کبھی نہ بوجھ اٹھانیوالے اونٹ پر سوار ہو۔ اگر یہ سوار اسکی مہار کھینچتا ہے تو اسکی ناک پارہ پارہ ہوجاتی ہے اور اگر چھوڑتا ہے تو خود گرنے کا خوف ہے۔ میں نے ان صدمات پر بھی صبر کیا۔ یہانتک کہ یہ بھی اپنے راہ پر گذر گیا۔ اور امر خلافت کو ایک جماعت کے سپرد کر گیا اور گمان کیا کہ میں بھی انہیں سے ایک ہوں۔ یا اللہ اس شوریٰ کی بابت میں فریاد کرتا ہوں۔ جب خود ابوبکر کی ہی مصاحبت اور

سعیف مجھے پسند نہ تھی جو انکا پیشوا تھا پھر ان کے شریک مشورہ ہونا مجھے کیونکر پسند ہو۔ اس
کمیٹی سے ایک شخص (سعد وقاص) اپنے حسد وکینہ کیوجہ سے میرا دشمن ہوگیا اور دوسرا (ابن عوف)
اپنے برادر نسبتی (عثمان) کیطرف مائل ہوگیا اور دو اور شخص بھی اسکے ہمزبان ہوگئے جو اپنی
قباحت ورزالت کے لحاظ سے اس قابل بھی نہیں کہ انکا نام لیا جاوے۔ یہانتک کہ اسی قوم میں
سے ایک تیسرے شخص کو اس خلافت پر قائم کردیا۔ اور اسکی یہ حالت تھی کہ اسنے اپنے معدے اور
امعا کو حلق تک مال دنیا سے بھر لیا۔ تن پروری اختیار کی۔ لوگوں کے مال کھانے شروع کئے۔ اور
پھر اسکے ساتھ ہی اسکے باپ کے بیٹے بھی کھڑے ہوگئے اور خدا کے مال کو اس طرح کھانے لگے
جیسے اونٹ فصل بہار کی گھاس کو چر جاتا ہے۔ یہانتک کہ اسکے قبیلے اسپر ٹوٹ پڑے۔ اور
اسکے اعمال نے اسکے قتل کرنے میں بڑی سرعت سے کام لیا۔ اسکی شکم پری نے اسے اوندھا منہ کے بل گرادیا
نہج البلاغہ صـ۱۳۔ ۳۔ صـ۱۲ نہج۔ آل نبیؐ کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اغیار کے لئے فرماتے ہیں۔ قوماً
آخرین زرعوا الفجور وسقوہ الغرور وحصدوا المثبور لا یقاس بآل محمد من ھذہ
الامۃ احد ولھم خصائص حق الولایۃ وفیھم الوصیۃ والوراثۃ الآن اذ رجع الحق الی اھلہ
ونقل الی منتقلہ۔ دوسری قوم ہے جسنے بدکاریوں کو بویا۔ غرور کا پیالہ پیا اور ہلاکت اخروی کا
پھل لیا۔ آل محمد کے ساتھ اس امت کے کسی فرد کو قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ ان کیلئے حق ولایت ہے
جو دوسرے کے لئے نہیں۔ انمیں وصیت و وراثت ہے۔ اب (ظاہری خلافت میں) حق اپنے اہل اور اپنی
جگہ کیطرف واپس آیا ہے۔ ۴۔ جب ثالث نے حضرت ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہ کو جلاوطن کیا تو
آپنے اس سچے صحابی کو فرمایا۔ یا اباذر انک غضبت للہ فارج من غضبت لہ ان القوم
خافوک علی دنیاھم وخفتھم علی دینک۔ نہج صـ۱۱۔ اے ابا ذر تو قوم پر خدا کے لئے
غضبناک ہوا۔ پس اسی خدا سے تو امید لگا رکھ۔ یہ قوم تجھ سے اپنی دنیا پر ڈری اور تو ان سے
اپنے دین پر ڈرا۔ ۵۔ آپ خود کو پہلے تین زمانوں میں مظلوم اور مدفوع عن الحق جانتے رہے۔
فواللہ ما زلت مدفوعا عن حقی مستأثرا علی منذ قبض اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ
حتی یومنا ھذا۔ صـ۱۱۶۔ خدا کی قسم رسول کی قبض روح کے بعد ہی سے مجھے میرے حق سے
دور رکھا گیا۔ مجھ پر زیادتی کیگئی۔ یہانتک کہ اب میرا حق مجھے ملا ہے ۶۔ آپ ہمیشہ تینوں کے مقابلہ
میں اپنے آپ ہی کو حقدار خلافت بتلاتے رہے۔ اور یہ ظاہر کیا کہ امام صرف بنی ہاشم سے ہی ہوسکتے
ہیں۔ سقیفہ کے بعد فرمایا فما ذا قالت قریش قالوا احتجت بانھا شجرۃ الرسول فقال
احتجوا بالشجرۃ واضاعوا الثمرۃ صـ۶۲۔ پوچھا قریش نے سقیفہ میں کیا کہا۔ لوگوں نے بیان کیا
کہ انہوں نے کہا ہم شجرہ رسول ہیں۔ آپنے فرمایا انہوں نے شجرہ سے احتجاج کیا اور پھل کو ضائع کیا
بیعت عثمان پر کہا لقد علمتم انی احق بھا من غیری الخ۔ تم جانتے ہو میں اسی غیر کی نسبت خلافت

کا زیادہ حقدار ہوں۔ سفیان ثوری نے کہا ہے کہ جو علیؑ کو ناحق جانے وہ تخطیہ اول و دوم وغیرہ
کا کرتا ہے۔ (براہین قاطعہ صفحہ ۲۲) پس معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ نے ان سب کا تخطیہ کیا۔ حضرت
علیؑ نے فرمایا۔ این الذین زعموا انہم الراسخون فی العلم دوننا کذبا وبغیا علینا ان
رفعنا اللہ ووضعہم واعطانا وحرمہم وادخلنا واخرجہم بنا یستعطی الہدی و
یستجلی العمی ان الائمۃ من قریش غرسوا فی ہذا البطن من ہاشم لا تصلح علی سواہم
ولا تصلح الولاۃ من غیرہم صفحہ ۱۱ کہاں ہیں جو ہمارے (اہل بیت) سوائے از روئے دروغ
یہ کہتے ہیں کہ وہ علم میں پکے ہیں۔ ہمارا مرتبہ خدا نے بلند کیا اور انکو پست۔ ہمیں خدا نے عطا
کی اور انہیں محروم کیا۔ ہمیں داخل کیا اور انہیں نکالا۔ ہمارے ذریعہ سے ہدایت ملتی ہے اور
نابینائی روشنی پاتی ہے۔ ائمہ قریش کے بطن ہاشم سے ہیں۔ حکومت انکے سوا کسی کو بھی نہیں زیبا
وعندنا اہل البیت ابواب الحکم وضیاء الامر صفحہ ۱۱ ہم اہل بیت کے پاس ہی حکمتوں کے
دروازے اور اسلام کی روشنی ہے۔ ان تمام اقوال جناب امیر علیہ السلام سے ہر کس و ناکس کو
معلوم ہو گیا ہوگا کہ آپ ثلثہ اور انکی خلافت کو کیسا جانتے تھے۔ یہ گمان ذکر نا چاہیئے کہ جناب امیرؑ
صرف شوریٰ کو مدار صحت خلافت جانتے تھے۔ محض شوریٰ مدار صحت نہیں۔ خلافت کیلئے نص
کی ضرورت ہے۔ اسی لئے حضرتؑ نے فرمایا فینا الوصیۃ ہمارے بارے میں حضرتؐ نے وصیت کی
ہے۔ لیکن چونکہ آپکی ظاہری خلافت کی بیعت بعد مشورہ و اجماع کامل ہوئی اور یہ مکتوب الیہ
انکی حجیت کا قائل تھا۔ اس لئے آپنے الزاماً للخصم اسکا ذکر کر دیا۔ اور اسکی مثال قرآن سے بھی
ملتی ہے۔ اسلام میں توریت ناقابل اعتبار ہے۔ لیکن قرآن میں اس سے بھی استشہاد کیا ہے۔
چنانچہ ۴پ میں فرمایا کہ سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر جو حرام کر لی تھی اسرائیل نے
اپنی جان پر۔ اسکے لئے بطور دلیل توریت کو پیش کیا اور فرمایا قل فاتوا بالتوریۃ فاتلوہا
ان کنتم صادقین۔ کہدیجئے لاؤ توریت اور پڑھو اگر تم سچے ہو۔ ایکدفعہ رجم کے موقع پر بھی
توریت کو اپنی حقیقت سے شاہد کے طور پر پیش کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ متکلم مخاطب کے سامنے ایسی
چیز بھی استشہاداً و الزاماً پیش کر سکتا ہے جسے وہ نہیں مانتا۔ لیکن اسکو پیش کر دینے سے اسکی حقیقت مطلقہ
ثابت نہیں ہو جاتی۔ اجماع باطل مطلق نہیں۔ حق پر بھی ہو سکتا ہے باطل پر بھی۔ جناب امیرؑ نے
فرمایا فان اجتمعوا علی رجل اگر مہاجرین و انصار اب ایک مرد پر اجتماع کر لیتے ہیں۔ فان اجتمعوا
جملہ شرطیہ و غیر جزائیہ بصیغہ مضارع ہیں اسلئے یہ اجتماع حضرت علیؑ کے زمانہ کا ہے۔ اور رجل سے
آپنے اپنی ذات ہی کو مراد لیا ہے۔ چونکہ جناب امیر پر جو اجماع ہوا وہ بوجہ انکے منصوص ہونیکے
حق پر تھا اور چونکہ آپ من اللہ و الرسول امام برحق تھے۔ اسلئے لوگوں کا انکو امام برحق مان
لینا درست تھا اور چونکہ اس اجماع میں مومنین بھی شامل تھے جو شروع ہی سے آپکو خلیفہ بلا فصل

مانتے تھے ۔معصومین مثل حسنین علیہم السلام بھی تھے ۔ اسلئے یہ اجماع بوجہ شمولیت معصومین حق تھا اور اسی لئے اسکو سبیل المومنین فرمایا ۔ اُدھر مخالف حجیت اجماع کا قائل تھا اسلئے آپنے اس اجماع کو جو آپ پر ہوا ۔ اپنے مخالف کے لئے حجت الزامی بنایا ۔ اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس خط میں ثلاثہ کی کوئی مدح نہیں ۔ بلکہ اُنپر تعریض ہے ۔ جناب امیرؑ کا کلام ذو رُخا نہیں ۔ البتہ چشم احول کو دو نظر آیا کرتے ہیں ۔ خطبۂ فارس جب عمر صاحب نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ آیا وہ ایرانیوں سے لڑنے کیلئے خود جائیں ۔ تو آپنے فرمایا کہ دین اسلام کی نصرت و ذلت کثرت و قلت سے نہ تھی (زمانۂ رسولؐ میں) یہ اللہ کا دین ہے جسے اسنے ظاہر کیا ۔ اور یہ اس کا لشکر ہے جسے اسنے عزت دی اور اسکی مدد کی ۔ یہانتک کہ پہنچا جہانتک پہنچا اور نمودار ہوا جہاں سے کہ نمودار ہوا ۔ اور ہم (اہل بیت) خدا کیجانب سے موعود (وعدہ دئے گئے ہیں) اور خدا اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور اپنے گروہ کی مدد کرنیوالا ہے ۔ اور جگہ رئیس حکومت کی ویسی ہے جیسی جگہ دھاگے کی دانوں سے ۔ اگر دھاگا متفرق ہو جائے تو دانے بھی متفرق ہوتے ہیں ۔ اور بہت چیزیں جو متفرق ہوئیں پھر وہ جمع نہیں ہوئیں ۔ عرب آج اگرچہ کم ہیں لیکن اسلام سے بہت ہیں ۔ اتفاق سے طاقتمند ہیں ۔ پس تو کیلی ہو اور چکی کو قوم عرب سے گھما ۔ اور خود کو چھوڑ کر انکو لڑائی کی آگ میں ڈال ۔ اگر تو اس زمین سے اُٹھیگا تو عرب تجھ پر اطراف و جوانب سے ٹوٹ پڑینگے ۔ یہانتک کہ ہوگا جو کچھ کہ پیچھے چھوڑا ہے عورات سے زیادہ ضروری اس سے جو کہ تیرے سامنے ہے ۔ اور گویا ہوا ہے ۔ ایسا کہ عجمی اگر دیکھینگے تیری طرف کل تو کہینگے یہ جڑ ہے عرب کی اگر اسکو قطع کر دیا تو راحت پائی پس تیری یہ حرکت تجھ پر انکی زیادہ دلیری کا باعث ہوگی اور جو تونے ذکر کیا ہے انکے روانہ ہونے کا مسلمانوں کی جنگ کیطرف ۔ پس خدا تو انکی روانگی کو تجھ سے زیادہ ناپسند کرتا ہے ۔ اور وہ زیادہ قادر ہے اسکے بدلنے پر جسے وہ ناپسند کرے ۔ اور جو کچھ تونے انکی گنتی کا ذکر کیا ہے ۔ پس ہم (زمانۂ رسولؐ میں) جنگ نہیں کرتے تھے کثرت کے زور پر ۔ بلکہ جنگ کرتے تھے نصرت و مدد کے زور پر ۔ اب معترضین کی تقریر اور اسکا جواب ملاحظہ کریں ۱۔ **قال** ۔ سب سے پہلے حضرت علیؑ نے آیۂ استخلاف کو خلافت فاروقیہ پر منطبق کیا ہے ۔ کیونکہ خطبۂ فارس کی شرح میں علامۂ میثم اپنی شرح میں فرماتے ہیں ۔ وھذا الحکم من قولہ تعالیٰ وعد اللہ الذین امنوا منکم ۔ خطبۂ فارس میں حضرت مرتضٰےؑ نے بہت سے فضائل فاروق کے بیان فرمائے ہیں مثلاً یہ کہ ان کے دین کو اللہ کا دین فرمایا ۔ انکے لشکر کو خدا کا لشکر کہا اور مثلاً انکے زمانہ میں اہل عرب کو بوجہ اسلام کے کثیر کہا اور باہمی اتفاق و اجتماع کی بہت تعریف کی ۔ اسی اتفاق کو انکے غلبہ کا سبب فرمایا ۔ اور یہ سب باتیں مذہب شیعہ کے ابطال کیلئے کافی ہیں ۔ **اقول** آپکے کلام کی بنا اور ابتدا ہی غلط ہے ۔ جناب امیرؑ معاویہ کے پیشرو دو کو

احزاب نفاق و نبذۃ الکتاب (کتاب اللہ کو چھوڑنے والے) فرماتے ہیں اور آپ کہتے
ہیں کہ آیۂ قرآن کو خلافت فاروقیہ پر منطبق کیا۔ طرفہ یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے
منطبق کیا اور ثبوت دیتے ہیں ایک شارح کے منطبق کرلے کو۔ اور مزید لطف یہ ہے کہ شارح
میثم نے بھی اس خطبہ میں وعدہ کے ذیل میں یہ الفاظ ہی نہیں لکھے۔ اگر آپ اس خطبہ
کی شرح میثم میں یہ الفاظ دکھا دیں تو ضرور میں آپکو انعام دونگا۔ اچھا اگر کلام
میثم کو کلام جناب امیرؑ ہی مان لیں تو بھی آپکے خلاف ہیں۔ کیونکہ آپکا عقیدہ ہے
کہ جناب امیرؑ کی خلافت آیۂ استخلاف کے مطابق نہیں۔ اور دعوٰے آپکا یہ ہے کہ
جناب مرتضٰےؑ نے آیۂ استخلاف کو خلافت فاروقی پر منطبق کیا۔ لیکن ثبوت اس کے
خلاف کہہ رہا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ نحن علیٰ موعود من اللہ جسکا ترجمہ آپنے
کیا "ہم لوگ خدا کے وعدہ پر ہیں" اگر استخلاف فاروقی پر منطبق کرتے تو انت علیٰ موعود
فرماتے (تو خدا کے وعدہ پر ہے) یہ صاف بتلاتا ہے کہ جناب امیر آپکے فاروق کو وعدۂ
الٰہی پر نہیں فرماتے۔ اب پھر خطبہ کے ابتدائی الفاظ دیکھیں ھو دین اللہ الذی اظھرہ
کہ اسلام دین خدا ہے جسے اسنے ظاہر کیا۔ یہانتک کہ پہنچا جہانتک کہ پہنچا اور طلوع ہوا جہاں
سے طلوع ہوا۔ پھر فرمایا ہمیں یہانتک ہی بس نہیں ہمیں خدانے وعدہ دیا ہے وہ وعدہ اس دین
کے بارہ میں کیا ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین
کلہ۔ (خدا وہ ہے جسنے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اس دین کو
تمام دینوں پر غالب کردے۔) اسی وعدہ کا جناب نے ذکر کیا۔ اور یہ سب کو معلوم ہے
کہ دین اسلام کا غلبۂ تامہ اہل بیت کے ذریعہ امام مہدی کے زمانہ میں ہونے والا ہے۔ اور اسی
لئے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہم خدا سے وعدہ دئے گئے ہیں۔ اور اگر آیہ استخلاف کو بھی لیں
تو بھی یہی مطلب ہوگا کہ زمانۂ مہدی علیہ السلام میں یہ وعدہ بدرجۂ قصوٰی ظاہر ہوگا۔ اور
مہدی کے لشکر کو ہی آپنے جندہ (خدا کا لشکر) فرمایا ہے۔ پس آپکی پہلی بات تو صاف اڑگئی
اب فضائل فاروقیہ کو لیں۔ آپ کوئی لفظ ایسا دکھائیں جسمیں حضرت علیؑ نے عمر کے دین و لشکر کو
خدا کا دین و لشکر فرمایا ہو۔ دین کا لفظ آپکے منقولہ کلام میں صرف ایکدفعہ آیا ہے۔ اور چونکہ آپنے ترجمہ
غلط کیا ہے اسلئے آپ دین عمر کو دین خدا سمجھ بیٹھے۔ آپنے لم یکن کا ترجمہ "نہیں ہے" کیا ہے حالانکہ
یہ غلط ہے۔ مضارع پر لم آنیسے معنی ماضی ہوتے ہیں۔ پس ترجمہ صحیح یہ ہے کہ اس دین کی فتح و شکست
کثرت یا قلت سے نہیں ہوئی۔ یہ خدا کا دین ہے جسکو اسنے ظاہر کیا۔ اور یہ اسی کا لشکر ہے جسکو
اسنے فراہم کیا۔ اب فرمائیے کہ کونسے لفظ کا ترجمہ عمر کا دین ہے۔ کیا عمر کے مسلمان ہونے سے
پہلے جسدین کو خدانے رسولؐ کے ذریعہ ظاہر کیا وہ عمر کا دین تھا۔ اگر یہی اعتقاد رکھتے ہو تو پھر

محمد رسول اللہ لیجئہ عمر رسول پڑھا کرو۔ تیسری غلطی آپنے یہ کی ہے کہ عمر کے لشکر کو خدا کا
لشکر کہا ہے۔ حالانکہ خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ جناب امیرؑ نے دین اسلام کو خدا کا
لشکر کہا ہے۔ چوتھی بات آپنے البتہ کچھ ٹھیک سی کہی ہے۔ لیکن یہ دونوں باتیں کچھ
اتنا وزن نہیں رکھتیں کہ خدا و اہل حق کے نزدیک حقیقت کا معیار ہو سکیں۔ حضرت علیؑ
نے ان الفاظ میں اجتماع کی تعریف نہیں کی۔ بلکہ عربوں کی حالت بتلاتی ہے کہ انہیں اتفاق
و اجتماع ہے۔ اور اس سبب سے وہ غالب ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اجتماع سے ایک ضال و مضل کو بھی
کبھی غلبہ نصیب ہو جایا کرتا ہے۔ کیا یزید کے وقت میں عربوں میں اجتماع نہیں ہوا
اور کیا اسوقت انہیں ظاہری غلبہ نہیں ہوا۔ لیکن با ایں ہمہ یہ حقیقت کا معیار نہیں۔
کثیرون بالاسلام کے کیا معنے؟ اسمیں یہ فرمایا کہ اسلام سے پہلے عرب خانہ جنگی
اور باہمی جنگ و جدال میں لگے رہا کرتے تھے۔ اور اسطرح وہ باوجود کثرت کے تھوڑے تھے۔
لیکن اسلام میں آنے سے چونکہ انکی خانہ جنگیاں جاتی رہیں اسلئے وہ باوجود قلت کے بہت ہیں
لیکن اسمیں اعراب کی بھی کچھ چنداں تعریف نہیں۔ اسی مقام پر آپنے فرمایا۔ ان شخصت
من هذه الارض تنقضت عليك العرب من اطرافها واقطارها۔ اگر تو اس
زمین سے نکلا تو عرب تجھ پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑینگے۔ بتلایئے کیا تعریف ہوئی۔ پس معلوم
ہوا کہ یہ تمام باتیں اڈیٹر النجم کے اقوال کے ابطال کیلئے بہت کافی ہیں۔

۲۔ غزوۂ روم ص ۸۷ **قال**۔ اسی کلام میں جناب امیرؑ نے جو خدا کی ذمہ داری کا ذکر کیا ہے
وہ اسی آیۂ استخلاف سے مستنبط ہے۔ اور بھی فضائل فاروقی کے اسمیں ارشاد فرمائے۔
بڑی بات یہ ہے کہ انکی ذات کی بقا مسلمانوں کیلئے ایسی ضروری بیان کی کہ آپکے بعد
مسلمانوں کا کوئی ملجا نہیں رہیگا۔ یہ کلام انتہائی دلی جذبات سے بھرا ہوا ہے۔

اقول۔ حوزہ کے معنے صراح منتہا پر ناحیہ اور ملک لکھے ہیں۔ اعزاز حوزۂ
اسلام کا وعدہ آیۂ استخلاف میں نہیں بلکہ لیظہرہ علی الدین کلہ میں ہے جیسا کہ
میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اور یہ اعزاز و اظہار اسلام بوجہ اتم زمانۂ حضرت مہدیؑ
میں ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ علامہ میثم نے اسی کی شرح میں فرمایا ہے فتضمن سترة ذلك
باضافة النصر عليهم وهذا الحكم من قوله تعالى وعد الله الذين آمنوا منكم
ليستخلفنهم الخ علامہ نے اسجگہ قومی خلافت مراد لی ہے۔ جو بوجہ تکمیل زمانۂ مہدیؑ کیلئے
موعود ہے۔ والذی نصرهم۔ وہ خدا جسنے ان کی مدد کی جب وہ تھوڑے تھے۔ اسمیں رسول اللہ
کے زمانہ کیطرف اشارہ ہے۔ جسمیں خدا نے اہل دین مومنین کی نصرت کی۔ لیکن منافقوں کی مذمت
کی الا تنصروه فقد نصره الله (کیا ہوا اگر تمنے اسکی مدد نہ کی۔ خدا نے اسکی مدد کی) آپ

جانتے تھے کہ اسمیں آپکے خلیفہ جی کی کوئی بھی فضیلت نہیں اس لیئے اپنے ہم مشربوں کو خوش کرنے کیلئے لکھدیا کہ اور بھی فضائل ہیں ۔ اگر ہوتے تو بیان نہ کر دیتے ۔ صرف ایک بات ہی انکو نظر پڑی اسلیئے آپنے لکھدی ۔ لیکن اسمیں بھی کوئی خاص مدح آپکے ممدوح کی نہیں ۔ ترجمہ آپنے صاف نہیں کیا بلکہ اپنے مطلب کے مطابق گھڑ لیا ہے ۔ صحیح ترجمہ یہ ہے ۔ کہ بتحقیق تو جب اس دشمن کیطرف جائیگا پس انسے مقابلہ و ملاقات کریگا پس تو لوٹ آئیگا ۔ تو مسلمانوں کیلئے کوئی بھاگنے کی جگہ نہ ہوگی سوائے اپنے دور دراز شہروں کے اور (وہاں) بعد تیرے انکا کوئی ٹھکانا نہ ہوگا جسکی طرف وہ رجوع کرینگے ۔ آپنے نکبہ کا ترجمہ شہید ہو گیا ہے حالانکہ صراح صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے "برگشتن از راہ" راہ سے لوٹنا ۔ حضرت اسے فرما رہے ہیں کہ تیرا ان کے مقابل ہونے کی دیر ہے کہ تو بھاگ جائیگا ۔ اور چونکہ فوج سردار کے ساتھ ہوا کرتی ہے ۔ جب تو بھاگیگا تو پھر فوج تیری بھی بھاگیگی ۔ نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ راہ میں انہیں کہیں ٹھکانا نہیں ملیگا ۔ مگر یہ کہ اپنے دور ملکوں میں پہنچ جائیں ۔ اور جب تو بحیثیت سردار کے بھاگیگا ۔ تو پھر فوج کا مرجع اور کہاں ۔ ایسی بھاگی ہوئی فوج کسی اور سردار کی آواز پر کہاں کان دھرتی ہے ۔ کہئے مدح ہے یا مذمت ۔ حضرت علیؑ بتلا رہے ہیں کہ تیرا کام تو بھاگنا ہے ۔ اسلیئے آپنے محض اسلام کو بدنامی سے بچانے کیلئے ایسے جنگ میں جانے سے روکا ۔ دشمن تو ایسے مسلمان ہی سمجھتے تھے ۔ وہ اس کے بھاگنے پر اسلام کو بدنام کرتے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ حضرت علیؑ کو نفس اسلام سے انتہا درجہ کی دلی محبت تھی ۔ ورنہ شیخین سے تو آپکو نفرت تھی ۔ چنانچہ آپنے خطبہ شقشقیہ میں فرمایا کہ مجھے اول کی ہی مصاحبت اور بیعت مجھے پسند نہ تھی جو انکا پیشوا تھا پھر انکے شریک مشورہ ہونا مجھے کیونکر پسند ہو ۔ جاہلوں کے مشورہ میں شریک ہونا مجھے کب گوارا ہو سکتا ہے ۔ لیکن جب یہ لوگ زمین کیطرف اترے مجبوراً میں بھی انکے ساتھ اترا اور جب یہ اونچی اڑان پر گئے مجھے بھی ہمراہ رہنا پڑا ۔ مجھے تو انکا رام کرنا اور انہیں ہدایت کا راستہ دکھانا مطلوب ہے " ۔ علاوہ بریں اچھا مشورہ کافر بھی دے سکتے ہیں ۔ فتح الباری صفحہ ۲۳ پر ہے ۔

التقیید بالمسلم للاغلب والا فالنصح للکافر معتبر بان یدعی الی الاسلام ویشار علیہ بالصواب اذا استشار یعنی مسلم کی قید نصیحت کیلئے بنابر اغلب ہے ۔ ورنہ نصیحت تو کافر کیلئے بھی کرنا چاہئیے اسمیں کہ انہیں اسلام کیطرف بلایا جائے ۔ اور جب وہ مشورہ کریں تو انہیں نیک صلاح دیں ۔ اور یہ حدیث تو مشہور ہے المستشار موتمن کہ مشورہ دینے والا امین ہے ۔ پس جبکہ کافر کو مشورہ دینے سے اس کا ایمان ثابت نہیں ہوتا تو ثانی کو مشورہ دینا اسکے ایمان کا شاہد کیسے ہو گیا ۔ اب دیکھیئے کہ اس خطبہ نے تمام آپکی آرزوں پر پانی پھیر دیا ۔ کاش آپ ایسے استدلال مناظرہ میں پیش کرتے تو پھر قدرت خدا کا تماشا دیکھتے ۔ لیکن چونکہ آپ ان دلائل کے ضعف سے آگاہ تھے اسلیئے انکو انہیں پیش کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی

لله بلاد فلان - **قال** جناب امیرؑ کا ایک کلام اور بھی ثلاثہ کی تعریف میں ہے جسمیں نہایت ہی اعلےٰ درجہ کے فضائل بیان فرمائے ہیں - لله بلاد فلان الخ -

اقول - وہ ملاحظہ کریں - روئداد مطبوعہ میں بلاد (شہر) کا ترجمہ خلافت - کجی کا دلکی کجی کیا ہے - اسلئے میں ہر جملہ کا مطلب واضح طور پر بیان کر دیتا ہوں - قارئین کرام خود سمجھ لینگے کہ اس سے مدح ثابت ہوتی ہے یا کیا - لله بلاد فلان - واسطے اللہ کے ہیں شہر فلانے کے - اصل خطبہ میں فلان کی جگہ عمر وغیرہ کا نام نہیں - تعیین فلان میں شارحین کا اختلاف ہے قطب راوندی کے خیال میں یہ تعریف پر محمول ہے - اور انہوں نے اس سے بعض صحابہ مراد لئے ہیں - جنہوں نے فی سبیل اللہ جہاد کیا اور جو صفات ایمان سے متصف تھے - ابن ابی الحدید سنی کے نزدیک اس سے حضرت ثانی مراد ہیں - ہم بھی سنیوں کی حسب خواہش اسیکو فرض کئے لیتے ہیں لیکن بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں تعریف نہیں بلکہ ہجو ملیح ہے - لله کذا کبھی مقام ذم میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی مدح میں - یہاں چونکہ ایسے شخص کی نسبت استعمال ہوا ہے جسے حضرت علیؑ حسب اعتراف خود کاذب غادر اور خائن جانتے تھے اسلئے اسکے لئے مدح نہیں - پس مطلب یہ ہے کہ اسکے شہر سب خدا کے شہر ہیں - لیکن وہ بخلاف حکم خدا ان پر متسلط ہوا - خدا کا ملک خدا کے برحق خلیفہ کے لئے ہوتا ہے - اور وہ حضرت علیؑ تھے - قوم الاود قوم کے معنے قیمت کی یا سیدھا کیا - اگر دوسرے معنوں پر زور دیا جائے - تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کونسی کجی مشہور تھی - جسے انہوں نے سیدھا کیا - ایک کجی کا ذکر قرآن میں ہے فقد صغت قلوبکما تم دونوں عورتوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے (بخاری صـ۷۳) کیا انکی کجی کو سیدھا کیا ہرگز نہیں یہ کجی ویسی ہی رہی - اسلئے اس گمان کو بوجہ بہت کجی کے جناب امیرؑ نے جنگ جمل میں توڑ ہی دیا - ایک کجی کا ذکر انکے مربی اور مربی نے کیا ہے ان لی شیطانا یعتری فاذا زغت فقوّمونی - مجھ پر ایک شیطان ہے جو مجھے بہکاتا ہے جب میں کجی کروں تو مجھے سیدھا کر دیا کرو - کیا اس کجی کو دور کر دیا - اور یا صحابہ کی کجی مراد ہو جنکو اس جناب نے لاتیں اور درے مارے - اصل اسلام میں تو کوئی کجی ہی نہیں دینا قیما - صراط مستقیم ہے لیکن انہیں سے کوئی بات نہیں بنتی - اس سے خود بدولت کی کجی مراد ہوگی - اسکی طبیعت کی درشتی کو رسول کے رعب نے کج کر دیا ہوا تھا - لیکن جونہی آزادی ملی - انہوں نے اس کجی کو سیدھا کر دیا - اور فظاظت و غلظت طبع اپنے پورے جوبن میں ظاہر ہوئے - اسکو جناب امیرؑ نے خطبۂ شقشقیہ میں یوں ظاہر کیا ہے کہ اول نے خلافت کو ایک درشت مزاج اور تند خو کے حوالہ کر دیا - جسکی زبان کے زخم نہایت کاری تھے - اور جسکا چھونا بھی ناگوار تھا - داوی العمد دواکی کوہان شتر کے اندرونی زخم کو - مولوی صاحب نے عمد کا ترجمہ دلکی بیماری بالکل غلط کیا ہے - اسمیں حضرت علیؑ نے انکی پہلی حالت بتلائی

ہے۔ جسکا ذکر تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۳ پر انہوں نے خود یوں کیا ہے کہ میں خطاب کے اونٹوں کو اس جنگل
میں چراتا تھا اور کپڑا بھی باپ بیٹی کے بدن پر تھا۔ وہاں اپنے اونٹوں کے زخم بھی دھوتا ہوگا
اور شاید یہ اشارہ اسی طرف ہو۔ لیکن خطبہ شقشقیہ کے مطالعہ سے ایک صحیح مطلب برآمد
ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اوّل خلافت کو ایک درشت مزاج اور تند خو کے حوالہ کر گیا۔ ایسی
طبیعت والے شخص کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو کبھی بوجھ نہ اٹھانیوالے اونٹ پر
سوار ہو اگر یہ سوار اس کی مہار کھینچتا ہے تو اسکی ناک پارہ پارہ ہوئی جاتی ہے۔ اور اگر
چھوڑتا ہے تو خود گرنے کا خوف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ نے اسکی طبیعت کو شتر
سرکش سے تشبیہ دی ہے۔ عبارت زیر بحث میں اونٹ کی دوا کا ذکر ہے۔ اور دوا بھی اندرونی
زخم کی۔ یہ دوا وہ نبیذ تھی جو آخر وقت کوہان شتر کے اندرونی زخم کے علاج کے طور پر پی
گئی۔ بخاری صفحہ ۵۲۲ لیکن لا شفا فی الحرام۔ حرام میں شفا کہاں۔ اقام السنۃ۔ سنت
کے ساتھ لفظ نبوی نہیں کہ اسکا ترجمہ سنت نبوی ہو سکے۔ سنت کے معنے سیرت طریقہ ہے۔ اور
یہ لفظ کفار کے لئے بھی قرآن میں آیا ہے۔ لقد خلت سنۃ الاولین گزر گیا پہلوں کا طریقہ
اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قائم کر گیا اپنی سنت کو جس کا مطلب صاف طور پر یہ ہوا۔ کہ رسول کی
سنت کو چھوڑ کر اپنی سنت بنائی۔ اسکی تائید اڈیٹر صاحب نے شروع مناظرہ میں ہی احتجاج سے
جناب امیرؑ کا کلام پڑھکر کر دی جسمیں آپنے فرمایا کہ مجھ سے پہلے حاکموں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں
جنمیں رسول اللہؐ کی صریحاً مخالفت کی ہے۔ اور چونکہ انکی سنت و سیرت مخالف رسول تھی۔
اسلئے آپنے اسکی پیروی سے انکار کیا۔ (براہین قاطعہ صفحہ ۱۸۹) دیکھئے کا رخ کیا ہے ازالۃ الخفا
میں ہے۔ استنجا بکلوخ سنت عمر است۔ ڈھیلے سے استنجا کرنا سنت انکی ہے۔ نعمت
نعم البدعۃ تراویح انکی ہی سنت ہے نہ سنت رسول۔ انہی اور اپنے پیشرو کی سیرت کو
معیار بنا گیا۔ تبھی شوریٰ کے وقت ابن عوف نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ تجھے خلیفہ بناتے ہیں
اگر سیرت ابوبکر و عمر داری۔ لیکن حضرت علیؑ نے انکی سیرت کی پیروی سے انکار کیا۔ خلف البدعۃ
پیچھے چھوڑا یا خلیفہ کیا اپنا بدعت کو۔ چونکہ اسکی سنت سراسر بدعت تھی اور وہ اسے قائم کر گیا
اسلئے اسکے مرنے پر یہ بدعت اسکی یادگار رہگئی۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ جو اسکا خلیفہ ہوا وہ
سراسر بدعت تھا۔ ذھب نقی الثوب۔ صاف کپڑوں سے گیا۔ یہ بھی کیا خوبی ہے
جلوہاں کیتے ہیں کہ اس کا کفن صاف تھا۔ قلیل العیب کم عیب گئے بہ نسبت اشد کفار و
مشرکین کے۔ اصاب خیرھا۔ اصاب کے معنے پایا یا درد میں ڈالا۔ (قاموس) خیر کے
معنے وہ چیز جسکی طرف رغبت کیجائے مال وغیرہ۔ ھا کی ضمیر یا بدعت کیطرف راجع ہے یا
حکومت کیطرف جو سعود ذھنی تے۔ پس معنے یہ ہوئے۔ کہ پایا خیر بدعت کو۔ خیر بدعت یا بدعت

حسنہ جبکا اعلان اُنھوں نے بایں الفاظ کیا لنعم البدعۃ ھذہٖ تراویح اچھی بدعت ہے یا یہ کہ اس بدعت کا پولیٹیکل مفاد پایا۔ یا یہ کہ حکومت کا مال پایا۔ جسکی تشریح حضرت علیؑ نے خطبہ شقشقیہ میں بایں الفاظ فرمائی کہ پستان ناقہ حکومت کو دو نوں نے اُسمیں خوب بانٹ لیا۔ اور یا یہ کہ حکومت کی خوبی و خیر کو دو مصیبت میں ڈالا۔ سبق تبرھا سبق کے معنے آگے ہوا۔ شر کے معنے بدی۔ فقر۔ حاجت اور شیطان ہے (قاموس) پس اس کے معنے یہ ہوئے کہ سابق ہوئے حکومت یا بدعت کے شر و بدی پر۔ یا فقر و حاجت پر یا سابق ہوئے اس کے ابلیس سے۔ ادی الی اللہ طاعتہ۔ مولوی صاحب نے اس کے معنے یہ کئے ہیں۔ اسنے اللہ کی فرمانبرداری کا حق ادا کیا۔ لیکن یہ معنی بالکل غلط ہیں صحیح معنے یہ ہیں کہ ادا کیا یا پہنچایا طرف اللہ کے اپنی فرمانبرداری کو۔ یعنے جو اطاعت اپنی اُس نے لوگوں سے کرائی اسے عمل خیر سمجھکر خدا تک پہنچایا۔ واتقاہٗ بحقہٖ۔ مولوی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ خدا کا تقوے اس کے حق کے مطابق کیا۔ لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح معنے یہ ہیں کہ ڈرا خدا سے بہ سبب اسکے حق کے۔ کیونکہ اسنے حق خدا کو ضائع کیا۔ اسلئے آخری وقت میں جزع و فزع کرتا رہا۔ اور یہ کہتا رہا کہ کاش میرے پاس زمین جتنا سونا ہوتا تو آنے والے عذاب سے پہلے اسکے فدیہ میں دیتا۔ بخاری حصہ ۲ ص ۵۲۱۔ رحل و ترکھم فی طرق متشعبۃ لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن المھتدی اس کا ترجمہ مخاطب نے کچھ صحیح کیا ہے۔ فرمایا وہ دنیا سے سفر کر گیا۔ اور لوگوں کو شاخ در شاخ (پیچ در پیچ) راہوں میں چھوڑ گیا۔ جس میں گمراہ ہدایت نہیں پاتا اور ہدایت یافتہ یقین نہیں حاصل کر سکتا۔ ذی فہم مخاطب غور کرے کہ اسمیں کونسی خوبی ہے۔ یہ کلام تو ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص شاخ در شاخ اور پیچ در پیچ راہ تیار کر گیا۔ اور لوگوں کو ایسی راہ پر چھوڑ گیا۔ پیچ در پیچ راہیں گمراہی کو لیجاتی ہیں۔ اسی لئے خدا نے فرمایا ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ کہ بہت سی راہوں پر نہ چلو۔ وہ تمہیں اصلی راہ سے بھٹکا دیگی۔ تعریف تو صراط مستقیم کی ہے نہ شاخ در شاخ راہوں کی۔ چہ جائیکہ یہ راہیں ایسی ہوں کہ نہ گمراہ انمیں منزل مقصود پائے اور نہ ہدایت یافتہ کو منزل مقصود کا یقین ہو۔ پس جسنے ایسا جنجال بنایا۔ وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اسکی کوئی تعریف کرے۔

حضرت ثالث۔ مولوی صاحب نے روئداد میں نہج البلاغہ سے ایک اور عبارت نقل کی ہے۔ جو آپنے مناظرہ میں قطعاً نہیں فرمائی تھی۔ لیکن اب یادآنے پر درج کر دی ہے۔ اگرچہ یہ تو یہ مشت بعد از جنگ لیکن ہم اسے بھی انہی کے کلام کی طرف لوٹا ئینگے۔ قال نہج البلاغہ ص ۳۲۳ ان الناس ورائی۔ قد استفسرونی بینک وبینھم واللہ ما ادری ما اقول

لك ما اعرف شيئاً تجهله ولا ادلك على شيء لا تعرفه انك لتعلم ما نعلم ما سبقناك
الى شيء فنخبرك عنه ولا خلونا بشيء فنبلغكه وقد رايت كما رأينا وسمعت كما سمعنا
وصحبت رسول الله كما صحبنا وما ابن قحافة ولا ابن الخطاب اولى بعمل الحق منك
وانت اقرب الى رسول الله وشيجة رحم منهما وقد نلت من صهره مالم ينالا وانى
انشدك الله ان لا تكون امام هذه الامة المقتول فانه كان يقال يقتل فى هذه
الامة امام يفتح عليها القتل والقتال الى يوم القيامة ويلبس امورها عليها ويبث
الفتن عليها فلا يبصرون الحق من الباطل يموجون فيها موجا ويمرجون فيها مرجا

ترجمہ لوگ میرے پیچھے ہیں اور انھوں نے مجھے تمہارے اور اپنے درمیان سفیر بنایا ہے۔ اور خدا
کی قسم میں نہیں جانتا میں کیا کہوں۔ میں کوئی چیز نہیں جانتا جس سے تو جاہل ہے۔ اور نہ تو تجھے
کوئی ایسی چیز بتلاتا ہوں جس کو تو نہ جانتا ہو۔ تو جانتا ہے جو ہم جانتے ہیں ہم نے تجھ سے
کسی چیز کی طرف سبقت نہیں کی کہ ہم تجھے اس سے خبر دیں۔ اور نہ ہم نے تنہائی میں کوئی شے
کی کہ تجھ تک اسے پہنچائیں۔ دیکھا تو نے جیسا ہم نے دیکھا۔ سنا تو نے جیسے ہم نے سنا صحبت
اٹھائی تو نے رسول کی جیسے ہم نے۔ ابوبکر و عمر اولیٰ نہیں تجھ سے حق پر عمل کرنے پر تجھ سے تو نسب
میں رسول کے زیادہ قریب ہے ان سے۔ اور تو نے دامادی سے پایا جو انھوں نے نہیں پایا۔ میں
تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تو اس امت کا امام مقتول نہ بن۔ کیونکہ کہا جاتا تھا کہ قتل کیا جائیگا
اس امت میں ایک سردار کہ اس پر قتل و قتال قیامت تک کے لئے کھل جائیگا۔ اور اس قتل پر امور
ملتبس ہو جائینگے اور فتنے ثابت ہو جائینگے۔ حق کو باطل سے نہ دیکھ سکینگے فتنوں میں سرگرداں
اور مخلوط ہوں گے۔ اسمیں حضرت علیؑ ثالث کو علم دین میں اپنا مساوی اور خلوت میں رسول
سے کسی تعلیم کے حاصل کرنیکا انکار کر رہے ہیں۔ شیخین کو حق پر عمل کرنے والا کہکر ثالث کو اس
استحقاق میں انکے برابر فرمارہے ہیں۔ قرابت نسبی و دامادی میں انکو شیخین سے بھی افضل
پھر انکی شہادت کو فتنہ عظیم فرمارہے ہیں۔ اس سے زیادہ واضح اقرار انکے خلیفہ برحق ہونیکا
کیا ہو سکتا ہے۔ **اقول** اس خطبہ میں بھی ثالث کی ذرہ برابر بھی مدح و ثنا نہیں صرف
ظاہر اسلام کے مفاد کو مد نظر رکھکر ایک نصیحت ہے۔ اگر ان حضرت کی نسبت جناب امیرؑ کی رائے
دریافت کرنا چاہیں تو میں عرض کئے دیتا ہوں۔ آپنے اس خطبہ میں جو اپنے صحابہ کو معاویہ کی لڑائی
پر تحریص کیلئے سنایا یہ الفاظ فرمائے۔ سیروا الی بقیة الاحزاب سیروا الی بقیة الکتاب
سیروا الی قتال من یقاتل علی دم حمال الخطایا۔ کوچ کرو بقیہ احزاب کی طرف۔ کوچ
کرو کتاب اللہ کے چھوڑنے والوں کی طرف۔ کوچ کرو اس سے لڑنے کو جو حمال الخطایا کا گناہوں
کا بہت اٹھانیوالا ہے کے خون پر لڑ رہا ہے۔ یہ آپکو معلوم ہے کہ معاویہ نے کس کے خون کا انتقام

لینے کے لئے جنگ ٹھانی تھی۔ دیکھو قرۃ العینین صفحہ ۲۷۴ و تاریخ کامل صفحہ ۱۲۵ اسی کے لئے آپنے حمال الخطایا فرمایا۔ خطبۂ شقشقیہ میں انکی بابیں الفاظ تعریف کی الی ان انتکث علیہ فتلہ واجہز علیہ عملہ فکبت بہ بطنتہ۔ وہ قتل کر دیا گیا۔ اسکے عمل نے اسکا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ اور منہ کے بل لیٹ گیا گویا اس کے شکم میں امتلا تھا۔ یہ امتلا کا ہے سے ہوا یخضمون مال اللہ۔ خدا کے مال کو ناحق کھانے سے۔ ایک اور خطبہ میں کہا ذرعوا الفجور وسقوہ الغرور وحصدوا الثبور الی ان قال الآن اذ رجع الحق الی اھلہ ونقل الی منتقلہ۔ کہ اب تو حق اپنے اہل کیطرف لوٹ آیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ایک قوم تھی جسنے بدکاریوں کو بویا۔ اسنے غرور کا پیالہ پیا۔ اور ہلاکت اور نقصان آخرت کے پھل کو کاٹا۔ اس کلام میں انکی مدح وثنا کی ہے جو آپکی ظاہر خلافت سے پہلے آپکے حقوق کے غاصب تھے۔ اب خطبۂ زیر بحث کو بھی دیکھیں آپنے ابتدا کلام میں ہی فرمایا کہ جو لوگ میرے پیچھے ہیں اُنہوں نے تمہارے پاس مجھے اپنا سفیر بناکر بھیجا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سفیر اپنے سفیر کرنیوالے کے خیالات کا آئینہ ہوتا ہے۔ پس حضرت علی علیہ السلام نے اس کلام میں ان صحابہ مریدین شیخین کے خیالات کو ظاہر کیا۔ نہ اپنے خیالات کو۔ اسلئے اسمیں بالغرض اگر کوئی کلمۂ مدحیہ بھی ہو تو وہ بھی ان صحابہ کی ہی رائے ہوگی۔ اور بنظر امعان دیکھو تو اسمیں کلمۂ مدحیہ بھی کوئی نہیں۔ تحریص الی الخیر کے کلمات ہیں۔ مولوی صاحب آپنے اس کلام میں جتنے اجتہادات کئے ہیں وہ سب اجتہادات ام المومنین و معاویہ کیطرح ہی ہیں۔ ثالث اور حضرت علیؑ کی علم دین میں مساوات استغفر اللہ۔ کجا باب مدینۂ علوم نبویہ۔ اور کجا باب ضارب فی کل غمرۃ۔ حضرت علیؑ اپنے پایۂ علم کی نسبت بمقابلہ ثلثہ فرماتے ہیں۔ مجھ سے علم کا ایک متلاطم دریا نکلتا ہے اور میرے علم و منزلت کا پایہ رفیع و بلند ہے۔ جہاں پہنچتے ہوئے شاہین تیز پرواز کے پر جلتے ہیں۔ میری شان وقدر علم و فضل وحکمت واخلاق کے درجے بہت بلند ہیں۔ (خطبۂ شقشقیہ)۔ لیکن آپ یہ توہین کرتے ہیں کہ ایک اموی کو علم میں انکا مساوی کہتے ہیں۔ کسی کلام کو سمجھنے کیلئے اس کے موقعہ ومحل کو مد نظر رکھنا چاہئے جہاں وہ کلام کہا گیا۔ جناب امیرؑ نے یہ کلام اسوقت فرمایا جبکہ ثالث پر عامۂ مسلمین نے یہ جرم لگایا تھا کہ اسنے بیت المال اپنے خاندان کو کھلا دیا۔ اسنے شریعت کی مخالفت کی اسنے کتاب اللہ کی تحریف کی۔ حضرت علیؑ کو بطور سفیر بھیجنے والے ثالث کے در اصل دشمن نہ تھے۔ بلکہ یہ چاہتے تھے کہ وہ ان اعمالیوں سے باز آجائے۔ اسلئے اگر ابتدائی کلمات کو انہی کے خیالات کا عکس مانا جائے۔ تو ثالث کی انسے مساوات ثابت ہوئی۔ جب مساوی تھے تو ثالث کو کیوں ترجیح دیگئی اور اسکو تمام صحابہ سے افضل کیوں کہا گیا۔ اور اگر جناب امیرؑ کے خیالات کہو۔ تو بھی کوئی مدح نہیں۔ حضرت نے فرمایا ما اعرف شیئا (ای من ھذہ الحوادث وبواعثھا) اجہلہ۔ یعنے جو کچھ

(ان حوادث اور اُنکے سبب کی نسبت) میں جانتا ہوں تو اُن سے جاہل نہیں۔ جو کچھ انکی نسبت ہمیں
علم ہے تجھے بھی ہے۔ ہمنے ان امور کی نسبت کوئی بات خلوت میں نہیں کی۔ جسے تجھے پہنچائیں۔ اور
نہ کسی شے کی طرف سبقت کی جس سے تجھے باخبر کریں۔ اور واقعات جیسے تونے دیکھے اور سنے
ہمنے بھی ایسے ہی دیکھے سنے۔ اور جیسے ہمنے صحبت رسول کی تونے بھی کی۔ تو اب دیکھئے کیا اس سے
کوئی مدح و ثنا ثالث کی نکلتی ہے۔ شاید آپ یہ کہیں کہ حضرت نے فرمایا ہماری صحبت ایسی ہے جیسی
اُنکی لیکن نہیں یہ بھی غلط ہے۔ صحب کے معنے عاشر (ملنا جلنا) ہے۔ ظاہری معاشرت جیسی مومن
کی ہے۔ ویسی منافق کی۔ اسلئے منافقین بھی صحابہ میں معدود ہیں۔ حوض کوثر سے جو اشخاص
راندے جائینگے۔ انکو بھی رسول اللہ نے صحابہ فرمایا۔ فرق یہ ہے کہ مومن صحبت رسول سے فائدہ
اُٹھاتا ہے۔ اور منافق فیض رسول سے بوجہ نفاق محروم رہتا ہے۔ لیکن نفس صحبت ایک جیسی ہے۔
اسلئے اگر جناب امیرؑ نے ثالث کو یہ کہدیا۔ کہ جیسے ہمنے صحبت رسول کی ویسے تونے بھی کی۔ تو اس سے
ثالث کی کوئی مدح ثابت نہیں ہوتی۔ دیکھئے خدا فرماتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم۔ کہدے
میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔ تو کیا اس سے آپ یہ ثابت کرینگے۔ کہ جو باتیں دیگر افراد بشر میں ہیں
وہ سب رسولؐ میں بھی ہیں۔ دیگر بشر تو گناہ بھی کرتے ہیں لیکن رسولؐ کی ذات منزہ ہے۔ اسیکے مطابق
کلام علیؑ کو سمجھ لیں۔ پھر آپنے یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ثلثہ کو حق پر عمل کرنیوالا فرمایا ہے۔ لیکن یہ بھی
خلاف ہے۔ حضرت مرتضیٰؑ سے اس کلام کو تاریخ کامل جلد ۳ ص۵ پر یوں لکھا ہے۔ وما ابن ابی قحافۃ باولی
بالعمل منک بالحق ولا ابن الخطاب باولی بشیٔ من الخیر منک یعنی پسر ابی قحافہ بہتر
نہیں تجھ سے جو عمل بحق کرے اور نہ پسر خطاب تجھ سے کسی امر خیر میں اولیٰ و بہتر ہے۔ اسکا صاف مطلب
تو یہ ہے۔ کہ حق پر عمل کرنا کچھ شیخین پر ہی زیادہ ضروری نہیں تھا۔ بلکہ تجھ پر بھی ہے۔ لیکن اس سے
یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ انہوں نے حق پر عمل بھی کیا۔ ابھی اسی بحث میں ہم حضرت کا ایک اور کلام
نقل کر چکے ہیں۔ الا ان اذ رجع الحق الی اھلہ۔ کہ اب تو حق اپنے اہل کیطرف لوٹ آیا ہے۔ اس سے
معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ انہیں حق کے اہل نہیں جانتے تھے۔ جب وہ آپکے نزدیک حق کے اہل ہی
نہیں تھے۔ تو عامل بالحق کیسے ہو سکتے ہیں۔ ص۲۵ پر آپ مسلم کی حدیث کا ذکر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔
جس میں آپکو حضرت علیؑ کا عقیدہ انکے بارہ میں معلوم ہو چکا ہو گا اور فتح الباری میں ہے انہما (علی
و عباس) کانا یعتقد ان ظلم من خالفہما فی ذلک بخاری حاشیہ ص۴۳۶ علی و عباس یہ
اعتقاد رکھتے تھے کہ معاملۂ فدک میں جنہوں نے انکی مخالفت کی وہ ظالم تھے۔ قرابت نسبی بھی بنا
ایمان کچھ مفید نہیں کیا ابولہب قریب النسب نہیں تھا۔ دامادی کی بحث زوجات عثمان کے ذیل میں
دیکھیں۔ آخر آپنے یہ گہر فشانی کی ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے انکو امام فرمایا۔ معلوم نہیں آپ اپنی تحریر کو
کیوں اتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔ آپنے اپنی روئداد ص۵۳ پر لکھا ہے کہ لفظ امام (خلیفہ) سے کیسی

فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اور قرآن میں جھوٹے اماموں کو بھی امام کہا ہے وجعلنا ھم ائمۃ یدعون الی النار (ہمنے انکو امام گردانا دوزخ کیطرف لوگوں کو بلاتے ہیں) بس صرف لفظ امام سے آپ ہی کے قول کے رو سے مدح کہاں ثابت ہوئی اور یہ کلام تو آپکے مدعا کے سراسر خلاف ہے۔ اگر ثالث کی امامت ممدوح ہوتی تو حضرت اسے ایسا امام ہونیسے منع کیوں کرتے۔ اور اگر انکا قتل ان کے اعمال کیوجہ سے نہیں ہوتا تھا۔ تو وہ تو شہادت تھی۔ آپ اسے شہید ہونے سے کیوں نہی کرتے۔ پس معلوم ہوا کہ اسکی امامت بھی قابل سرزنش اور اسکا قتل بھی۔ اور کسی کے قتل پر فتنے برپا ہونے سے اس مقتول کی حقیت ثابت نہیں ہوتی۔ کیا ابوجہل کے قتل پر فتنے نہیں اٹھے۔ بلکہ اہل بیتؑ کے برخلاف جتنے فتنے اٹھے وہ سب ان مقتولین کے قتل کیوجہ سے تھے جو انکے ہاتھوں سے جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ کیا آپکو یزید کے وہ اشعار یاد نہیں جو اسنے شہادت حسینؑ کے بعد پڑھے۔ کہ کاش اسکے وہ بزرگ جو بدر میں مارے گئے تھے آج زندہ ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے قتل پر بھی فتنے اٹھے۔ ہاں یہ فتنے باطل تھے۔ اور انکا باعث دم حمال الحطب یا تھا۔ اسلئے ان فتنوں کا وبال بھی اسی پر ہے۔ اور اسی لئے حضرت علیؑ نے منع کیا۔ اس خطبہ سے یہ معلوم ہوا کہ ثالث کا قتل دراصل اسکے اعمال کا نتیجہ تھے۔ اور وہ اعمال ایسے قبیح تھے کہ باوجود جناب امیرؑ کے سمجھانیکے وہ اسنے باز نہ آیا۔ اور اسلئے حق پر عمل نہیں کیا۔ اسوجہ سے فتنے ہوئے۔ یہ خود گھر میں محصور ہوئے۔ امن خوف سے بدل گیا۔ اسکا خود ساختہ طریقہ و دین جسکا مختار مروان تھا۔ متزلزل اور تباہ ہوگیا۔ اسنے اسکی قدر نہ کی اور خدا کی نعمات کا کفران کیا۔ اسلئے بقول بیضاوی و کشاف و من کفر بعد ذلک فاولئک ھم میں داخل ہوگیا۔ وبئس مثوی الظالمین۔ اور حضرت عمارؓ نے کہا نحن قتلناہ کافراً (مغنی قاضی القضاۃ)

جنگ قیصر و کسرے۔ آیۂ دعوت اعراب تو مولوی صاحب نے مناظرہ میں پڑھی تک بھی نہیں چہ جائیکہ اسکی تقریر کرتے۔ البتہ ایک حدیث کا ایک ذرا سا ٹکڑا پڑھا تھا۔ لیکن چونکہ اسکے متعلق کوئی تقریر نہیں فرمائی۔ اسلئے جواب کی نوبت ہی نہیں آئی۔ روئداد کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔

قال۔ کافی جلد ۹ پر حدیث ہے کہ ایک قوم ہے۔ تائب حامد وغیرہ۔ جب کسی میں یہ اوصاف ہوں اور ساتھ ہی مظلوم ہو تو اسکے لئے جہاد کی اجازت ہے انکی شان میں والذین امنوا اولئک ھم الوارثون وطہرھم تطھیراً ہے۔ جنہوں نے قیصر و کسرے سے جہاد کئے وہ بھی مظلوم تھے۔ جن لوگوں نے ایران میں جہاد کیا۔ انکے کیسے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ **اقول۔** مولوی صاحب نے یا تو اس حدیث کو سمجھا ہی نہیں اور یا مذہبی پاسداری نے انہیں خلاف حق کہنے پر مجبور کیا۔ اسلئے میں حدیث کی اکثر عبارتوں کا ترجمہ کرکے حقیقت حال سے باخبر کرتا ہوں۔ عمرو زبیری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آیا خدا اور اسکی راہ میں جہاد کیلئے بلانا ایک خاص

قوم سے مختص ہے یا کہ یہ ہر اک شخص کیلئے مباح ہے جسنے خدا کو واحد جانا اور جو اسکے رسول پر ایمان
لایا۔ آپنے فرمایا ایک خاص قوم کیلئے۔ اور وہ قوم یا شخص وہ ہے جو ان شرطوں پر قائم ہے جو
خدا نے قتال و جہاد میں مجاہدوں پر واجب کی ہیں۔ سائل نے عرض کی حضور بیان فرمائیں کہ
وہ شرائط کیا ہیں تو آپنے ارشاد کیا۔ کہ اللہ نے اپنی کتاب میں داعیوں کی تعریف کی۔ اُنکے
درجات ہیں۔ کہ بعض۔ بعض کو پہچانتے ہیں۔ اور بعض سے بعض پر استدلال ہوتا ہے اللہ
تعالےٰ نے بتلایا ہے کہ پہلا داعی خدا ہے جو لوگوں کو اپنی ذات اور اپنی اطاعت کیطرف بلاتا ہے
پھر اسکا رسول ہے۔ وہ داعی حق نہیں جو امر خدا کی مخالفت کرے اور دعوت کرے بغیر اسکے جسکا
امر کتاب اللہ میں ہے۔ تیسری دعوت خدا کی کتاب سے ہے۔ پھر ذکر کیا انکا جو بعد از خدا و
رسول ماذون ہیں کہ خدا کیطرف دعوت کریں اور فرمایا کہ تم میں سے ایک امت ہو جو خیر کیطرف
بلائے۔ یہ گروہ ذریت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہما السلام سے ہے۔ جسنے نہیں عبادت کی غیر خدا
کی کبھی بھی۔ اور جسکے بارہ میں فرمایا کہ خدا نے انسے رجس کو دور رکھا۔ اور انکو پاک رکھا حق
پاک رکھنے کا۔ جو ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی میں اتبعنی سے مراد ہیں
جنہوں نے کبھی کسی زمانہ میں خدا سے شرک نہیں کیا۔ اور نہ اپنے ایمان کو شرک سے ملبس کیا اس
کلام پاک سے معلوم ہو گیا کہ بعد رسول کے داعیان بلا فصل ائمہ اطہار علیہم السلام ہیں۔ ثانیہ نے ظاہری
اسلام لانے سے پہلے شرک و بت پرستی کی۔ اسلئے وہ ان سے خارج ہیں ذریۃ بعضہا بعضاً
سے ظاہر ہوا کہ بعد رسول کے داعی مثل رسولؐ ہونا چاہئے جسکی دعوت خدا و رسول کی دعوت کے
موافق ہو اور وہ عالم ہو جس کی طرف بلائے۔ لیکن آپکے اصحاب میں یہ بات نہیں۔ اسکے بعد فرمایا
اور پھر ذکر کیا اپنے نبیؐ کے پیچھے پیرووں اور پیروان ائمہ اطہار آمرین بالمعروف و ناہیان
عن المنکر داعیان برحق و ماذون للدعوت الی اللہ کا۔ فرمایا اے نبی تجھے کافی
ہے اللہ اور جسنے اتباع کیا تیرا مومنوں سے۔ پھر نبیؐ کے مومن متبعین کی تعریف کی کہ محمد اللہ کا
رسول ہے اور جو (مومن) اسکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت وغیرہ ہیں۔ اور فرمایا اسدن خدا
ذلیل نہ کریگا نبی کو اور انکو جو اسکے ساتھ ایمان لائے۔ اور فرمایا فلاح پائی مومنوں نے جو
نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہیں وغیرہ۔ وہی ہیں وارث فردوس کے۔ انکی تعریف میں یہ بھی
فرمایا کہ خدا کے ساتھ کسی غیر کو نہیں بلاتے۔ جس نفس کو خدا نے حرام کیا اسکو قتل نہیں کرتے۔
پھر بتلایا کہ خدا نے ان مومنوں اور ان جیسی صفات والے مومنوں سے انکی جانوں اور مالوں کو خرید
لیا۔ قیمت جنت پر وہ راہ خدا میں قتال کرتے ہیں۔ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔
پھر ذکر کیا انکے اس عہد کو وفا کرنیکا۔ اس آیت کے نزول پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اسنے حضرت
رسول کیخدمت میں عرض کی۔ کہ ایک شخص تلوار لیکر اُٹھتا ہے قتال کرتا ہے یہانتک کہ قتل ہو جاتا ہے

آیا وہ شہید ہے تو خدا نے یہ آیت نازل کی التائبون الحامدون الخ کہ جنکا اس آیت میں ذکر
ہے وہ گناہوں سے توبہ کرنیوالے عابد ہیں غیر خدا کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اسکے ساتھ کسیکو شریک
کرتے ہیں - رنج و راحت میں اللہ کی تعریف کرتے ہیں - روزے رکھتے ہیں - رکوع اور سجود کرنے
والے - اسکے بعد نیکی کا حکم کرنے والے - بدیوں سے منع کرنے والے - اور خود بدیاں نہ کرنیوالے - حدود
خدا کی حفاظت کرنیوالے ہیں - جو قتل کیا جائے جنگ میں اور وہ ان شروط پر قائم ہو اسے شہادت
اور جنت کی بشارت ہے - اور حدیث کے اخیر میں فرمایا کہ جسمیں تمام ہوں اللہ کی شرطیں جنسے
اسنے وصف کیا اسکے اہل کو اصحاب نبی سے اور وہ مظلوم ہے پس وہ ماذون فی الجہاد ہے -
جن میں یہ صفات و شرائط نہوں - انہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ جہاد نکریں - لیکن ہم یہ کہینگے
کہ رسول سے ماثور ہے کہ اللہ تائید کرتا ہے اس دین کی ایسی قوموں سے جنکا کوئی حصہ ثواب
آخرت سے نہیں - پس غیر اہل - ڈریں اس سے کہ انمیں سے ہوں + اس حصۂ حدیث سے
ظاہر ہے کہ یہ نبی اور ائمہ کے اتباع و پیرووں کے لئے ہے اور انہی کی صفات بیان ہوئی ہیں - جو
انکا پیرو نہیں یا انکو اپنا سردار نہیں مانتا وہ خواہ منظور شدہ جہاد میں ہی شامل ہو - اسکو ثواب
کا کوئی حصہ نہیں ملتا - اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سب اصحاب میں شرائط ایمانیہ نہیں تھیں - اگر سب
صحابہ ایسے ہوتے تو لفظ یہ ہوتے - فمن کانت قد تمت فیہ شرائط اللہ عز وجل
التی وصف بہا اصحاب النبی - حالانکہ الفاظ یوں ہیں وصف بہا اہلہا من اصحاب النبی
امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ان درجات داعیاں سے بعض سے بعض پر استدلال کرسکتے ہیں
اب ان اوصاف کو اپنے ممدوحین پر منطبق کرکے دیکھ لیجئے - یہ حدیث بتلاتی ہے کہ بعد رسول اللہ
کے اہل بیت امام اور داعی ہیں - لیکن آپکے ممدوحین خود داعی بنگئے - پس چونکہ انہوں نے اس حد
خدا کو توڑ ڈالا - تو اگر انمیں باقی سب صفات بھی پائی جائیں - تو بھی یہی کہا جائیگا کہ انمیں یہ
صفات تمام نہیں ہیں - اور چونکہ جہاد کیلئے اذن اسی کیلئے ہے جسمیں تمام صفات پائی
جائیں - اسلئے یہ ماذون نہیں - اور انکا بفرض محال کوئی جہاد کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس قوم
کا جنکو ثواب آخرت سے کوئی حصہ نصیب نہیں - دوسری بات جو سب سے اول ہے وہ ایمان
باللہ والرسول کی ہے - شیعوں نے اس بحث میں اسی کو ثابت کیا ہے کہ انمیں یہ وصف نہیں
اور خود امام جعفر صادقؑ نے اسی کافی میں فرمایا ہے کہ ان الذین امنوا ثم کفروا ومن یرد
فیہ بالحاد بظلم انکے بارہمیں نازل ہوئیں صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جزو ۳ حصہ ۲
صہ ۹۸ اور جبت و طاغوت یہ ہیں صہ ۱۲۱ - پھر یہ صفت ہے کہ وہ نفوس محترمہ کے خون
نہ بہائیں - انہوں نے حضرت محسن کو شہید کیا - اچھے اچھے صحابیوں کو تہ تیغ کیا - پھر فرمایا
آپ میں رحیم ہیں - لیکن انہوں نے صادق صحابیوں کو لاتوں سے پٹوایا - ایک اور صفت جو جہاد

کیلئے موزون ہے وہ صفت قتال ہے۔ جسکی توضیح یہ بیان ہوئی ہے فیقتلون ویقتلون وہ راہ خدا میں قتل کریں اور قتل کئے جائیں۔ لیکن انہوں نے کسی جنگ میں نہ کسی کو قتل کیا نہ آپ قتل ہوئے۔ اور اپنے زمانوں میں تو کسی جنگ میں شامل بھی نہیں ہوئے۔ پس اگر یہ بقول آپکے ماذون تھے۔ تو جبکہ سب شرائط موجود تھیں تو انپر جہاد واجب تھا۔ باب کا عنوان ہی یہی ہے من یجب الجہاد علیہ ومن لا یجب کہ پر جہاد واجب ہے اور کسپر نہیں۔ تو انہوں نے ایک واجب کو ترک کیا اور سزاوار بازپرس ہوئے۔ اور زمانۂ رسول میں جن جنگوں میں شامل ہوئے۔ انمیں پیٹھ دکھا کر بھاگے۔ اور اپنی جان بیچنے کے عہد کو پورا نہ کیا۔ پس جبکہ انمیں یہ شروط وصفات نہیں تو یہ ماذون فی القتال نہیں۔ اور اسلئے انکی کوئی مدح وثنا نہیں۔ اس حصہ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ داعی الی اللہ والجہاد خدا و رسول اور ائمہ ہی ہیں۔ اسلئے بغیر انکے اذن کے اگر کوئی جہاد کیا جائے۔ تو اسپر کوئی ثواب مترتب نہیں۔ ائمہ کے بعد جن مومنوں کا ذکر ہے۔ انکو حضرت صادقؑ نے داعی الی الجہاد نہیں فرمایا۔ وہ صرف خاص صورتوں میں ماذون ہیں۔ جہاد اور دعوت کیلئے۔ اسلئے اگر کوئی ایسا مومن بھی دعوت جہاد کرے۔ تو اسکی اجابت بغیر اذن امام بے سود ہے۔ اور غیر مومن کی دعوت کی اجابت تو بدرجۂ اولےٰ ایسی ہے۔ کسی کے دلمیں شاید یہ اعتراض پیدا ہو کہ حضرت علیؑ بعد از رسولؐ کیوں کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ اگر اسوقت انپر جہاد واجب تھا۔ تو اسکا جواب یہ ہے۔ کہ داعی اسوقت غیر اہل تھے۔ امام چونکہ داعی برحق تھے۔ اسلئے وہ کسی غیر اہل کے حکم کے ماتحت جا کر اپنی پوزیشن کو مشتبہ نہیں کر سکتے تھے۔ دوم یہ کہ خود مصنوعی داعیوں کی پولیٹیکل طبائع کب گوارا کر سکتیں کہ جناب امیرؑ کو اپنی فوج کی کمان دیدیں۔ ان کا عندیہ تو یہ تھا کہ انکو کمزور کیا جائے۔ جب فدک جیسی چیز انکے تصرف میں نہیں رہنی دی۔ تو فوج جیسی زبردست طاقت کو انکے تصرف میں کہاں دیتے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اب اصل حدیث کیطرف عود کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ خدا نے نہیں حکم دیا جہاد کا مگر ان شرطوں والوں کو اور فرمایا۔ اذن دیا گیا انکو جو جنگ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ظلم کئے گئے وہ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ بغیر حق کے انکا کوئی قصور نہیں تھا سوائے اسکے کہ وہ کہتے تھے رب ہمارا اللہ ہے۔ جو کچھ زمین اور آسمان کے درمیان ہے وہ خدا و رسولؐ اور ان صفات والے مومنین متبعین (خدا و رسول وائمہ) کا ہے۔ پس مشرکوں۔ کافروں ظالموں اور رسول اللہ کے دشمن فاجروں اور انکی طاعت سے روگردانوں کے ہاتھوں میں۔ جو کچھ دنیا اسمیں سے ہے جو مومنوں کے ہاتھوں میں تھی تو اسمیں اس صفات والے مومنین مظلوم ہیں۔ اور قتال کی اجازت نہیں جبتک مظلوم نہ ہو اور مظلوم نہیں جبتک مومن نہ ہو اور مومن نہیں

جبتک فقرا شطا ایمان پر قائم نہو۔ یہاں حضرت نے مشرکوں اور کافروں کے علاوہ تین اور گروہوں
کا ذکر کیا ہے۔ ظلمہ۔ فجار اور داعیوں کی طاعت سے روگردان۔ چونکہ اول دو گروہ مومنیں
تمام غیر مسلم شامل ہیں۔ اسلئے دوسرے تین گروہ مسلمانوں سے ہوئے۔ اور ان متوخر الذکر تین گروہوں
کو بھی حضرت نے ظالم مومنین فرمایا ہے۔ اسلئے ان تینوں کی مدح و ثنا بھی اس حدیث سے ظاہر
نہوئی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ جب آیہ اجازت جہاد۔ ان مہاجروں کے باب میں اتری جنکو اہل مکہ
نے انکے گھروں اور مالوں سے نکالا تھا۔ تو حلال ہوا انکے لئے جہاد بوجہ انکی مظلومیت کے۔
اور انکو لڑائی کی اجازت دیگئی۔ یہاں ایک نکتہ ہم آپکو سنا دیتا ہوں۔ اس آیت میں خدا
انکو اذن دیتا ہے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ یعنی کافروں نے انکو نکالا۔ اب میں آپکے
حضرت اول ہی کو لیتا ہوں۔ آیا اسے کفار نے نکالا۔ خدا فرماتا ہے الا تنصروہ فقد
نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ہما فی الغار۔ خدا نے مدد کی
اپنے رسولؐ کی جبکہ اسکو نکالا کافروں نے اور جبکہ دو غار میں تھے۔ حالانکہ آگے چلکر دو ہوتے
ہیں۔ لیکن نکالا ہوا خدا صرف رسول کو فرماتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دوسرے کو جسے آپ
یار غار کہتے ہیں کافروں نے نہیں نکالا۔ بلکہ وہ اپنی مرضی یا کافروں کی مرضی سے نکلا۔ کوئی
یہ ثابت نہیں کرسکتا۔ کہ ان حضرت کو کافروں نے نکالا۔ اور انکے نکالے جانے سے انکے
گھروں اور مالوں کا نقصان ہوا۔ برخلاف اہل بیت کے۔ کیونکہ جب کسی خاندان کے بزرگ
کو کوئی نکالدے۔ تو وہ ضرور اسکے بھی درپے ہوتا ہے۔ کہ اسکے گھر والوں اور پیچھے ماننے
والوں کو بھی نکالے۔ اسلئے اس آیت سے اہل بیت اور انکے پیرو مومنین صحابہ مراد ہیں جنھیں
شرر کامل طور پہ پہنچیں۔ اب آگے چلئے۔ سائل نے پوچھا کہ اگر یہ آیت مہاجرین کے باب
میں ہی نازل ہوئی بوجہ اسکے کہ مشرکین مکہ نے انپر ظلم کیا۔ تو کیا حال ہے انکے جنگ کرنے میں
قیصر و کسریٰ اور انکے علاوہ مشرکین قبائل عرب کے ساتھ۔ تو آپنے فرمایا کہ اگر انکو فقط اہل مکہ
کے ظلم کیوجہ سے ہی اذن جنگ ہوتی۔ تو مجموع قیصر و کسریٰ اور اہل مکہ کے علاوہ قبائل عرب سے
جنگ کیطرف کوئی راہ نہ ہوتی۔ کیونکہ جنہوں نے انپر ظلم کیا وہ انکے غیر تھے۔ سوا اسکے نہیں کہ ان
کو اجازت دیگئی جنگ کی ان اہل مکہ سے جنہوں نے انپر ظلم کیا انکو انکے گھروں اور مالوں سے
نکالنے سے۔ اگر آیت سے وہی مہاجرین مراد ہوں جنپر اہل مکہ نے ظلم کئے۔ تو یہ آیت بعد والوں کیلئے
مفید نہوتی۔ جبکہ نہ یہ ظالم رہے نہ مظلوم۔ اور فرض جہاد لوگوں سے مرفوع ہوتا۔ ایسا نہیں
جیسا تونے گمان کیا اور ذکر کیا۔ لیکن مہاجرین دو طرح سے ظلم کئے گئے۔ اہل مکہ نے انپر ظلم کیا انکو
انکے گھروں اور مالوں سے نکالکر۔ انسے جنگ کی انھوں نے اذن خدا سے۔ اور قیصر و کسریٰ نے
اور دیگر قبائل عرب و عجم نے ظلم کیا اس سے جو کچھ انکے ہاتھوں میں تھا اور جسکے انکی نسبت

مومنین احق تھے۔ پس تحقیق انسے جنگ کی اذنِ خدا سے۔ اب ساری حدیث کا لب لباب یہ ہوا۔ کہ مابعد رسولؐ بھی جہاد کی فرضیت مرفوع نہیں ہوئی۔ جن جن مخالفین رسول سے جنگ ہوئی۔ وہ جہاد ماذون ہے اگر ائمہ اطہار سے کسی داعیٔ حق نے اسکی اجازت دی ہو۔ اور جہاد کا ثواب مترتب ہوگا ان مجاہدین کو جنمیں شروط ایمان مستکمل ہوں۔ شرط اہم انمیں اتباع خدا اور رسول اور امام برحق مطہر از ذریت رسول ہے۔ جسکی تشریح ایک اور امام یعنی حضرت رضا علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ بشرطھا وشروطھا وانا من شروطھا ینابیع المودۃ صفحہ ۳۲۲ (ہم اہل بیت کی امامت کا اقرار بھی ایمان کی شرائط میں سے ہے) وہ کیا کہ انکو امام برحق و داعیٔ اصدق مانا جائے۔ قیصر و کسریٰ و دیگر مخالفوں کی جنگوںمیں آپکے خلفاء قطعاً نہیں گئے۔ اسلئے فقد قاتلوھم باذن اللہ (انسے جنگ کی اذن خدا سے) ان پر صادق ہی نہیں آتا۔ پھر قتال کی صفت اسی حدیث میں بحوالہ آیت یہ بیان ہوئی ہے یقاتلون فی سبیلہ فیقتلون ویقتلون۔ (جنگ کرتے ہیں راہ خدا میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں) انہوں نے کسی جنگ میں کسی مچھر تک کو نہیں مارا۔ خود قتل ہونا تو درکنار۔ پس آپکے ممدوحین اس سے خارج ہوئے۔ اب یہ سوال رہا کہ پھر کنہوں نے ان جنگوںمیں باذنِ خدا قتال کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنگ فارس و روم کے لئے جناب امیرؑ نے اجازت دی۔ لیکن ثانی کو جانے سے منع کیا تاکہ بعد میں اسی سے اسکی مومنیت پر استدلال نہ کیا جائے۔ باقیوں کو جنکا ایمان کامل نہ تھا منع بھی نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت صادقؑ نے خود فرما دیا ہے۔ ان جنگوںمیں جو مومن مستکمل شرائط ایمان باذن امام شامل ہوئے انکا جہاد ماذون تھا۔ اور جنمیں شرائط ایمان نہیں تھیں جو علیؑ کو داعیٔ برحق نہیں جانتے تھے جو علیؑ کے پیرو نہ تھے۔ انکا اس جہاد میں شامل ہونا یا غیر شاملین کی کسی طرح مدد دینا۔ بالکل ایسا تھا جیسے منافقوں کا زمانۂ رسولؐ میں جنگوںمیں حضرت کے ہمراہ رہنا۔ اور جنکے لئے بخاری صفحہ ۹۲۶ پر حدیث ہے کہ جنگ خیبر میں ایک شخص مسلمانوں کے ساتھ تھا جو ادعائے اسلام بھی کرتا تھا۔ لیکن حضرت نے فرمایا یہ دوزخی ہے۔ جب لڑائی پیش ہوئی۔ تو اسنے کفار سے بہت جنگ کی۔ اور اسے بہت زخم لگے۔ صحابہ نے از روے تعجب کہا کہ یا رسول اللہ آپ فرماتے تھے یہ جہنمی ہے۔ حضورؐ نے پھر فرمایا ہاں۔ اور کہا ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ کہ خدا اسی دین کی امداد و تائید فاجر آدمی سے بھی کرا رہا ہے۔ پس بحمد اللہ یہ تمام حدیث بھی آپکے خلفاء کی صریحاً مخالف نکلی۔ اور لفظ لفظ نے انکی تردید کی + یہ خدا کی شان ہے کہ جس آیت یا حدیث سے آپ اپنے موکلوں کی برأت ثابت کیا چاہتے ہیں۔ وہی انکے برخلاف زبردست شہادت بنکر انکے کیس کو اور بھی خراب اور مشتبہ کر دیتی ہیں۔ سچ ہے نادان دوست سے دانا دشمن بھلا۔

قال ۔ شیعہ مناظر نے فرار کا نقشہ کھینچا ہے یہ اقرار کیا کہ غیر معتبر کتابوں سے استدلال فرار

کرونگا۔ ان عبارات میں صدیق کی نسبت ایک لفظ بھی نہ تھا۔ دوم کے متعلق فرار کا لفظ نہ تھا بلکہ یہ تھا کہ وہ احد کے دن بزدل کی طرح جست کرتا تھا۔ لیکن ہمنے انکا ایمان وعمل بالصالحات قرآن سے ثابت کیا۔ اور یہ روایات سے اسکے خلاف ثابت کیا جاہتے ہیں۔ اسلئے ہم ایسی روایات کو نہیں مان سکتے جو قرآن کے خلاف ہوں۔ کیونکہ آیات قرآن کا معارضہ روایات سے نہیں ہوسکتا۔ مہاجرین وانصار پر یہ الزام کہ انہوں نے رسولؐ کو نرغۂ کفار میں چھوڑ کر فرار کیا خلاف عقل ہے۔ اگر یہ ایسے بزدل تھے تو کفار کو روز بروز شکست اور مسلمانوں کو فتح کیوں ہوئی۔ پھر انہیں بزدلوں سے حضرت علیؓ کا مغلوب ہونا اور خلافت کا غصب ہونا خیال میں نہیں آسکتا۔ حنین میں دراصل فرار نہ تھا۔ بلکہ وادی کی تنگی اور دشمن کے اچانک ظاہر ہونے سے اضطراری حالت پیش آگئی تھی جس کو فرار کہنا کسی طرح صحیح نہیں الا بنوع من المجاز جب معلوم ہوگیا کہ رسول خداؐ فلان مقام پر ہیں توسب جمع ہوگئے اور خونریز لڑائی ہوئی۔ احد میں البتہ فرار ہوا۔ لیکن وہ اس نوعیت کا نہ تھا کہ رسولؐ کو نرغہ میں چھوڑ کر چلے گئے کیونکہ اس فرار کا سبب یہ تھا کہ رسولؐ کی خبر شہادت مشہور ہوگئی تھی۔ البتہ ابن ابی کا چلا آنا اسکا مصداق ہے۔ دوم اللہ نے اس لغزش کو معاف کردیا اور رسول کو بھی حکم دیا کہ معاف کردے۔ اور قرآن کی بہت سی آیتوں میں خدانے مہاجروں کی نسبت فرمایا لاکفرن عنہم سیئاتہم۔ ایسے خواہ کیسا ہی گناہ سرزد ہوجائے اس کا معاف ہوجانا ضروری ہے۔ اور انکی کسی خطا پر اعتراض کرنا جائز نہیں خواہ وہ ثابت بھی ہوجائے۔ البتہ ایک روایت میں ثالث کی نسبت اُحد میں لغزش کرنا منقول ہے۔ لیکن وہ بھی بعد استماع خبر شہادت رسول اور پھر معفو۔ اگر شیعہ ان غزووں کے متعلق صحابہ کو مورد طعن بنائیں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے طعن سے نہ انبیاء بچ سکتے ہیں نہ ملائکہ اور خود قرآن سے اس قسم کے اعتراضات بکثرت منتخب ہوسکتے ہیں۔ **اقول**۔ سچ بولنے میں تو اڈیٹر کو بڑی مہارت ہے۔ کیسے لطف سے شیعہ مناظر کیطرف ایک قول غلط منسوب کردیا۔ اور مزہ یہ ہے کہ لکھتے ہوئے ذرا شرمائے بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ چونکہ طعن فرار کا جواب مناظرہ میں تو اُنسے ہو نہ سکا اسلئے اپنے خریداروں سے اپنا نقص وہزیمت چھپانیکے لئے انہیں ضرورت پڑی کہ سیرت شیخین مندرجۂ مسلم پر عمل پیرا ہوں۔ اس طعن کو مضمون بحث سے بہت بھاری تعلق تھا کیونکہ افضل اعمال ومعیار ایمان جہاد فی سبیل اللہ ہے جسکا ثبوت شیعہ مناظر کی تقریر میں موجود ہے۔ لیکن چونکہ اڈیٹر صاحب جانتے ہیں کہ اسمیں ان کی کاریگری نہیں چل سکتی اسلئے اسے خارج از مضمون بحث فرمادیا۔ شیعہ مناظر کی تقریر سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے قرآن کو مقدم رکھا۔ اس سے ایک اصول بیان کردیا۔ اور اسکی تشریح معتبر کتب واحادیث خصم سے بیان کی۔ چونکہ قرآن میں نام لے کر کسی صحابی کا ذکر

نہیں اور نہ اسمیں مکمل تاریخ ہے اسلئے ہمارے مناظر رشید نے احادیث و تواریخ کی شہادات سے اپنے بیان کو مشید کیا۔ مولوی جی نے یہ تو کہہ دیا کہ یہ روایات مخالف قرآن ہیں لیکن ثبوت کچھ نہیں دیا۔ کیا قرآن میں صحابہ کے فرار کا ذکر نہیں۔ پھر یہ روایات مخالف قرآن کیونکر ہوئیں۔ ہاں اگر آپ قرآن میں یہ دکھا دیں کہ فلان فلان فلاں (ثلثہ) جنگ میں کبھی نہیں بھاگے۔ تو آپ ان روایات کو خلاف قرآن کہہ سکتے ہیں۔ شرح مواقف میں لکھا ہے لا ثناء علیھم خاصۃ ای لا ثناء فی القرآن علی واحد من الصحابۃ بخصوصہ فلا یکون قدحھم تکذیبا للقران واما الاحادیث الواردۃ فی تزکیۃ بعض معین من الصحابۃ والشھادۃ لھم بالجنۃ فمن قبیل الاحاد فلا یکفر المسلم بانکارھا یعنی قرآن میں کسی صحابی کی تعریف بخصوصہ مذکور نہیں۔ پس انکی برائی کرنا قرآن کی تکذیب نہیں اور وہ حدیثیں جو بعض مقرر صحابیوں کی پاکیزگی اور انکے دخول جنت کی شہادت میں وارد ہیں وہ احادیں سے ہیں اسلئے انکے انکار کی وجہ سے مسلمان کی تکفیر جائز نہیں۔ اس سے نہ صرف شیخ جی کا یہ قول باطل ہوا کہ ثلاثہ کا انکار موجب انکار قرآن ہے۔ بلکہ یہ بھی ظاہر ہو گیا انکی قدح تکذیب قرآن نہیں۔ چہ جائیکہ ذمائم مرویہ مخالف قرآن ہوں۔ اور روایات کو مخالف قرآن کہنے کا تو وہ حق رکھتا ہے جو قرآن کو مقدم رکھے۔ لیکن ہم نے قرآن کے عنوان میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ فرقہ ثلاثیہ قرآن کو مقدم نہیں مانتا بلکہ اسکے نزدیک وہ حدیثیں ہی قابل اعتبار نہیں جسمیں یہ وارد ہے کہ حدیث کو قرآن سے موافق کرو۔ اور شیخ جی نے ان کتابوں کا عدم اعتبار بھی ثابت نہیں کیا جنکے حوالجات شیعہ مناظر نے دیئے۔ کفار کو شکست منافقوں کے ذریعہ نہیں ہوئی۔ بلکہ اسلام کی ترقی خدا کی نصرت اور مومنین کی امداد سے ہوئی۔ خدا فرماتا ہے الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ وایدہ بجنود لم تروھا۔ جعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ھی العلیا۔ سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب یاایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین خدا نے رسول کی امداد کی ایسے لشکر سے جسے تم نے نہیں دیکھا۔ خدا نے کافروں کی بات پست اور کلمۃ اللہ کو بلند کیا۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔ اے نبی تجھے کافی ہے اللہ اور جسنے تیرا اتباع کیا مومنوں سے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے غلبہ کا سبب بزدلوں کی جماعت نہ تھی بلکہ خدا کی نصرت اور یداللہ کی شجاعت اور صحابہ اخیار کی حمایت تھی۔ جناب امیر بعد رسول خدا اسکے اسوجہ سے ساکت نہیں ہوئے۔ کہ انکے مخالف بہادر تھے اور بزدل نہ تھے۔ بلکہ آپکے سکوت کی وجہ ایک تو وہی تھی جو کہ میں رسول اللہ کے سکوت کی وجہ تھی۔ دوسری وجہ استیعاب میں ترجمہ رفاعہ بن رافع میں یوں منقول ہے۔ ان اللہ لما قبض رسولہ قلنا نحن اھلہ واولیائہ فلا ینازعنا سلطانہ احد فابی علینا قومنا فولوا غیرنا

وایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ وان یعود الکفر ویبور الدین لغیر نا نصبر علی بعض الالم
اور سنی محدث عقیلی نے ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے اور ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا
کہ حضرت علیؓ نے شوریٰ ثالث کے دن فرمایا بایع الناس لابی بکر وانا واللہ اولیٰ
بالامر منہ واحق بہ منہ فسمعت واطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفارا
یضرب بعضھم رقاب بعض بالسیف ثم بایع الناس عمر وانا واللہ اولیٰ
بالامر منہ واحق بہ منہ فسمعت واطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفارا
یضرب بعضھم رقاب بعض بالسیف ثم انتم تریدون ان تبایعوا عثمان الخ۔
خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد حضرت علیؓ نے کہا کہ آپکے اہل و اقارب ہیں۔ لیکن لوگوں
نے غیر کو حاکم کر لیا۔ حالانکہ میں زیادہ حقدار اور اولیٰ تھا۔ پھر دوسرے کو کر لیا۔ حالانکہ
میرا حق فائق تھا۔ خدا کی قسم اگر مجھے خوف نہ ہوتا مفارقت کا اور اسبات کا کہ پھر کفر
عود کر آئیگا اور دین تباہ ہو جائیگا اور لوگ کافر ہو جائینگے تو میں انکو درہم برہم
کر دیتا۔ اب دو باتیں قابل بیان ہیں۔ اول یہ کہ آیا ثلاثہ بہادر تھے یا کیا۔ دوم فرار
کی تعریف اور آیا انسے وقوع میں آیا یا نہیں۔ امر اول کی نسبت ہمنے کتب تسنن میں بہت
جستجو کی۔ کہ انکی بہادری کا کوئی کارنامہ ملے۔ آخر تاریخ الخلفا میں چند باتیں نظر پڑیں
جنکی وجہ سے حضرت سیوطی نے جناب اول کو اشجع الصحابہ کا خطاب دیا۔ اب وہ واقعات
دو اسن لیں جنکی وجہ سے انہیں یہ خطاب عطا کیا گیا۔ ایک واقعہ تو یہ ہے کہ بدر کے دن یہ
رسول اللہ کے ساتھ عریش میں بیٹھے آپکی حفاظت کرتے رہے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا
بدر جیسی جنگ میں یہ موقعہ بہادری کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ اسکے لئے آپ عریش کو دیکھیں
کہ یہ کسلئے بنا تھا۔ معارج النبوۃ وغیرہ میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم حضور کے لئے عریش (چھپر) بناتے ہیں۔ آپکی سواری آپکے
لئے تیار رکھتے ہیں۔ اور ہم جنگ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر ہمنے فتح پائی تو فہو المراد۔
اور اگر خدانخواستہ قضیہ برعکس ہوا تو آپ اپنی سواری پر بیٹھکر لیبے آپکو مدینہ میں پہنچا
دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ اخیار نے رسول اللہؐ کے آرام اور دشمنوں کے حملوں
سے بچاؤ کیلئے آپکے لئے عریش بنایا تھا۔ اسلئے یہ بالکل ظاہر ہے کہ وہاں کوئی دشمن
بمشکل اسکتا تھا۔ تو پھر اول نے وہاں بہادری ہی کیا دکھائی اور محض وہاں بیٹھنے سے
اشجع الصحابہ کیسے بنگئے۔ دوسرا واقعہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ایکدفعہ کفار قریش نے
حضرت کو پکڑا۔ کوئی آپکو کھینچتا تھا کوئی گراتا تھا۔ تو صحابہ میں صرف شیخ اول نے ہی
بڑھکر حضور کو چھوڑایا۔ لیکن اس روایت کی وضعیت اسی سے ظاہر ہے کہ اسکو جو نت

علی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور آپکی زبانی یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی حضور کو چھڑانے نہ گیا سوائے شیخ اول کے بھلا یہ ممکن ہے کہ علی رسولخدا کو اسحالت میں دیکھیں اور پھر ساکت رہیں۔ اسی لئے مجد الدین نے سفر السعادة میں لکھا ہے کل ما ورد فی شان ابی بکر فھی من المفتریات التی تشھد بذی العقل ھذا بھا۔ کہ جو کچھ اول کی شان میں وارد ہوا ہے وہ افترا کیا گیا ہے اور ہر ذی عقل اسپر یہی شہادت دیتا ہے۔ تیسرا واقعہ یہ ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آنحضرت رسولخدا کی گردن میں چادر ڈالی اور سخت کسا۔ شیخ اول نے ہی آکر اس کافر کو آپ سے ہٹایا۔ لیکن یہ روایت دیگر روایات کے مخالف ہے کیونکہ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲ پر اسواقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ جب اس کافر نے یہ حرکت کی دقام ابوبکر الصدیق دونہ یقول وھو یبکی ویلکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ ثم انصرفوا عنہ کہ اسحالت میں شیخ اول حضور کے پاس کھڑے روتے تھے اور کہتے تھے ویل ہو تمہارے لئے کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اس کے بعد کافر چلے گئے۔ تاریخ خمیس صفحہ ۳۲۳ پر ہے حتی جاءت فاطمۃ فالقتہ بین ظہرہ کہ حضرت فاطمہ نے اس ملعون کو حضرت سے دور کیا۔ چوتھا واقعہ یہ ہے کہ جب ۳۸ مسلمان ہو گئے تو شیخ اول نے اصرار کیا کہ اب ہمیں کھلم کھلا ظاہر ہونا چاہئیے۔ حضرت نے فرمایا ابھی وقت نہیں ہم تھوڑے ہیں۔ لیکن یہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ کھڑا ہو گیا اور خطبہ پڑھا۔ یہ دیکھکر کفار نے حملہ کیا۔ اور اسے اور مسلمانوں کو خوب مارا۔ اور مدارج النبوة۔ معارج النبوة اور ازالۃ الخفا مقصد اول صفحہ ۴۹ پر ہے۔ وعتبہ بن ربیعہ بہ پشت نعلین خود کہ جابجا آنرا پیوند کردہ بود ابوبکر راآں قدر زد کہ بینی او بارخسار برابر شد و باز ہم اصلاً امتیاز نداشت۔ کہ عتبہ بن ربیعہ نے اول پر اتنی کفش کاری کی کہ ناک منہ برابر کر دیا۔ (توبہ) لیکن معلوم نہیں اس واقعہ کو شجاعت میں کیوں شمار کیا ہے۔ کیونکہ اسمیں تو انہوں نے اپنے ناجائز فعل سے نہ صرف اپنی خدمت کرائی بلکہ غریب صحابہ کو بھی پٹوایا۔ اور دوم یہ انکی یہ بہادری خلاف مرضیٔ رسول تھی۔ اسلئے وہ ممدوح ہی نہیں۔ پانچواں واقعہ البتہ بڑی جوانمردی کا ہے۔ اور انہوں نے خود بیان کیا ہے۔ کہ اُحد کے دن سب سے پہلے میں لوٹ کر واپس آیا۔ بھاگ کر لوٹنے والے تو اشجع بنگئے اور جو مثل پروانہ حضرت کے ساتھ رہے۔ اپنی جان پیش سپر کئے رہے۔ انکا ذکر ہی نہیں + یہ تو انکے ہواخواں کی بیجا خوشامدیں تھیں۔ اصلیت یہ ہے۔ کہ ثلاثہ بعض اوقات تو باوجود حکم رسول کے لڑائی کیلئے نہیں گئے۔ جیسے جیش اسامہ میں۔ بعض دفعہ گئے اور سخت زک اٹھا کر بھاگے اور نوبت بانیجا رسید کہ انکے لشکری ہی انکو بزدل کہتے تھے جیسے خیبر وادی الرمل میں۔ جہاں فتح ہوئی وہاں سوائے بیکاری وبزدلی کے انکا کوئی نمایاں ذکر نہیں۔ جہاں جوانمردی کا موقعہ تھا وہاں یا تو بھگوڑوں کے آگے ہوئے۔ جیسے اُحد میں اور یا آپ تو کیا حوصلہ کرتے۔ دوسرے سپاہیوں کے حوصلوں کو بھی پست کرتے رہے جیسے خندق میں اور جہاں رسول اللہ نے صلح کی

وہاں آپکی نبوت میں شک کیا - یا سب و شتم سے فتنہ کھڑا کرنا چاہا - جیسے حدیبیہ میں - بعض اوقات شجاع مومنوں پر حسد کیا مثلاً طائف میں - کبھی کفار کی حمایت کی جیسے طائف اور واقعہ ابوسفیان میں - جب مشورے کی ضرورت ہوئی - تو حضرت کو خلاف طبع مشورہ دیا - جیسے بدر میں - چنانچہ کنزالعمال میں مصنف ابن ابی شیبہ سے منقول ہے ان رسول اللہ شاء حیث بلغہ اقبال ابی سفیان فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ - اور در منثور انفال سیرۃ محمدیہ اور تاریخ طبری میں ہے کہ انکے مشورے سے حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا - اور جنگ بدر میں ثالث تو عورت کی بیماری کے عذر پر شامل ہی نہیں ہوا - اور جو دو شامل ہوئے وہ بھی کارہ تھے - حضرت سے لڑتے تھے کہ نہ جاؤ (انفال) اس جنگ میں انکا اور کوئی کارنامہ ثابت نہیں البتہ مستطرف و ربیع الابرار میں ہے کہ نمبر دو جنگ کے بعد چاہ بدر پر بیٹھا جوانان کفار پر نوحہ اور کفار کی مدح و ثنا اور مذمت اسلام و نبی کے اشعار پڑھتا رہا - غزوہ احزاب میں جو جماعت پہرہ کیلئے مقرر تھی اسمیں حضرت نے شیخین کو نام لیکر حکم دیا کہ کفار کی خبر لائیں اور وعدہ سلامتی اور ثواب بھی دیا - مگر ان دونوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے - جنگ خندق میں جب ابن عبدود نکلا تو حضرت نے ثلاثہ وغیرہم کو کہا کہ مقابلہ کرو تو حضرت علیؑ ہی کھڑے ہوئے - آخر جب اس کافر نے یہ جملہ کہا کہ کیا تم میں کوئی مرد نہیں - تو بقول روضۃ الصفا سرہا در پیش افگندہ خشک بالستادند گردنوں کو جھکائے یوں کھڑے رہے گویا انمیں جان نہیں - زیادہ طول دینا مناسب نہیں - اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا جنگ احد و حنین میں ان سے فرار ہوا - شیعہ مناظر کے حوالہ میں حضرت ثانی کا صاف اقرار موجود ہے ففررت مینے فرار کیا - لیکن شیخ جی لکھتے ہیں کہ فرار تو نہیں - پہاڑی پر جست کرتے تھے - لیکن کیا یہ بتلا سکتے ہیں کہ پہاڑی پر پہاڑی بکری کی طرح چھلانگیں کسلئے تھیں - کیا وہ سیر اور ورزش کرنے گئے تھے - مسند احمد حنبل میں ہے - ان الشیخین ہزما یوم احد و رجع عمر و ینشف د موعد و یسال علیا العفو فقال الست المنادی قتل محمد فارجعوا الی ادیانکم فقال انما قالہا ابوبکر ثم نزلت ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلہم الشیطان یعنی احد کے دن شیخین بھاگے - ثانی لوٹا - آنسو پونچھتا تھا اور حضرت علیؑ سے معافی مانگتا تھا - علیؑ نے کہا کیا تو نہیں کہتا تھا کہ (حضرت) محمدؐ قتل ہوگئے ہیں - پس اپنے اپنے دینوں کو پلٹ جاؤ - اسنے کہا نہیں میں تو منادی نہیں تھا - بلکہ بڑے بھائی جی حضرت اول اس ندا کے منادی تھے پس آیت نازل ہوئی کہ جو بھاگے تم سے اسدن جب دو فوجیں مقابل ہوئیں انکو شیطان نے پھسلایا روضۃ الصفا میں ہے کہ جب یاروں نے وادی فرار کو رخ کیا تو حضرت پر غشی طاری تھی - جب افاقہ ہوا تو آنکھیں کھولیں اور حضرت علیؑ سے پوچھا کہ لوگوں نے کیا کیا - جواب دادکہ نقض عہد کردہ فرار نمودند آپنے

عرض کی کہ انہوں نے عہد و بیعت کو توڑ ڈالا اور فرار کیا۔ اور مدارج النبوۃ ۱۵۲/۲ معارج النبوۃ فصل ۲
اور روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ چوں مسلمانان روے بہزیمت نہادند و حضرت رسولؐ را تنہا
گذاشتند کہ جب مسلمان بھاگے اور حضرت کو تنہا چھوڑ گئے تو آپ غصہ میں آئے۔ اور آپکی پیشانی
سے پسینہ ٹپکتا تھا علیؑ کو دیکھا کہ آپکے پہلو میں کھڑے ہیں۔ فرمایا تو انکے ساتھ کیوں نہ گیا علیؑ نے
کہا لا کفر بعد الایمان کہ ایمان کے بعد کفر نہیں آیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ مجھے تو آپکی
پیروی ہے۔ اوروں سے کیا غرض۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوا۔ کہ یہ حضرات رسولؐ کو تنہا چھوڑ
کر بھاگے۔ اور اس کے منادی بھی آپ ہی تھے۔ کہ رسول اللہ شہید ہو گئے۔ اور اگر بالفرض منادی
کوئی اور تھا۔ اور یہ خبر مشہور ہو گئی۔ تو کیا انکے لئے یہی سزاوار تھا کہ بھاگ جاتے۔ انکو تو چاہیئے
تھا کہ خوب لڑتے۔ اپنی جگہ سے نہ ہلتے۔ انس بن نضر نے جب انہیں گوشہ میں بیٹھا دیکھا تو پوچھا
کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے کیوں بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا رسول تو شہید ہو چکے اسنے کہا پھر تم جی کر
کیا کرو گے۔ اٹھو جسطرح وہ دین کی حمایت میں شہید ہوئے۔ تم بھی مر جاؤ (کامل حبیب السیر)
مدارج و معارج میں ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے فرمایا میں لڑتا بھی تھا اور حضرت کے پاس آکر انکو دیکھ
بھی جاتا تھا۔ ایکدفعہ جو میں لڑتے لڑتے حضرت کو دیکھنے آیا تو حضرت کو نہ پایا۔ خیال ہوا کہ اصحاب
کے فرار سے خدا نے غضبناک ہو کر شاید پیغمبر کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اب بہتر یہ ہے کہ میں قتال کرتا
جاؤں یہانتک کہ شہید ہو جاؤں۔ یہ ہوتا ہے محبت کا تقاضا۔ نہ یہ کہ حضرت کو چھوڑ کر اپنی جان
بچانے کی فکر کرنا۔ خدا تو فرماتا ہے۔ اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا۔ جب مقابل ہو کسی فوج سے
تو ثابت قدم رہو ۱۰/۱ اور جو اسدن اپنی پیٹھ دے وہ مغضوب خدا اور ناری ہے۔ النبی اولی
بالمومنین من انفسہم مومنوں کو چاہیئے کہ نبی کو اپنی جانوں سے اولیٰ سمجھیں ولا یرغبوا بانفسہم
عن نفسہ ۱۱/۱۲ نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے۔ لیکن انہوں نے اسکی کچھ پرواہ
نہ کی۔ خدا فرماتا ہے اذ تصعدون ولا تلوٗن علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم ۴/۴
جب تم پہاڑی پر چڑھے جاتے تھے اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تمکو پچھاڑی میں
تفسیر نیشاپوری میں ہے اس فرار احد پر ہی چسپان کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے
بھاگنے کا سبب خبر شہادت رسولؐ کی شہرت نہ تھی بلکہ رسول تو انکو بلاتا رہا لیکن انہوں نے ایک نہ
سنی کان فی اذنیہ وقرا۔ اب اس واقعہ کا نتیجہ دیکھنا چاہیئے وما اصابکم یوم التقی
الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المومنین ولیعلم الذین نافقوا ۴/۴ جو کچھ پیش آیا اس دن
جب دو فوجیں بھڑیں وہ اسلیئے تھا کہ خدا جانے مومن کون ہیں منافق کون۔ اس سے منافق کی تمیز ہو گئی۔
رہا عفو کا معاملہ۔ مگر فرار معاف ہوا۔ نہ نفاق جو اس فرار نے ثابت کر دیا۔ اور عفو فرار بھی اسوقت مفید ہو سکتا ہے جبکہ یہی
جرم پھر سرزد نہوا ہو۔ لیکن اگر پھر ایسا ہی سرزد ہو تو پچھلے گناہ کا عذاب بھی ملیگا خدا فرماتا ہے ۱۰/۱۴ ان نعف

عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ فانہم کانوا مجرمین۔ ۔ پ۱۰ میں ہے الذین عاہدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون۔ یعنی اگر ہم ایک گروہ کو معاف کردیں تو دوسرے گروہ کو عذاب دینگے کیونکہ وہ مجرم تھے۔ جنسے تو نے عہد لیا ہے پھر وہ ہر دفعہ اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔ ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ مجرم جو ہر دفعہ جرم کرے اور عہد کو توڑے وہ قابل عذاب ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اسکی تشریح فرمادی۔ وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما۔ اگر تم پہلے کیطرح پیٹھ دیکر بھاگے تو تمہیں دردناک عذاب دیا جائیگا۔ صحابہ کا عہد رسول اللہ سے موت پر تھا۔ بخاری ص۱۰۵۶۔ پس جنہوں نے ہر دفعہ یہ عہد توڑا انکو کوئی معافی نہیں۔ حنین۔ بخاری ص۶۱۷ عن ابی قتادہ قال خرجنا مع النبی عام حنین فلما التقینا کانت للمسلمین جولۃ ابو قتادہ نے کہا کہ ہم سال حنین میں نبی اکرم کے ساتھ نکلے۔ جب کفار سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ تو مسلمان بھاگ گئے دوسری روایت اسی سے ہے کہ حنین میں ایک کافر ایک مسلم سے لڑ رہا تھا۔ اور دوسرا اس مسلم کے پیچھے تھا تاکہ اسے قتل کرے۔ میں پہنچا اور مینے اسے قتل کیا وانہزم المسلمون وانہزمت معھم فاذا بعمر ابن الخطاب فی الناس۔ تو مسلمان بھاگے اور میں بھی بھاگا اور ابن خطاب بھی انمیں تھا۔ مینے کہا کیا ہوا اُسنے کہا حکم خدا کا (قصور اپنا اور خدا کے ذمہ لگایا) ص۶۱۷ براء سے پوچھا گیا اتولیت یوم حنین فقال اما انا فاشھد علی النبی انہ لم یول۔ دوسری حدیث یہ ہے افررتم عن رسول اللہ یوم حنین فقال لا لکن رسول اللہ لم یفر۔ کیا تم حنین میں رسول سے بھاگے۔ اسنے کہا ہاں لیکن رسول نہیں بھاگے۔ اور فتح الباری کتاب الغزوات میں بھی یہی ہے لما فر الناس یوم حنین۔ نیز دیکھیں زاد المعاد و تاریخ خمیس ابن ابی الحدید نے قصیدہ رائیہ میں لکھا ہے ولیس ینکر فی حنین فرارہ۔ ففی احد فر خوفا و خیبر۔ اول کا حنین میں فرار کرنا انوکھی بات نہیں۔ اس جناب نے اس سے پیشتر بھی اُحد و خیبر میں مارے خوف کے فرار کیا تھا۔ ان روایات سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ لوگ جب کفار کے مقابل ہوئے جنگ ہورہی تھی کہ رسول کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جولہ۔ ہزیمت و تولی اور فرار کے ایکسے ہی معنے ہیں۔ اب انکے نام دیکھیں جو اس موقعہ پر نہیں بھاگے۔ سنیوں کی کتابوں میں ہے۔ حضرت علیؑ۔ عباس۔ عبد اللہ بن مسعود اور ابو سفیان جو حضرت کی سواری کی لگام تھامے تھے (تاریخ خمیس استیعاب۔ مواہب لدنیہ۔ فتح الباری) + یہ بات بالکل غلط ہے کہ مہاجرین کو معافی تھی خواہ وہ کچھ کریں۔ اگر آپ ساری آیت لکھتے تو قلعی کھلجاتی۔ لیکن جنکے ہاں تحریف کی عام اجازت ہو وہ تعمیل حکم مذہبی سے کیوں سرتابی کریں۔ خدا ارشاد فرماتا ہے فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن

عنہم سیئاتہم ولادخلنہم جنات الخ ۹ پ یعنی جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیف دئے گئے میری راہ میں اور راہ خدا میں جنگ کی اور قتل کئے گئے میں انسے انکی برائیاں دور کرونگا اور انکو جنتوں میں داخل کرونگا - ثلاثہ میں ان میں سے کوئی صفت نہیں تھی - انہوں نے راہ خدا میں ایک خراش بھی نہیں اٹھائی - قتل کرنا اور قتل ہونا تو درکنار - اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی شان میں آئی ہے جو سچے مومن و مہاجر تھے اور جو زمانہ رسول میں ہی شہید ہو گئے - اور بالفرض اگر زندوں کیلئے بھی یہ لفظ ہوتے تو ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آئندہ وہ جو گناہ کریں وہ قابل پرسش نہیں - پ ۶ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے - لئن اقمتم الصلوٰۃ واٰتیتم الزکوٰۃ وآمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا لاکفرن عنکم سیاٰتکم ولادخلنکم جنات تجری من تحتہا الانہار فمن کفر بعد ذلک منکم فقد ضل سواء السبیل - اگر تم قائم کروگے نماز اور دوگے زکوٰۃ - اور ایمان لاؤ گے میرے رسولوں پر اور انکی مدد کروگے - اور قرض دوگے اللہ کو اچھا قرض تو میں دور کر دونگا تم سے تمہاری برائیاں اور داخل کرونگا تم کو بہشتوں میں جنکے نیچے نہریں جاری ہیں - پس جو کوئی منکر ہو تم سے وہ بیشک بھولا سیدھی راہ - اس آیت میں مومنوں کو وہی وعدہ ہے جو پہلی آیت میں مہاجرین کو تھا - پس اگر لاکفرن سے یہ ثابت ہو کہ آئندہ انکو کسی خطا پر بازپرس نہوگی - تو چاہیئے تھا کہ مومنوں کو کسی گناہ پر نہ دنیا میں سزا ہو نہ آخرت میں - لیکن شریعت نے انکے لئے گناہ کی سزا مقرر کی ہے - اور تو اور صحابہ کو لیجئے - جو آپکے عقیدہ میں سرتاج مومنین ہیں - انکو حضور نبوی نے گناہوں پر سزائیں دیں - صاحب تحفہ نے باب مطاعن میں خود لکھا ہے - کہ اہل سنت کے نزدیک عصمت خاصہ انبیاء ہے - صحابہ کو معصوم نہیں جانتے - اسلئے جناب امیر و پیغمبر نے بعض صحابہ پر حد جاری کی - خود جناب پیغمبر نے مسطح کو جو اہل بدر سے تھا اور حسان بن ثابت کو حد قذف دی - کعب بن مالک - مرارہ بن الربیع اور ہلال بن امیہ کو جو بدری بھی بوجہ تخلف از غزوہ تبوک پچاس دن مطرود و مغضوب رکھا - ماعز اسلمی کو سنگسار کیا - بہتوں کو تعزیر کی اور شرابخوری کی حد جاری کی - اور شرح مقاصد میں صحابہ کے باب میں لکھا ہے ان بعضہم قد حاد عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق کہ بعض صحابی راہ حق سے بھٹکے اور ظلم اور فسق کی حد تک پہنچے اور خود قرآن میں بھی صحابہ کی مذمتیں بیان ہوئی ہیں - اور بخاری کی احادیث حوض دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کی جماعت بہت عین حوض کوثر سے ہٹائی جائیگی - اور اپنے مقر اصلی کو پہنچائی جائیگی - اور بعض صحابی ایسے ہیں جنکے اعمال اکارت جائینگے ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت

اعمالهم فی الدنیا والاخرۃ - جو تم سے مرتد ہو کر حالت انکار میں مر جائے - انکے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں دنیا و آخرت میں ۲۶/۱۳ میں ہے یا ایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون - اے ایمان والو نہ بلند کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر اور اس سے نہ بولو اونچی آواز سے جیسے ایکدوسرے سے بولتے ہو - مبادا تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمکو خبر نہ ہو - یہ دیکھئے نبی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے اسکے اونچا بولنے میں اعمال ضائع ہو جاتے ہیں - اس سے زیادہ باتوں پر کیا حشر ہوگا - اشارہ بدانا کافی است + آپ لوگوں کا خاصہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر ضرور حملہ کیا کرتے ہیں - کیونکہ شاک فی النبوۃ کو ماننے سے یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے - ذرا عصمت انبیاء کا عنوان بھی دیکھ لیں - انبیاء کی شان مطاعن سے پاک ہے - اگر و الذین فی قلوبهم زیغ کے مصداق عیسائیوں اور آریوں کے ہم آواز ہو کر نبیوں کی شان میں گستاخیاں کریں تو شیعوں نے جیسے پہلے تنزیہ الانبیاء سے ان کی سر کوبی کی - ویسے ہی اب بھی تیار ہیں -

فدک - فدک کے متعلق جو تقریریں مناظرہ میں ہوئی تھیں وہ تو متن میں درج ہیں لیکن بعد انعقاد النجم میں شیعہ مناظر کی تقریر میں بہت کچھ سنسر کیا گیا - اور اپنی تقریر میں پانچ صفحہ کا اضافہ کیا - اب اس عبارت کا خلاصہ نقل کر کے جواب دیا جاتا ہے - **قال** - آپ کہتے ہیں کہ آیت میراث جو عام تھی خبر واحد سے منسوخ کر دی گئی - لیکن منسوخ نہیں کی گئی - بلکہ اس حدیث سے تخصیص کی گئی یعنی اولاد رسول مستثنے کی گئی جیسا کہ آیت مصارف صدقات سے اولاد رسول مستثنے کی گئی کہ انکے لئے صدقہ جائز نہیں - دوسرے حدیث لا نورث ولا نورث زمانہ مابعد کیلئے خبر واحد کہی جا سکتی ہے نہ کہ صحابہ کیلئے جنہوں نے یہ حدیث رسول سے سُنی - انکے لئے یہ حدیث قرآن جیسی تھی - زمانہ مابعد میں بھی یہ حدیث اس درجہ شہرت کو پہنچی کہ شیعوں نے اپنی کافی صفحہ ۱۷ میں اسے درج کیا - عن ابی عبد اللہ قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یورثوا درهما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثهم - حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ علماء وارث انبیاء ہیں - اسلئے کہ انبیاء نے درہم دینار کا وارث کسی کو نہیں بنایا - بلکہ صرف اپنی حدیثوں کا - اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ انبیاء کا دامن لوث دنیا سے پاک رہے - اگر ان کے میراث جاری ہو - تو مخالفین یہ کہہ سکتے ہیں کہ دعوئے نبوت اسی لئے تھا کہ اپنی اولاد کیلئے ذریعۂ معاش پیدا کریں - لیکن خدا نے دکھلا دیا کہ انبیاء نے اپنی زندگی میں نبوت سے نہ خود کوئی دنیاوی فائدہ اٹھایا - نہ پسماندگان کو اٹھانے دیا اسی لئے رسول اللہ کے بعد انکا جانشین کوئی ایسا نہ ہوا - جس سے یہ کہنے کا موقع ملتا کہ انکا مقصد یہ تھا

کہ سلطنت میرے خاندان میں قائم ہو جائے۔ **اقول** - اعتراض صرف حضرت صدیقہ فاطمہ
سلام اللہ علیہا کی ناراضگی کا تھا۔ جن کی حدیثوں سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت
رسولؐ نے فرمایا جس پر فاطمہؑ ناراض ہو اس پر میں ناراض ہوں۔ یہ حدیث متفقہ صاف دلالت
کرتی ہے کہ معصومہ کی ناراضگی ہمیشہ حق پر اور حق کے لئے ہوتی ہے۔ اور انکی ناراضگی کا لازمی
نتیجہ ہے رسولؐ کی ناراضگی اور رسولؐ کی ناراضگی بڑے گھر کو لیجاتی ہے۔ لیکن مولوی صاحب الٹے
ہی چل رہے ہیں۔ شیعہ مناظر کے ممنوع ہونے کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔ ہاں یہ سوال قدرتی ہے
کہ یہ حدیث قرآن کے مخالف ہے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے رسول اللہ کے آخری وقت میں
حسبنا کتاب اللہ کہا ہو یہ کسی طرح زیبا نہ تھا کہ بعد رسولؐ کے قرآن کو چھوڑ کر حدیث کی
آڑ لیتے معصومہؑ نے ثابت کر دیا کہ حدیث سے تمہیں ہی روگردانی کی تھی۔ اب تم تمسک بالقرآن
کے ظاہری اقرار سے بھی پھر گئے۔ دیکھئے قرآن میں صاف ارشاد ہے ولکل جعلنا موالی
مما ترک الوالدان والاقربون ۔ اور ہر کسی کے ہمنے ٹھیرائے وارث اس مال میں
جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے۔ لفظ کل صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ حکم کل
کیلئے ہے اور کل میں نبی بھی شامل ہے۔ اور تخصیص بلا دلیل قابل قبول نہیں۔ تخصیص
عدم توریث صرف قاتل۔ کافر۔ مرتد یا غلام کی ہوتی ہے۔ نبی کی لڑکی میں یہ باتیں تھیں
اڈیٹر صاحب نے کہا تھا کہ وہ استدلال قرآن کو مقدم رکھینگے۔ لیکن اب قرآن سے انحراف
کرتے ہیں۔ آیت مصارف صدقات کی نسبت کیا لے پر کی اڑا دی۔ پہلے وہ آیت تو لکھئے
جس میں محض یتیموں کیلئے ہی مصارف صدقات بتلائے گئے ہوں۔ پھر استثنا کا عذر
کر سکتے ہیں۔ مطلق صدقات و زکوات آل رسولؐ پر حرام نہیں۔ بلکہ غیر سادات کے حرام
ہیں۔ سید کا صدقہ و زکوۃ سید پر حرام نہیں۔ پھر استثنا کیا۔ آپکے بیان کے مطابق حدیث
لا نورث اس زمانہ مابعد میں خبر واحد کا حکم رکھتی ہے۔ اور روئداد کے حصہ ۔ پر آپنے فرمایا
ہے کہ میں کسی روایت کو جو از قسم اخبار احاد ہو قرآن کے ساتھ ملا کر نتیجہ نہ نکالوں گا
کیونکہ اخبار احاد ظنی ہوتے ہیں اور ظنی کا نتیجہ ظنی ہے۔ چونکہ خبر واحد کا نتیجہ ظنی ہے
اسلئے لا نورث کا نتیجہ بھی ظنی۔ بنابریں ثابت ہوا کہ انبیاءؑ کے مال کا ورثہ ہوتا ہے۔ ہم تو
اسباب کا ثبوت مانگتے ہیں کہ اول نے یہ حدیث رسولؐ سے سنی۔ انکا اور اول کا یہ دعوے
ہے کہ انہوں نے یہ حدیث رسولؐ سے سنی لیکن دلیل انکے پاس نہیں۔ دیکھئے یہ عجیب بات ہے
کہ یہ حدیث متعلق تو ہے وارثوں کے۔ انہیں سے رسول اللہ کہتے نہیں۔ بتلاؤ۔ حالانکہ
حکم ہے وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبیوں کو ڈرا) نتیجہ یہ ہوتا ہے۔
بیٹی بھی وراثت مانگتی ہے۔ پھوپھی بھی۔ چچا بھی۔ لیکن آپ ان سب کو ایک عہد میں ٹھکرا

ایک ہی شخص کو یہ حدیث بتلاتے ہیں جو وارث نہیں تمام صحابہ بھی اس سے بیخبر ہیں۔ (تاریخ الخلفا صفحہ صواعق محرقہ صفحہ) آپ بڑے جوش میں کافی کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ لیکن پہلے آپ یہ تو بتلائیں کہ ان دونوں حدیثوں کو آپنے ایک کیسے فرما دیا۔ آپکی حدیث میں ہے کہ انبیاء کا کوئی بھی وارث نہیں ہوتا۔ اور کافی میں ہے کہ انبیاء کے علماء وارث ہیں۔ پھر یہ کہ حدیث محول لائق احتجاج نہیں کیونکہ راوی اسکا ابوالبختری ہے جو شیعہ اور سنی کے نزدیک وضاع و کذاب ہے (منتہے المقال شیعہ صفحہ ۳۱۹ میزان الاعتدال ذہبی سنی) اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جاوے۔ تو آپنے شاہ عبدالعزیز کی تقلید میں ترجمہ غلط کیا ہے۔ ملکی کو اسپر خط کھینچا گیا ہے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ مہربانی فرماکر وہ الفاظ لکھیں تاکہ آپکی دیانت ثابت ہو جائے۔ اس حدیث میں ذکر ہے علماء کی وراثت کا۔ باب کا عنوان بھی صفۃ العلم والعلماء ہے۔ پس مطلب صاف ہے کہ علماء اسوجہ وارث انبیاء ہیں کہ انبیاء نے انکو حدیث کی وراثت دی۔ نہ درہم و دینار کی۔ عدم توریث مال علماء امت کے لئے ہے نہ اقارب کیلئے۔ اگر بالفرض اسے عام مان لیں تو بھی اسمیں درہم و دینار کی وراثت کی نفی ہے نہ غیر منقولہ جائداد کی۔ اور فدک غیر منقولہ تھا۔ اگر عدم وراثت ہی سے انبیاء کی بے لوثی ثابت ہوتی ہے۔ تو چاہیئے تھا کہ انبیاء بہت سی عورتوں سے بھی نکاح نہ کرتے۔ حالانکہ حضرتؐ نے کئی عورتوں سے نکاح کیے۔ تو جب یہ آپکے نزدیک قابل اعتراض نہیں۔ تو حقوق قرابت وراثت وغیرہ کیوں محل اعتراض ہے۔ اسطرح تو مخالفین یہ بھی کہتے تھے۔ ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق پ۱۸ یہ کیسا رسول ہے کھانا کھاتا ہے اور سڑکوں میں چلتا ہے۔ وہ بے لوثی اسی کو سمجھتے تھے کہ نہ کھانا کھائے نہ سڑکوں میں چلے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انبیاء نے نبوت سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھایا فرمائیے رسول اللہ اپنا اور اہل و عیال کا خرچ کہاں سے لیتے تھے۔ انہی فتوحات سے جو عہد نبوت میں آپکو حاصل ہوئیں پ۲۲ میں ارشاد ہے۔ یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک الخ اے نبی ہمنے حلال کیں تیرے لئے تیری عورتیں جنکے مہر تو دیچکا اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تجھکو اللہ۔ فرمائیے یہ مال کہاں سے آیا۔ یہ رسالت کیوجہ سے ہی آیا۔ مشکوۃ باب الخلافۃ والامارۃ میں ہے کہ حضرتؐ نے جناب فاطمہؑ کو کہا فسلینی ما شئت من مالی مانگ لے مجھ سے میرا مال جتنا چاہے۔ آپکے مسلمات کے مطابق بھی حضرتؐ کے جانشین آپکے خسر و داماد ہی ہوئے اسلئے مخالفین کو تو اسمیں بھی اعتراض کا موقع ہے۔ اور آپکے استدلال کے مطابق آپکے خاندان

والے حضرت علیؑ حسنین علیہم السلام توکسی طرح جانشینی کے اہل ہی نہ تھے۔ کیونکہ اس سے مخالفین کو اعتراض کا موقعہ ملتا ہے۔ لیکن حضور ذرا پہلے انبیاء پر بھی نظر کریں۔ حضرت آدمؑ کا جانشین کون ہوا۔ حضرت نوحؑ ۔ حضرت ابراہیمؑ ۔ وداؤد علیہم السلام کا کون خلیفہ ہوا۔ انکے بیٹے اور خاندان والے ہی نہ ۔ کیا یہ اعتراض وہاں نہیں ہوتا۔ ثلاثہ کی خاطر ضرور ان انبیاء کے خاندان والوں کو چھوڑ دو۔ انبیاء کا دامن محبت دنیا سے کبھی ملوث نہوا۔ ان کو جو کچھ نبوت میں ملا اسے انہوں نے طریقۂ معقول پر خرچ کیا۔ اور انکے وارث بھی ایسے ہی ہوئے۔ دیکھئے سلیمان یحییٰ وغیرہ ہمارے نبیؐ کے وارث ایسے تھے جو خود فاقے رہکر دوسروں کو سیر کیا کرتے تھے۔ اگر انکو وراثت ملتی تو وہ اسے بھی خدا کی خوشنودی میں ہی خرچ کرتے۔ لیکن انکے مخالفوں کو یہ خیال تھا کہ اس وراثت کے ملنے سے فقرا اور سائلین کا رجوع انکی طرف ہو جائیگا۔

قال ۔ اگر اول نے رسولؐ کی بیٹی کو میراث نہ دی تو کیا اپنی بیٹی اور اپنے دوست کی بیٹی کو دیدی ۔ یا کیا اپنے ذاتی مصارف میں صرف کیا۔ **اقول** ۔ اول کی بیٹی کو میراث ہی کیا پہنچتی تھی ۔ صرف ۱/۲ حصہ ۔ اسکے معاوضہ میں وہ سارے حجرۂ رسولؐ پر قابض تھی ۔ اور علاوہ دس ہزار درہم سالانہ ملتے تھے ۔ (صواعق محرقہ صـ۸۵) اور خلیفوں نے ذاتی مصارف کے لئے فدک کو اپنے لئے رکھ لیا تھا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے ان فدک جعلها ابوبکر لنفسه خالصه و بعده عمر ایضاً اور تیسرے نے تو اسے اپنے سالے مروان کی جاگیر بنا دیا۔ قال الخطابی انما اقطع عثمان فدک بمروان (فتح الباری) آخر میں آپنے فرمایا ہے کر اگر ہم اس روایت کو صحیح نہ مانیں جیسا کہ مقتضائے تحقیق ہے تو پھر کوئی حاجت جواب کی نہیں ۔ مولوی صاحب کو بعد از مناظرہ یہ بات سوجھی کہ طعن فدک کا تو معقول جواب ہو ہی نہیں سکتا ۔ اسلئے شیعوں سے پیچھا چھڑانے کیلئے اسے غلط ہی کہدو لیکن یہ نہ خیال کیا کہ یہ روایت بخاری میں ہے جس کی ہر روایت کو صحیح مانا جاتا ہے ۔ دیکھو اخبار اہل سنت امرتسر مورخہ ۱۲۔ شعبان ۱۳۴۶ھ اور خود اسماعیل بخاری نے کہا ہے ما ادخلت فی الجامع الا ما صح نہیں داخل کیا میں نے جامع (بخاری) میں کچھ مگر جو صحیح تھا۔ (دیباچہ بخاری صـ۳ از احمد علی سہارنپوری حنفی) ارشاد الامام جب آپ پبلک میں پیش کرینگے تو کوئی شیعہ اسکا بھی جواب دیگا۔ انشاء اللہ **تعالیٰ** ۔ حضرت فاطمہؑ حضرت علیؑ پر بھی ناراض ہوئی ہیں

اقول ۔ مفصل اعتراض صـ۲ اور اسکا جواب فتح المبین صـ۸ پر دیکھیں ۔ روئداد ڈیرہ میں حق الیقین صـ۲۳۳ کی عبارت احتجاج کی عبارت کے ترجمہ میں نقل کی ہے ۔ مولوی کرم دین صاحب نے اشتہار میں لکھا تھا کہ ظنین کا ترجمہ تمہارے شارح نے تہمت زدہ خائن ہی کیا ہے لیکن حق الیقین صـ۲۳۳ میں اسکا ترجمہ خائبان ہے ۔ اسلئے مناظرہ میں اگرچہ مدیر نجم نے اس کا

ترجمہ خائن کیا تھا لیکن روئداد میں تہمت زدہ کیا ہے - یہ عبارت خطبہ لمہ میں ہے جیسے مجلسی نے
حق الیقین میں کتب اہل سنت مثل کتاب السقیفہ - مروج الذہب مسعودی - لآلی مصنوعہ
سیوطی - تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی سے اخذ کیا ہے - حضرت سیدہ نے اسمیں پہلے
حضرت علیؑ کی بہت تعریف کی ہے - پھر اپنے حق کے غاصبوں پر ملامت کی ہے - انپر اپنا غصہ
ظاہر کیا ہے - پھر انصار پر حجت تمام کی ہے - جب مایوس ہوئیں تو گھر میں تشریف لائیں -
جناب امیرؑ کی مجبوری ظاہر کی - اور اپنے اور انکے حقوق کی پائمالی پر ان الفاظ میں اظہار
حزن کیا - اسبات کا ثبوت کہ یہ کلمات حضرت علیؑ کیلئے آپنے بطور حزن و ہمدردی کہے نہ
بطریق غضب - خود حضرت علیؑ کے کلام میں ہے جو اسی کتاب میں ان الفاظ کے بعد ہی ہے -
اور جس کی سیدہؑ نے بھی تصدیق کردی "پس حضرت امیرالمومنینؑ فرمود ویل و عذاب برتو
نیست - بر دشمنان تست - صبر کن و آتش حزن فرو نشان" جنابہ سیدہ کی دو کیفیتیں اسموقعہ
پر تھیں - ایک غاصبین کیلئے جنپر آپ غضبناک ہوئیں - اور حضرت علیؑ نے بھی انکے لئے ویل و
عذاب فرمایا - دوسری محبوبین کیلئے جنکے لئے آپنے حزن کے کلمات کہے اور جسکے لئے حضرت
امیرؑ نے فرمایا آتش حزن فرو نشان غم کی آگ بجھا - پس ثابت ہوا کہ سیدہؑ نے جناب امیرؑ
کو یہ کلمات اظہار حزن کے طور پر کہے تھے نہ بطریق غضب - اسلئے جناب حضرت علیؑ نے آپکو کہا
فاحسبی اللہ فقالت حسبی اللہ و اسکتت احتجاج ص۶۰ کہ اللہ کو کافی جان - تو
آپنے فرمایا مجھے اللہ کافی ہے اور خاموش ہوگئیں - لیکن غاصبین پر غضبناک ہوئیں - ان کے
خسران اخروی کے لئے بد دعائیں کرتی رہیں - ان سے مرتے دم تک کلام کرنا گوارا نہ کیا -
اور آخر یہ وصیت بھی کی کہ وہ میرے جنازے پر بھی نہ آویں - اتنے خشم کے باوجود اڈیٹر
صاحب یہی کہے جاتے ہیں کہ حضرت سیدہ انپر ناراض نہیں ہوئیں - اور پھر ایک سخت توہین
آمیز اور دل آزار کلمہ کہا ہے کہ یہ "دنیا کی کتوں کا کام ہے کہ جس سے دنیاوی نقصان پہنچا
اس سے ناراض ہو گئے - یہ ناصبی لہجہ تعریضاً بنت رسولؐ کے لئے استعمال کیا گیا ہے
اور اسکی سزا بروز قیامت انہیں ضرور بھگتنی پڑیگی - اڈیٹر صاحب بنت رسول کا غضب
خدا کے لئے تھا نہ نفس کے لئے - بخاری کی حدیث سے ظاہر ہے کہ فاطمہؑ کا غضب غضب نبیؐ
ہے چونکہ غضب نبیؐ للہ ہوا کرتا ہے - اسلئے غضب بنت نبیؐ بھی للہ تھا - اگر کوئی ظالم
کسی مومن کا مال چھین لے تو وہ مومن اس ظالم پر اس سبب سے للہ غضب کرسکتا ہے -
کیونکہ اسنے خدا کے حکم کے برخلاف غصب کیا ہے - اسی طرح حضرت سیدہ فدک چھیننے کی وجہ سے
غاصب پر للہ غضبناک ہوئیں - آپ پھر یاد کرلیں کہ آپنے دنیا کے کتے کنہیں کہا ہے اور
اسکے ساتھ کاذبا کے ذیل میں اپنا وہ قول [illegible] لیں کہ عباس و علی کی عادت تھی کہ جو

انکے خلاف کارروائی کرتا تھا وہ اسے کاذب کہدیا کرتے تھے۔ تو کیا اب آپ بھی غفرہ شیعت کرکے اپنے اسلام سے ہاتھ دھوئینگے +

واقعۂ قرطاس - ہذیان اور قرطاس کے متعلق صرف اتنے الفاظ ہی مولوی صاحب نے مناظرہ میں کہے تھے۔ جو متن میں درج ہیں۔ لیکن روئداد میں ص۱۴۳ سے ص۱۴۶ تک چھ صفحے سیاہ کئے ہیں۔ اب اسبات کا ثبوت کہ یہ تمام عبارت مناظرہ میں نہیں پڑھی گئی۔ ہم مولوی کرم الدین صاحب کے مضمون مندرجہ روزانہ پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۲۶۔ مئی ۱۹۱۳ء سے دیتے ہیں۔ آپنے ص۱۲ پر فرمایا ہے "باقی جو مطاعن فدک۔ قرطاس وغیرہ آپنے مجلس مناظرہ میں پیش کئے اور جنکے خاطرخواہ جواب سُنی مناظرنے دئے۔ بہت پُرانے مسائل ہیں جنکے جواب مدلل بارہا سُنی علماء دیچکے ہیں۔ اور جو رسالجات میں درج ہیں۔ افسوس ہے کہ اس مضمون میں انکے جواب لکھنے کی گنجائش نہیں۔ اسلیئے اس کے متعلق ایک رسالہ عنقریب شائع ہوگا جس میں فریقین کی تقریریں بجنسہ درج ہونگی اور ہر ایک مسئلہ کی پوری تشریح کیجائیگی"۔ اس عبارت سے صاف عیاں ہے کہ مناظرہ میں پورا جواب ان مطاعن کا نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ اسے روئداد کے لئے ملتوی کر رکھا تھا۔ جس میں فریقین کی تقاریر کے بعد انکی پوری تشریح کا وعدہ تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روئداد میں مناظر شیعہ کی تقریر درج ہی نہیں کی اور اپنی پوری تشریح کو بھی سُنی مناظر کی تقریر ظاہر کیا۔ کیا راستبازی اسی کا نام ہے۔ کیا جو یہ کہیں کہ شیعوں کے ہاں جھوٹ بولنا بڑی عبادت ہے خود اپنے لئے یہ ثابت نہیں کرتے کہ انکے ہاں مذہب کیلئے جھوٹ بولنا عبادت ہے۔ فاعتبروا۔ ایک اور لطف کی بات یہ ہے کہ مناظرہ میں مکتوبات سرہندی کا حوالہ پیش کیا گیا تھا جکی نسبت مولوی کرم دین صاحب اخبارات میں لکھتے رہے۔ کہ مکتوبات سے استدلال کرنا حماقت ہے۔ لیکن اب قرطاس کی پوری تشریح میں وہی بات لکھدی ہے جو صاحب مکتوبات نے لکھی تھی۔ کہ حضرت کا اسوقت کا فرمان اپنی رائے سے تھا۔ نہ وحی خدا سے۔ افسوس رسولؐ کو تو انہوں نے قرطاس نہیں دیا۔ لیکن اب ایک غیر معصوم کو طعن قرطاس سے بچانے کیلئے باوجود قحط قرطاس کے تین قرطاس خرچ کردئے۔ اب ان کا جواب بھی سُنیئے۔ قال۔ اگر اس طعن سے ثانی پر بدگمانی ہو سکتی ہے تو سب سے پہلے ضروری ہے کہ حضرت رسولؐ کو مورد اعتراضات بنایا جائے۔ کیونکہ اگر خدا نے اسکا حکم دیا تھا۔ تو آپنے کیوں تعمیل نہ کی حالانکہ اس کے پانچویں دن آپکی وفات ہوئی۔ پھر حضرت علیؓ پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپنے حکم رسولؐ کی کیوں تعمیل نہ کی۔ اور اگر آپنے بطور مشورہ یہ ارادہ ظاہر کیا۔ تو ثانی کی رائے کہ کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے بالکل صحیح تھی کیونکہ الیوم اکملت لکم دینکم (دین کو کامل کر دیا)

نازل ہو چکی تھی۔ جس سے معلوم ہو چکا تھا کہ اب دین میں کسی حکم کا اضافہ یا ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی اور رسول اللہ کا یہ حکم کسی گذشتہ بات کی تائید یا توضیح ہو گی۔ پس ثانی کی محبت اسکی متقضی ہوئی کہ شدت مرض میں حضور کو تکلیف نہ دیجائے۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضرت نے امتحان لینے کے لئے ایسا فرمایا ہو کہ قرآن کے ساتھ انکو کتنا تعلق ہے اور ثانی کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ انہیں قرآن سے نہایت قوی تعلق ہے اور یہ قرآن کے بعد کسی دوسرے ہدایت نامہ کی حاجت و ضرورت مطلق نہیں جانتے۔ اگر آپکو جواب حسبنا کتاب اللہ ناپسند آیا ہوتا تو ضرور آپ فرماتے کہ میں ضرور اس تحریر کو لکھواؤنگا۔ اور ناخوشی آپکو اس جواب سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نزاع و اختلاف سے ہوئی جو ثانی کی رائے سے لوگوں نے کیا۔

اقول۔ حضرت رسول اللہ صلعم پر تو کسی صورت میں اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا انکو فرماتا ہے۔ قل انما اتبع ما یوحیٰ الیّ۔ کہدے کہ یہی ہے اور اسکے سوا نہیں کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیجاتی ہے۔ پس حضرت کا یہ فرمانا کہ لاؤ میں تمہیں لکھدوں وحی سے تھا اور اگر آپنے ثانی و حزبہ کی مخالفت معلوم کرنے پر بالفرض نہ لکھوایا تو یہ بھی وحی ہی سے تھا۔ اور روایات شیعہ تو بتلاتی ہیں کہ حضرت نے یہ وصیت لکھوائی دیکھو جلاء العیون ذکر رسول خدا۔ اور بر تقدیر تنزل کہتے ہیں کہ وصیت تو لکھوائی تھی انہی اصحاب کیلئے۔ جب انہوں نے ہی مخالفت کی تو نتیجہ کیا تھا۔ کیونکہ اگر ان باقی ماندہ پانچ دنوں میں انہی اصحاب کے سامنے وصیت لکھنے کا ارادہ فرماتے تو پھر وہی ہوتا جو پہلے ہوا تھا۔ اور اگر کسی اہل بیت سے لکھواتے تو مخالفین کہدیتے کہ اول تو یہ حضرت کی تحریر نہیں۔ دوم حضرت نعوذ باللہ حالت ہذیان میں تھے۔ انکی تحریر کا کیا اعتبار چنانچہ خدا اسی طرح کا ایک واقعہ ارشاد فرماتا ہے ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم فقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین ۔ یعنے اگر ہم اتارتے تجھ پر کتاب کاغذ میں اور یہ اپنے ہاتھ سے اسے چھوتے۔ تو کافر کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے۔ اور حضرت علیؑ پر تو تب اعتراض ہو جبکہ آپ کسی کتاب شیعہ سے اس موقعہ پر آپکی موجودگی ثابت کرتے۔ اور مشورہ کیلئے امر کے صیغے استعمال نہیں کئے جاتے۔ آپنے صلا پر خود فرمایا ہے کہ جو لفظ جس معنے کیلئے موضوع ہو اسکے خلاف بغیر ضرورت (قرینہ صارفہ) مراد نہیں ہو سکتا۔ امر کے صیغے حکم اور وجوب کیلئے موضوع ہیں نہ مشورہ کیلئے۔ اور ثانی کی رائے میں کئی نقائص ہیں۔ اول یہ آپکی تحریر سے ثابت ہوا کہ الیوم اکملت کے نزول کے بعد سلسلۂ وحی بالکل بند ہو گیا تھا۔ اور وہ ہمکلامی کا شرف جو حضرت کو خدا سے تھا مسدود ہو گیا تھا۔ اور اسمیں حضرت کی شان میں کمی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے آپکی

نبوت سے معزولی ثابت ہوتی ہے اور اسکا ثابت کرنا بھی مشکل ہے کہ الیوم اکملت کے بعد کچھ نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ بخاری صفحہ ۳۲ میں ہے کہ آخری آیت سود کی آیت ہے جو نبی اکرم پر نازل ہوئی۔ اور دوسری جگہ پر ہے کہ آخری سورت براءت اور آخری آیت یستفتونک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ الیوم اکملت کے بعد احکام نازل ہوتے رہے ہم اسکو مان لیتے ہیں کہ حضرت بطور تاکید ہی لکھوانا چاہتے تھے لیکن کیا تاکید لغو ہے خدا نے تاکید کیلئے قرآن میں اقامۂ نماز کے حکم کو کئی دفعہ نہیں فرمایا! تو کیا ایک ہی آیت کو سننے کا حکم ہے۔ باقیوں کو رد کر دینا چاہیئے۔ سوچنے کا مقام ہے کہ وہ وصیت بخاری جتنی بڑی تو نہ تھی۔ کہ حضرت کو لکھوانے میں سالہا سال لگتے۔ چند سطری وصیت اور وہ بھی لکھنے والا اور حضرت صرف ارشاد فرمانے والے۔ کیا حضرت کو اس بہ ہنگام شور سے زیادہ زحمت ہوئی یا اس وصیت کے لکھوانے میں ہوتی اگر خاموشی سے لکھوائی جاتی۔ آخر حضرت باتیں تو کرتے ہی تھے۔ پس یہ عذر بھی بارد ہے۔ مان لیتے ہیں کہ حضرت کو امتحان منظور تھا۔ لیکن متکلم کے الفاظ سے منشاء امتحان نکلا جاتا ہے۔ حضرت کو یہ امتحان منظور تھا کہ پہلے تو یہ مخالفتیں کرتے رہے ہیں آیا اب میرا آخری حکم مانتے ہیں یا نہیں۔ اور آیا یہ ضلالت سے بچنے کا انہیں خیال ہے یا نہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن تنہا کافی نہیں ورنہ قرآن کے ساتھ مبین قرآن کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس جواب سے آپکو معلوم ہو گیا کہ میں نے تو حدیث ثقلین میں قرآن کے ساتھ اہل بیت کو شامل کیا ہے۔ لیکن اسکے بڑوں نے مجھے باولا (مجنون) کہا اور انہوں نے ہذیانی میں کہتا ہوں دونوں کو پکڑو۔ لیکن یہ بظاہر صرف قرآن کو ہی لینے کا دعوے کرتے ہیں۔ یہی میرے اہل بیت علیہم السلام کے مخالف ہونگے۔ اور بات تو دراصل یہ ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کا قائل ہی فرد دیگر الوی کا بانی ہے۔ اسی نے حدیث رسول کے مقابل میں یہ جملہ کہکر اپنا عقیدہ ظاہر کر دیا کہ وہ رسول کی حدیث (بات) کو ہذیان سمجھتا ہے نعوذ باللہ منہا۔ مدیر النجم نے روئداد مطبوعہ میں حوالۂ ہذیان کو نہ صرف حذف کر دیا بلکہ کمال دلاوری سے یہ لکھدیا کہ یہ مضمون شیعہ مناظر نے بیان ہی نہیں کیا۔ لیکن شاید انہیں سہو ہو گیا ہے۔ اور یاد نہیں رہا کہ صدر العالمین سے یہ مضمون بیان کیا گیا تھا۔ مولوی کرم دین صاحب نے بھی اشتہار میں ایک مناظرہ میں بیان ہونے سے انکار نہیں کیا۔ صفحہ ۳۲ پر اڈیٹر صاحب نے بھی لکھا ہے کہ شیعہ مناظر نے کئی ایک کتب اہل سنت کی عبارتیں اور روایتیں پڑھیں۔ اگر یہ ان تمام روایات کو لکھدیتے تو خود بخود انکی سچائی معلوم ہو جاتی۔ اب اس بات کا مزید ثبوت

سُنئے کہ حدیث رسولؐ کو ہذیان کہا گیا۔ صحیح مسلم کتاب الوصایا باب وصیۃ النبی فقالوا ان رسول اللہ یھجر۔ بخاری کتاب الخمس باب اخراج الیھود من جزیرۃ العرب فقالوا ما لہ اھجر۔ حدیث رسول کو ہذیان کہنے والا کون تھا۔ بخاری کتاب المرضیٰ باب قول المریض قوموا عنی وفی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب قال النبی ھلم اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدہ فقال عمر ان النبی قد غلب علیہ الوجع۔ نہایہ ابن اثیر ھجر ای اختلف کلامہ بسبب المرض... والقائل کان عمر۔ خیرجاری شرح بخاری ولا شک ایضاً ان عمر نھی الاصحاب عن احضار الدوات والقلم۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا حضرت رسول بیماری میں نعوذ باللہ بڑبڑا رہا ہے یہ کہنے والا حضرت دوم تھا۔ اور اسی نے صحابہ کو قلم دوات لانے سے روکا۔ حجرۂ نبوی میں دو قسم کے لوگ ہو گئے ایک تو کہتا تھا کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل کرو۔ دوسرا منع کرتا تھا۔ اب دیکھنا ہے کہ کون نزاع میں حق پر تھا۔ قرآن میں ہے لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم۔ یہ مومن نہیں بنینگے جب تک اپنے جھگڑوں میں تجھے منصف نہیں بنائینگے۔ تفسیر کبیر میں ذیل آیت یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت لکھا ہے وعدم الرضا بحکم محمد کفر حضرت کے حکم پر نارضامندی کفر ہے۔ اور تفسیر آیت فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ میں ہے من رد شیئاً من اوامر اللہ او اوامر الرسول فھو خارج عن الاسلام۔ جسنے خدا یا رسول کے کسی حکم کو رد کیا وہ اسلام سے خارج ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول کی موافقت کرنے والے۔ اس کے ارشاد کی تعمیل میں کوشش کرنے والے ہی حق پر ہیں۔ ان کے مخالفوں کے بارہمیں نتیجہ خود نکال لیں۔ اور یہ فطرتی بات ہے کہ ہر انسان اسی پر خوش ہوتا ہے جو اسکی موافقت کرے۔ رسول کو اپنے قول کے رد کرنے والے بھی اسی لئے برے معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ ناراضگی رسول اسلئے برحق ہوتی ہے کہ اسکا قول وحی ہوتا ہے۔ اسلئے بلا رضائے رسولؐ قول رسول کا رد کرنیوالا وحی کا رد کرنیوالا ہے۔ اسی لئے حضرت کا فرمان قوموا عنی (میرے پاس سے دور ہو جاؤ) بھی انہی کے لئے تھا جنہوں نے آپکے قول کو نہ مانا۔ اسکا ثبوت اس فقرہ سے ملتا ہے۔ والذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ جس کی شرح میں ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری باب مرض النبی میں لکھا ہے ای الذی اشرت الیکم بہ من الکتابۃ خیر مما تدعونی الیہ من عدمھا بل ھذا ھو الظاھر یعنے حضرت نے فرمایا کہ وصیت کا لکھا جانا بہتر ہے اسکے عدم سے اور یہ تشریح بالکل ظاہر ہے۔ اگر ثانی نے ٹھیک کہا ہوتا تو حضرتؐ اسکی تعریف کرتے اور یہ فرماتے کہ واقعی تو ٹھیک کہتا ہے لیکن حضرتؐ

اسکے خلاف فرماتے ہیں اسکی بات کو ناپسند فرماتے ہیں۔ بلکہ جو عورتیں یہ کہتی تھیں کہ تعمیل ارشاد حضرت کرو انکو روکنے والے صحابہ سے بہتر فرماتے ہیں دیکھو کنز العمال کتاب الشمائل باب وفات النبی۔ پس ثابت ہوا کہ حضور انور نمبر دو اور اسکی جماعت سے ناراض گئے نعوذ باللہ من غضب اللہ و رسولہ۔ اور اگر چند سکنڈوں کیلئے یہ مان لیں کہ ثانی کے مخالفین سے ناراض ہوئے۔ تو بھی آپ ہی کے مذہب پر زد پڑی۔ کیونکہ ان مخالفین میں امہات المومنین کا نمبر پہلے ہے۔ دیکھو کنز العمال حوالہ مذکورہ بالا۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ آخری وقت میں امہات المومنین سے ناراض گئے۔ اور جنکا انجام یہ ہو انکا مآل معلوم۔ لیکن کیا جب حضرت نے فرمایا۔ نکل جاؤ۔ تو سب بیبیاں حضرت کے گھر سے نکل گئیں۔ اگر نہیں تو یہ دوسری مخالفت حضرت کے حکم کی ہوئی۔ اگر حضرت کی زندگی میں ہی حضرت کے گھر سے نکل گئیں تو آپکے معنے اہل البیت کے مطابق وہ اہل بیت سے خارج ہوگئیں۔ ۶ آئنست جوابم کہ جوابش ندہی۔

قال۔ شیعوں کا یہ کہنا کہ رسولخداؐ حضرت علی کیلئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ جب غدیر خم میں ستر ہزار صحابہ کے مجمع میں بقول شیعہ انکو خلیفہ بنا چکے تھے۔ تو اس تحریر کا چند آدمیوں کے سامنے لکھوانا بے سود تھا۔ علاوہ ازیں اصول کافی صفحہ ۱۴۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم عباس کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ لیکن انہوں نے منظور نکیا۔ اگر منظور کرتے تو وہ خلیفہ بلافصل ہوتے۔ آپنے فرمایا اے عباس کیا تم محمدؐ کی میراث لوگے۔ اس میراث میں ہتھیار بھی ہیں اور کافی صفحہ ۱۴۵ میں ہے کہ جسکو ہتھیار ملگئے اسکو امامت ملگئی۔ اہل سنت کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ابوبکر کا خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے۔ مگر پھر فرمایا کہ ضرورت نہیں۔ آپنے ابوبکر کو امام نماز جو پیغمبر کا منصب ہے عطا کیا۔ حسبنا کتاب اللہ سے عمر صاحب کا مطلب یہ تھا کہ لکھی ہوئی چیزوں میں صرف قرآن کافی ہے۔ اگر اس سے یہ نکل سکتا ہے کہ احادیث کی ضرورت نہیں تو قرآن میں بکثرت حسبی اللہ وارد ہے اس کا نتیجہ یہ سمجھنا چاہئیے کہ نہ رسول کی ضرورت ہے نہ قرآن کی۔

اقول۔ آپنے تسلیم کر لیا ہے کہ جناب ثانی یہ سمجھے تھے کہ حضرت کسی پہلے حکم کی تاکید کرنا چاہتے ہیں۔ تو جس امر کی تاکید رسول اللہ ان موجودہ افراد صحابہ کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ انکو دگرفی کا کیا اختیار تھا۔ اگر انکے دلمیں کوئی کانٹا نہیں تھا۔ تو کیوں رسول اللہ کو تاکید نہیں کر دی۔ ہزارہا احادیث فریقین سے ثابت ہے کہ ایک امر حضرت نے ہزارہا صحابہ کے سامنے فرمایا ہے۔ پھر جب انہیں سے کسی اور موقعہ پر چند افراد بھی موجود ہوتے تو بھی آپ اسے تاکیداً بیان فرما دیتے۔ ابھی بے سود کیا ہے۔ عباس کے متعلق حدیث تو بالکل صاف ہے مگر تعصب کا کیا علاج۔ حضرت رسول عباس کو میراث نہیں دینا چاہتے تھے۔ بلکہ اسی کی زبان سے کہلوانا

چاہتے تھے کہ وہ اسکا حق نہیں رکھتا۔ اور جب عم رسول اسکا حق نہیں رکھتا تو اور کون اسکا
مستحق ہو سکتا ہے۔ جب عباس نے خود اپنا ضعف بتلا دیا تو حضرت نے فرمایا ساعطیہا
من یاخذھا بحقہا۔ میں میراث ایسے شخص کو دونگا جو اسکو حق کے ساتھ لیگا۔ چنانچہ
پھر آپنے سلاح وغیرہ حضرت علی کو دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسکا مستحق علیؑ ہی تھا سلور علی
ہی کو ملی اور اسلئے من صار الیہ السلاح کے مطابق علیؑ ہی امام ہوئے۔ من یاخذھا بحقہا
کی توضیح دیکھنی ہو تو مشکوۃ کتاب الامارہ ص۳۲۰ پر الامن اخذھا بحقہا دیکھیں عباس
کو یہ امانت دینے کا رسول اللہ نے اسی طرح ذکر کیا جس طرح خدا نے اپنی امانت آسمان اور زمین
اور پہاڑوں پر پیش کی۔ انا عرضنا الامانۃ علی السماوات والارض والجبال فابین
ان یحملنہا پ۲۲ لیکن انہوں نے لینے سے انکار کیا۔ تو کیا اس سے آپ یہ استدلال کر سکتے ہیں
کہ خدا جمادات کو اپنی امانت دینا چاہتا تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح عباس کے متعلق ہے اور
جسکی تشریح حدیث میں موجود ہے۔ اگر ابوبکر صاحب کی خلافت پر حضرت نے نص کر دی تھی تو انہوں نے
اسے سقیفہ میں پیش کیوں نہیں کیا۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بعد میں گھڑی گئی ہے۔
حضرت رسولؐ نے ابن ابی قحافہ کو کبھی پیش نمازی کے لئے حکم نہیں دیا۔ بلکہ وصال سے پہلے انہیں اسامہ
کے لشکر میں جانیکی تاکید کی اور فرمایا لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ (ملل ونحل جلد
۱/۲ مدارج النبوۃ وغیرہ) جو اسامہ کے لشکر سے پیچھے رہجائے اس پر خدا کی لعنت۔ پس جبکہ حضرت نے
انہیں باہر جانے کا حکم دیا تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ لوگوں کو انکے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیتے۔
کیونکہ وہ شرعاً حضور مسجد سے ممنوع تھے۔ یہ بات فرضی بنائی ہوئی ہے اور اگر بقول اہل سنت
یہ رسول کی مخالفت کرکے واپس آگیا تو پھر رسولؐ نے انہیں نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا کسی اور
نے دیا ہوگا جسے رسول نے کہا انکن صوحبات یوسف تم یوسف کی سہیلیوں کی طرح ہو
جنہوں نے جھوٹی بات یوسف کی طرف منسوب کی ویسے ہی تم بھی میری طرف جھوٹی بات منسوب
کرتی ہو کہ بیٹے اسے نماز پڑھانے حکم دیا (بخاری) جناب امیرؑ نے ایسے حکم کے صدور سے انکار کیا ہے
(منار الہدیٰ ص۳۰۸) اسلئے مخالف پر لازم ہے کہ شیعوں کی کسی صحیح روایت سے یہ بات ثابت
کرتا۔ امامت نماز آپکے ہاں پیغمبر کا منصب نہیں۔ کیونکہ اگر آپکے ہاں یہ پیغمبرؐ کا منصب ہوتا تو
چاہیئے تھا کہ امام نماز کے لئے آپکے ہاں عدالت و نیک کرداری کی شرط ہوتی حالانکہ آپکے امام
ابوحنیفہ صاحب نے فرمایا ہے۔ صلوا خلف کل بر و فاجر۔ مشکوۃ ص۱۶۳ پر بھی ہے۔ ہر بد و نیک
کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ اور بخاری ص۹۶ میں ہے کہ حرامی۔ بدعتی۔ ہیجڑے کے پیچھے بھی نماز جائز ہے
اس سے معلوم ہوا کہ آپکے ہاں یہ روٹی کمانے کا ذریعہ ہے نہ منصب نبیؐ۔ اور اگر امامت نماز سے
ہی کوئی خلافت کا حقدار ہو سکتا ہے تو چاہیئے تھا کہ وہی لوگ خلیفہ ہوتے جنکو حضرتؐ نے

اپنی زندگی میں نماز کے لئے امام مقرر کیا۔ لیکن حضرات عمر و عثمان صاحبان کا پیشنماز مقرر ہونا
ثابت نہیں۔ آپکی کتب سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن ابی مکتوم نابینا کو حضرت نے کئی دفعہ امام
نماز مقرر کیا۔ پس یہ شیخین کی نسبت احق بہ خلافت ہوا۔ خلافت نامہ بدر عائشہ کی روایت
موضوع ہے جامع الاصول میں ہے لا تصدق الشیعہ بنقل النص علی علی والمبکیہ
علی امامۃ ابی بکر لان ھذا وضعہ الاحاد اھلا۔ اور شرح ابن ابی الحدید جزو ۱۱
میں ہے ونحوا یتونی بدواۃ وبیاض الکتب لابی بکر کتابا لا یختلف فیہ اثنان
ثم قال یابی اللہ والمسلمون الا ابا بکر فانھم وضعوہ فی مقابلۃ الحدیث المروی
فی مرضہ ایتونی بدواۃ الخ یعنی بکریہ فرقہ نے ابوبکر کی امامت کی روائتیں وضع کی ہیں اور
یہ روایت کہ میرے لئے سیاہی کاغذ لاؤ تاکہ میں ابوبکر کی خلافت لکھدوں بنائی ہوئی ہے۔ حدیث
قرطاس کے مقابلہ میں۔ اور یہ آپنے عجیب بات کہی کہ لکھی ہوئی چیزوں میں قرآن ہی کافی
ہے۔ ذرا مہربانی کرکے اپنی احادیث مندرجہ بخاری و مسلم سے ہمکو کوئی ایسا لفظ دکھا دیں
جسکا مطلب لکھی ہوئی چیزوں میں سے ہو۔ اگر حضرت نے یہ فرمایا بھی تھا کہ قرآن کے سوا
مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ تو یہ صحابہ کے لکھنے کے متعلق تھا۔ نہ اپنے لکھنے کے متعلق۔ اور اگر قرآن
کے سوا اور کچھ لکھنے کا حکم نہ تھا۔ تو آپکی صحاح ستہ وغیرہ سب خلاف حکم رسول لکھی گئیں
حسبی اللہ قرآن میں بکثرت نہیں آیا صرف دو مقام پر یہ لفظ ہے۔ ایک ۱۱/۳ میں فقل
حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم تو کہ بس ہے
مجھے اللہ۔ کسی کی بندگی نہیں سوا اسکے۔ اسی پر مینے بھروسا کیا اور وہ رب عرش عظیم
ہے۔ دوسرا ۲۴/۱ میں ارشاد ہے قل حسبی اللہ علیہ یتوکل المتوکلون تو کہہ
بس ہے مجھکو اللہ اسی پر بھروسا رکھتے ہیں بھروسا رکھنے والے۔ شاید یہ الفاظ اس
قرآن میں بکثرت ہوں جسے بکری کا بچہ کھا گیا تھا۔ اب دیکھئے اول تو ان آیات میں
قائل اس قول کا رسول اللہ ہے اور انکو واقعی خدا کافی ہے۔ دوم حسبی کی تشریح
ساتھ ہی موجود ہے کہ کس امر کیلئے کافی ہے۔ اسلئے کہ اسپر توکل کیا جائے۔ وہی کفیل مہمات
ہے۔ اس طرح اگر کوئی دوسرا بھی یہ کہے تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ امور ربوبیت کی نسبت خدا
کی حقیقت مذکور ہوئی ہے۔ برخلاف حسبنا کتاب اللہ کے کہ اسمیں رسول کی بات کاٹ کر
یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں قرآن بس ہے۔ اس سے تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قائل کے نزدیک
احادیث کی ضرورت نہیں اور حدیث رسول لغو ہے فافہم شائد آپ یہ کہیں کہ حسبی اللہ
دو دفعہ ہی قرآن میں آیا ہے لیکن حسبنا اللہ بکثرت آیا ہے۔ اسپر میں عرض کرونگا کہ قرآن
پڑھئے تو آپکو معلوم ہو یہ بھی صرف دو دفعہ ہی آیا ہے۔ پہلا ۹/۳ میں اسمیں اس قول کے

قائلین کی تعریف پہلے ہی یہ وارد ہے الذین استجابوا للہ والرسول (جن لوگوں نے حکم مانا اللہ اور رسول کا) لیکن واقعہ زیر بحث میں حکم رسول نہیں مانا گیا۔ پھر یہ کہ حسبنا اللہ اسوقت کہتے ہیں جب انکو لوگ کہتے ہیں ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم کہ لوگوں نے تمہارے مقابلہ کو اسباب جمع کیا ہے ان سے ڈرو تو وہ کہتے ہیں ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔ دوسرا ۱۰پ۱۱ میں ہے ولو انہم رضوا ما اتاھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ اور اگر وہ راضی ہوتے اس سے جو دیا انکو اللہ اور اسکے رسول نے اور کہتے اللہ بس ہے دیگا ہم کو اللہ اور اسکا رسول اپنے فضل سے۔ یہ عطاء وغنائم کے بارہ میں ہے۔ اور اسمیں بھی جو رسول دے اسپر رضا پہلے ہو لیکن یہاں تو عطاء رسول سے روگردانی کیگئی۔

تین کی نسبت کتب سُنیہ کا بیان ۔ پہلے دو کی نسبت مسلم کی وہ حدیث جو ص۲۵ پر درج ہے۔ اسکا جواب مجلس مناظرہ میں تو کچھ نہیں دیا گیا۔ رومداد میں تحفۃ الشیعہ کی عبارت لکھدی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ **قال** ۔ جب عباس نے حضرت علیؑ کو کاذب غادر کہا۔ تو ثانی نے یہ کلمات الزاماً اول پر اور اپنے اوپر عائد کر لئے تاکہ علیؑ کو قدرے تسکین ہو۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جو تمہاری مرضی کے خلاف کرے تم اسے کاذب غادر کہدیتے ہو خواہ اسکی کاروائی حق ہو جیسے عباس نے علی کو کہے اسی طرح جب اول نے میراث میں تمہارے خلاف فیصلہ کیا تو تمنے گویا انہیں بھی ایسا کہا اور جب مینے کہا تو گویا تمنے مجھے بھی ایسا کہا جیسے علیؑ کو کہا۔ مقصود اس تقریر سے عباس کی ملامت اور علی کی تسکین بھی اور یہ جتانا منظور تھا کہ جس طرح عباس نے تمہاری نسبت یہ کلمات کہے۔ ہماری نسبت وہ اس سے پہلے کہہ چکے ہیں۔ اب انہیں شکایت نہ چاہیئے کیونکہ تم دونوں کی یہی عادت ہے۔ فی الواقع عباس وعلی نے شیخین کو یہ کلمات نہیں کہے صرف یہ الزام دینا مقصود تھا کہ عباس نے جو کلمات علیؑ کو کہے اس سے لازم آتا ہے کہ گویا ہم دونوں کو بھی یہی کہا۔ **اقول** کیا پھسپھسا تقریر ہے جسکا سر و پا ذرا نہیں ثلثہ کی براءت بالکل تثلیث کے ثبوت کیطرح ہے عبارت تحفۃ الشیعہ کا مکمل جواب تو روشنی اور استبصار الشریعہ وغیرہ میں دیکھیں لیکن میں بھی تھوڑی سی خدمت کئے دیتا ہوں۔ عباس نے علیؑ کو یہ کلمات نہیں کہے اسکے دلائل فتح المبین ص۳۹ پر دیکھیں بخاری میں تو یہ کلمات ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض کہے بھی ہوں تو علیؑ کی شان میں کوئی نقص نہیں آتا۔ کیونکہ انکی نسبت رسولخداؐ نے فرما دیا ہے علی مع الحق والحق مع علی (تفہیمات الٰہیہ) علیؑ حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ اسلیئے اس نزاع میں علیؑ ہی سچے ہیں۔

لیکن اگر علیؓ و عباس ہر دو شیخین کو ایسا جانتے تھے تو پھر معاملہ خرد برد اگر نہیں جانتے تھے تو
ثانی نے انپر یہ جھوٹھا الزام کیوں لگایا۔ اور اُنھوں نے اسکی تردید کیوں نہ کی۔ واقعات
بتلا رہے ہیں کہ وہ انکو ایسا جانتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ پہلے کو صادق و بار جانتے تو دوسرے
کے عہد میں پھر کیوں دعوے کرتے۔ اسی لئے ابن حجر کو بھی کہنا پڑا کہ انھما کانا یعتقد ان
ظلمہ من خالفھما فی ذالک کہ ثانی نے نسبت دی انکی طرف کہ یہ اس معاملہ میں اپنے
مخالفونکو ظالم جانتے ہیں۔ ان ہر دو کا اس عقیدے کی جو انکی طرف منسوب کیا گیا ہے
تردید نکرنا ہی دال ہے کہ انکا شیخین کی نسبت یہی اعتقاد تھا۔ اور اڈیٹر صاحب نے
بھی دبی زبان سے لکھدیا کہ انکی یہ عادت تھی کہ اپنے مخالفونکو ایسا کہا کرتے تھے۔
لیکن اس عادت کا ثبوت نہ دیا۔ صرف اسی موقعہ پر یہ الفاظ منقول ہیں۔ آپکا بار بار
گویا گویا کہنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ بات کو دبانا چاہتے ہیں۔ لیکن "نہاں کے ماند
آں رازے کزو سازند محفلہا"۔ ثانی تو کہتا ہے جئتمانی۔ تکلمنانی وکلمتکما واحدۃ
وامرکما واحد۔ کہ تم دونوں میرے پاس کہنے آئے۔ تم دونوں کی بات بھی ایک ہی تھی
اور امر بھی ایک ہی تھا (بخاری صفحہ ۳۴۴) اس سے معلوم ہوا کہ دونوں نے یہ کلمات ان
بیچارو نکو کہے۔ اور اگر عباس کو ہی سرزنش منظور تھی تو علیؓ کو مخاطب کیوں بنایا اور یہ
کس لفظ سے استنباط کیا ہے کہ تمنے علیؓ کو یہ کلمات کہے تو گویا ہمکو کہے۔ علی کو کہنے والا
بقول آپکے عباس تھا۔ علیؓ نے اپنے آپکو تو ایسا نہیں کہا تھا۔ پھر اسکو کیوں خطاب میں شامل
کیا۔ یہاں پر مولوی صاحب اصول فقہ کا مسئلہ خطاب بھی بھول گئے۔ اور پھر یہ تو فرمائیے
گویا کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ یہ آپکا مکڑی کا جالہ ایک ہی پھونک سے ہوا ہو گیا۔
۲۔ دوم و سوم کی نسبت ذہبی کا بیان صفحہ ۱۱ پر دیکھیں۔ جب یہ حوالہ شیعہ مناظر نے پڑھا
تو مدیر النجم بیچارے ذرا آگے بڑھے۔ جب اگلی عبارت بھی پڑھی گئی۔ تو پھر ایسے دم بخود
ہوئے کہ گویا سنا ہی نہیں۔ لیکن اب روئداد صفحہ ۴۴ میں طمطراق سے ثانی کی حمایت کی ہے۔
لیکن ثالث کی جیسے صحابہ نے امداد کی ویسے ہی یہ بھی انکی حمایت سے کنارہ کش ہی رہے
قال۔ نمبر دو نے بطور استفہام کہا تھا کہ کیا میں منافق ہوں۔ کیونکہ خاصان خدا
اپنے کو مجموعہ معائب سمجھا کرتے ہیں۔ اور اگر انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں منافق ہوں تو
یہ نہ منافق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ منافق اپنے کو کبھی منافق نہ کہیگا۔ **اقول** مخاطب
کی عربی دانی تو آج معلوم ہوئی۔ یہ معلوم نہیں استفہام کہاں سے نکالا۔ کیا ب استفہام
کے لئے ہے۔ مولوی صاحب نے ایسے مشہور ہو کر بچوں کی سی بات کیا کہدی۔ اگر باللہ
نہ ہوتا تو ہمزہ استفہام مقدر نکال سکتے تھے لیکن باللہ تو آپکا حیلہ نہیں چلنے دیتا۔ وہ

کہتے ہیں خدا کی قسم میں منافقوں سے ہوں - وہ قسم کھاتے ہیں اور آپ پھر بھی یقین نہیں کرتے - باللہ کی قسم اپنے بیان کی شہادت میں کھائی جاتی ہے - نہ استفہام کے وقت - اور اگر یہ کلام بطور استفہام ہوتا تو خصوصی کو اس روایت کی تکذیب کی کیا ضرورت تھی - وہ صاف کہدیتا کہ یہ استفہام ہے - اصلیت یہ ہے - کہ واقعہ عقبہ میں جنہوں نے جوانمردی دکھا دی تھی - وہ اپنے حال سے بخوبی واقف تھے حضرت نے انکے نام حذیفہ کو بتلا دئے تھے - اور اسی لئے حذیفہ کی نسبت عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے - ان حذیفہ بن الیمان کان صاحب سر رسول اللہ فی شان المنافقین وکان یعرفھم ولا یعرفھم بعد رسول اللہ من البشر - کہ یہ منافقوں کے بارہ میں حضرت کا صاحب راز تھا - یہ انکو پہچانتا تھا - احیاء العلوم میں ہے کہ ثانی نے حذیفہ سے پوچھا ھل عدنی رسول اللہ فی المنافقین آیا رسول خدا نے مجھے منافقوں میں شمار کیا ہے - یہ استفہام ہے - لیکن غزالی کا یہ قول درست نہیں کہ یہ کسر نفسی کے طور پر تھا - کیونکہ کسر نفسی تو یہ ہوتی ہے کہ میں گنہگار ہوں - برا ہوں - نہ کہ میں منافق ہوں - بے دین و مرتد و بے ایمان ہوں کافر ہوں - اگر خاصانِ خدا کا یہی معیار ہے کہ وہ اپنے آپکو منافق کہیں - تو رسول اللہ سے بڑھکر خاصہ قیوم کون ہوگا - انہوں نے کبھی ایسا کیوں نہ کہا - حضرت علی نے کیوں نہ کہا - اور اسکے علاوہ پر اس شخص کا استفہام بھی کچھ معنے رکھتا تھا - سلمان فارسی یا اور مقبول صحابیوں نے حذیفہ کے پاس جاکر یہ سوال کیوں نہیں پوچھا - اس کا یہ سوال کرنا بے معنے نہیں - جب اسنے دیکھا کہ حذیفہ اسکے اقرار کی تردید کرکے اسے بری نہیں کرتا تو اسے یقین ہوگیا کہ رسول اللہ نے حذیفہ کو منافقین کے ذیل میں اس کا نام بھی بتلایا ہے - اور قاعدہ ہے کہ عیبی واقف کے سامنے اپنا عیب نہیں چھپاتا - اسلئے اسنے بھی قسم کھاکر کہا کہ وہ تو منافق ہے - دیکھو میزان ذہبی وکرمانی شرح بخاری - اور ایک جلسہ میں حذیفہ نے بھی اسکی تصدیق کردی - چنانچہ بخاری میں اسود سے روایت ہے - قال کنا فی حلقۃ عبد اللہ فجاء حذیفۃ حتی قام علینا فسلم ثم قال لقد انزل النفاق علی قوم کانوا خیرا منکم قال الاسود سبحان اللہ ان اللہ یقول ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار فتبسم عبد اللہ وجلس حذیفۃ فی ناحیۃ المسجد فقام عبد اللہ فتفرق اصحابہ فرمانی بالحصاۃ فاتیتہ فقال حذیفۃ عجبت من ضحکہ وقد عرف ما قلت لقد انزل النفاق علی قوم کانوا خیرا منکم یعنے میں عبد اللہ بن عمر کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ حذیفہ آئے سلام کیا اور کہا کہ بتحقیق اترا تھا نفاق ایک قوم پر جو تم سے بہتر تھی - اسود نے کہا سبحان اللہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے خدا تو کہتا ہے کہ منافق نار جہنم کے نچلے طبقے میں ہونگے - پس تبسم کیا ابن عمر نے -

مجمع منتشر ہوا۔ حذیفہ گوشۂ مسجد میں بیٹھا۔ اور اُسنے میری طرف کنکر پھینکا۔ میں گیا تو
کہنے لگا کہ مجھے ابن عمر کی ہنسی سے تعجب آیا۔ بتحقیق وہ پہچان گیا جو کچھ کہ مینے کہا۔ نفاق
تم سے بہتر قوم پر اتار اگیا۔ حذیفہ کا اسبات کو عبد اللہ کو سنانا۔ اور اس قوم کو منافق
کہنا جو اس سے بہتر تھی۔ عبد اللہ کا ہنسنا اور حذیفہ کا اسکے ہنسنے کو تاڑ جانا۔ ظاہر کرتا
ہے۔ کہ یہ کون تھے۔ صاحب سر کی بات سر ہی میں ہونی چاہیئے۔ العاقل تکفیۃ الاشارہ۔

ام کلثوم زوجۂ عمر صاحب- **قال** - فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ جب عمر صاحب نے حضرت
علیؑ کو پیغام نکاح دیا تو حضرت علیؑ نے کہا وہ ابھی بچی ہے۔ پھر عمر عباس سے ملا تو کہا کہ
مینے تمہارے بھتیجے سے درخواست نکاح کی تھی اسنے انکار کیا ہے۔ اسے کہدو میں اسکی
عزت کو مٹا دونگا۔ اور دو گواہ بناکر اسپر چوری کا مقدمہ بناؤنگا اور اسکے ہاتھ کٹوا
دونگا۔ یہ پیام عباس نے حضرت علی کو دیا اور کہا اب مجھے اختیار دیدو چنانچہ آپنے
دیدیا۔ اسی جلد میں بصفحہ ۱۱۴ ہے کہ جب عمر صاحب مرگئے تو حضرت علیؑ ام کلثوم
کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لیگئے۔ اول فرج غصبناہ سے بنت علیؑ ہونا ثابت ہے
کیونکہ اگر یہ ام کلثوم ابو بکر کی لڑکی ہوتی تو امام اسکا اپنے سے غصب ہونا کیوں
فرماتے۔ دوسری روایت سے بھی یہی ثابت ہے۔ کیونکہ اگر بنت علی ہوتیں۔ تو
علیؑ کے پاس پیغام بھیجنے کی کیا ضرورت تھی ولایت بھائی کے ہوتے ہوئے حضرت علی
کو نہیں پہنچتی۔ تیسری بھی اسی کی مؤید ہے۔ کیونکہ اگر یہ غیر کی لڑکی ہوتی تو حضرت
علیؑ کو غیر کی جوان لڑکی کے ہاتھ پکڑنے کا کیا حق تھا۔ اگر وہ جاتیں تو اپنے بھائیوں کے
گھر جاتیں۔ جعدنہ کے ساتھ نکاح کرنے میں دغا بازی ہے۔ ام کلثوم کا بنت علی ہونا
اس سے بھی ظاہر ہے کہ کلینی نے عنوان باب میں بنت ابی بکر کی قید نہیں لگائی۔ اور کافی
میں اسکا مذکور ہونا ہی دلیل ہے کہ یہ حضرت کی لڑکی تھی۔ ہمنے مناظرہ میں بنت علیؑ کی لفظ
کسی روایت سے نہیں دکھلائی۔ لیکن بعد اہل تلہ گنگ کے استفسار کرنے پر لکھا کہ مجالس
المومنین میں کئی مقام پر اسکا ذکر ہے۔ مثلاً مجلس سوم میں ہے۔ ولی دختر بعمر دستاد م
مسالک شرح شرائع میں ہے زوج علی بنتہ ام کلثوم من عمر۔ اور روشنی جلد ا
نمبر ا صفحہ ۲۶ پر صدر المحققین مولوی ناصر حسین مجتہد نے لکھا ہے "دوکر میں روایات کتب
فریقین میں دیکھتا ہوں کہ جن ام کلثوم کا خطبہ حضرت عمر نے کیا اور تزویج ہوئی۔
انکی نسبت لفظ بنت استعمال کیا گیا ہے نہ ربیبہ" **اقول** مولوی صاحب نے اپنی روئداد
کے صفحہ ۲۳ پر فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ کی الفت و محبت فاروق اعظم کے ساتھ جہاں بیان
کیگئی تھی۔ اسی سلسلہ میں نکاح ام کلثوم کی بحث پیش ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپنے

صرف یہ ثابت کرنے کیلئے یہ بحث پیش کی کہ حضرت علیؑ کی حضرت عمر سے محبت تھی۔ لیکن ثبوت میں اسکے مخالف باتیں پیش کیگئیں۔ کافی کی جو روایات ذکر کی ہیں۔ اگر بالفرض محال یہی مان لیا جائے کہ انمیں بنت علیؑ کا ہی ذکر ہے۔ تو آئیے اب دیکھیں کہ ان سے نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ایکروایت میں تو یہ ہے کہ یہ لڑکی ہم سے غصب کیگئی۔ دوسری روایت یہ کہتی ہے۔ کہ حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام کو دھمکی دی کہ میں تم پر چوری کا جرم لگا کر تمہارے ہاتھ کٹوا دوں گا۔ تب مجبوراً حضرت علیؑ نے عباس کو اختیار دیدیا۔ اور اسکی تائید میں ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے فالجاۂ الی ان یزاھا ایاہ۔ یعنی علیؑ کو مجبور کیا۔ پس ان ہر دو روایات سے تو معاملہ بالعکس ثابت ہوتا ہے اسلئے بفرض محال اگر یہ نکاح ثابت بھی ہوجائے تو نتیجہ یہی نکلیگا کہ ائمہ اہل بیتؑ اس نکاح کے متعلق بھی حضور ثانی کو غاصب سمجھتے تھے۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ مولوی صاحب اپنے خلیفہ کیلئے یہ لفظ گوارا کریں۔ اسلئے یہ پیش کرنے ہی کے قابل نہیں۔ بہرحال باوجود آٹھ ماہ کی تلاش کے آپ شیعہ کی کسی روایت سے اس ام کلثوم زوجۂ عمر صاحب کا بنت فاطمہ و علی علیہما السلام ہونا ثابت نہ کرسکے۔ مجالس و مسالک سے بھی کوئی روایت پیش نہ کی۔ اور نہ کوئی ایسا قول دکھایا جس سے ثابت ہوتا کہ محبت کیوجہ سے یہ نکاح ہوا۔ اسکے مقابل کا قول ہم بھی دکھلا دیتے ہیں۔ آپکی معتبر کتاب بہجت السعداء میں لکھا ہے کہ عمر ابن الخطاب با ام کلثوم دختر ابی بکر نکاح کرد۔ یعنے حضرت عمر نے ابوبکر کی لڑکی ام کلثوم سے نکاح کیا۔ اور شیخ مفید نے جواب مسائل سرویہ میں فرمایا ہے کہ جناب امیرؑ کی اپنی لڑکی کی تزویج بعمر کی خبر ثابت نہیں۔ اس خبر کا طریقہ نقل زبیر بن بکار سے ہے جو متہم و غیر مامون ہے۔ اس اعتراض سے کہ کافی کے عنوان باب میں ام کلثوم کو بنت ابی بکر نہیں لکھا گیا۔ ہمیں کیا نقصان۔ آپ مدعی ہیں کہ یہ بنت زہراؑ و علیؑ تھیں اسلئے آپ اسکی دلیل دیں۔ ہم تو صاف کہدینگے کہ چونکہ نہ حدیث میں نہ عنوان باب میں بنت علیؑ و فاطمہؑ کی قید ہے اسلئے یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ یہ کسی اور کی لڑکی ہوگی۔ و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ اور یہ دلیل بھی الو کھی ہے کہ چونکہ کافی میں اسکا ذکر ہے اسلئے یہ بنت علیؑ ہے۔ ذرا مہربانی فرما کر یہ تو بتلائیں کہ یہ دلیل کی کونسی قسم میں داخل ہے۔ سنیئے کافی میں اس کا ذکر اسلئے ہوا۔ کہ امام معصوم کی زبانی اس نکاح کے متعلق ثانی کا غاصب ہونا بیان ہوا ہے۔ اسلئے یہ لکھی گئی تاکہ شیعوں کو معلوم رہے کہ ائمہؑ ان حضرات کو کیسا جانتے تھے۔ دوسری روایت کے متعلق آپ پوچھتے ہیں کہ اگر یہ حضرت علیؑ کی لڑکی نہ تھی۔ تو حضرت علیؑ کو اسکے نکاح کا پیام کیوں دیا۔ اسکے

متعلق عرض ہے کہ ولدیت ایک تو اسوجہ سے بیان نہیں ہوئی کہ اصل مطلب یہ بتلانا تھا
کہ یہ غاصب تھے۔ دوم اسلئے کہ بنت ابوبکر کا ثانی کی مخطوبہ ہونا مشہور و معلوم تھا۔
بنت ابوبکر کی مختصر تاریخ یہ ہے۔ یہ ۱۳ھ میں بعد ابوبکر کی وفات کے پیدا ہوئی (تاریخ
کامل جلد ۲ صفحہ ۱۶۱) اسکی ماں حضرت علیؑ کے نکاح میں آئی تو یہ بھی ماں کے ساتھ تھی۔
۱۷ھ میں عمر صاحب نے اس سے عقد کرنا چاہا (اسعاف الراغبین صفحہ ۹۱ واما ام کلثوم
بنت ابی بکر فخطبها عمر ابن الخطاب الی عائشہ (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۵۵۔
کامل جلد ۲ صفحہ ۲۱ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۱) حضرت عائشہ تو راضی ہوگئی۔ لیکن یہ لڑکی راضی نہ ہوئی۔
اسکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عمر صاحب نے اسی کیلئے حضرت علیؑ سے سلسلہ جنبانی کی۔ آپنے کہا تھا
انها صبیتہ وہ ابھی بچی ہے۔ اور اسکی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے۔ کہ یہی ام کلثوم تھی
جس کی عمر اسوقت چار سال کی تھی۔ برخلاف حضرت ام کلثوم بنت علیؑ و فاطمہؑ کے جو حضرت
رسول کی زندگی میں پیدا ہوئیں۔ اور اسلئے صواحبات رسول میں شمار ہیں۔ (استیعاب)
اور ۱۱ یا ۱۲ھ میں جب مقدمۂ فدک ہوا تو اسمیں انہوں نے گواہی دی اور اپنی والدہ سے روایت
بھی کی۔ (اسنی المطالب) بقاعدۂ محدثین تحمل روایت کیلئے کم از کم پانچ برس کا سن ہونا
ضروری ہے۔ جب ۱۱ھ میں اغلاً ۵ برس کی ہوئیں تو ۱۷ھ میں بارہ برس کے قریب ہوئیں۔
اور یہ وہ سن ہے جسمیں عرب کی عورتیں بالغہ کاملہ ہو جاتی ہیں اور انکے نکاح کیلئے انکا یہ
سن کم نہیں خیال کیا جاتا۔ حضرت عائشہ تو نو سال کے سن میں ہی بیاہی گئیں پس معلوم ہوا
کہ یہ ام کلثوم جسکو حضرت علیؑ نے صبیہ کہا تھا وہ وہی تھی جسکا سن اسوقت چار سال کا تھا۔
اور وہ بنت ابوبکر تھی۔ ایک اور بات یہ ہے کہ ام کلثوم زوجۂ عمر اور اسکے بیٹے زید نے
بیک روز عہد معاویہ میں انتقال کیا۔ لیکن ام کلثوم بنت علیؑ تو معرکۂ کربلا میں موجود تھیں
پس چونکہ یہ واقعات سب کو معلوم تھے۔ اور اسسے یہی ظاہر تھا کہ عمر والی ام کلثوم ابوبکر کی
لڑکی ہے اسلئے نہ امام نے اور نہ محدث نے اسکی ولدیت بوجۂ شہرت واقعہ بیان کی۔ اور اس کا
لینے سے غصب ہونا اسلئے فرمایا کہ ام کلثوم بنت ابی بکر کی والدہ پہلے حضرت جعفر برادر علیؑ کی
تزویج میں رہ چکی تھی۔ اسلئے خاندان جعفر کا اسپر زیادہ حق تھا ام کلثوم بنت علی کی نسبت
ابن ماجہ وابی داؤد نے لکھا ہے۔ اعلم ان المسماة بکلثوم اثنتان احدهما کلثوم
بنت الراهب وثانیهما کلثوم بنت علی ابن ابی طالب فوقعت نکاح کلثوم بنت
علی مع محمد بن جعفر الطیار ووقعت نکاح کلثوم بنت الراهب مع عمر ابن الخطاب
یعنی ام کلثوم بنت علی کا نکاح محمد بن جعفر طیار سے ہوا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا از روے مذہب
تسنن نکاح ہاشمیہ کا غیر ہاشمی سے جائز ہے یا نہیں۔ کنز الدقائق صفحہ ۲۰۰ پر ہے کہ اگر غیر کفو

میں نکاح ہو جائے تو انمیں جدائی کرنا چاہئے اور قریش ایکدوسرے کے کفو ہیں اور عرب آپسمیں
برہان الدین نے شرح میں لکھا ہے کہ اگرچہ عرب میں قریش بھی شامل ہیں لیکن بوجہ فضیلت
قریش کو الگ ذکر کیا۔ اور عربوں کو انکا کفو نہیں کیا۔ اسی بنا پر بنی ہاشم کو بھی عام قریش سے
الگ کرنا چاہئے کیونکہ بنی ہاشم قریش سے افضل ہیں۔ اسپر مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری نے
بخاری ص۷۶۳ حاشیہ ۲ میں لکھا ہے والصحیح تقدیم بنی ہاشم و المطلب علی غیرھم
کہ صحیح یہی ہے کہ بنی ہاشم و مطلب کو اوروں پر مقدم رکھنا چاہئے یعنی یہ آپسمیں کفو ہیں دوسرے
بطون قریش انکے کفو نہیں انھوں نے پھر زوجۂ مقداد و کندی کے بارہمیں خود سوال کیا ہے
کہ یہ ہاشمیہ تھی اسکا نکاح غیر ہاشمی سے کیوں ہوا۔ اسکا جواب خود دیا ہے۔ انہا رضیت
ھی و اولیاءھا فسقط حقھم۔ کہ یہ اور اس کے اولیاء راضی ہو گئے اسلئے انکا حق ساقط
ہو گیا ان دلائل کے رو سے بنت فاطمہ و علی کا کفو عمر ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اسکی اور اس کے
اولیاء کی رضا ثابت ہوتی ہے کہ ان کا حق ساقط ہو اور اس نکاح سے کوئی عمدہ نتیجہ نکالا جائے
آپکے مذہب کے رو سے اسکی والدہ اسکی ولیہ تھی نہ اسکے بھائی بہن (کنز الدقائق باب الاولیاء
ص۱۰۲) اور یہ حضرت علیؑ کے نکاح میں تھی۔ اور اسکے ساتھ ہی اسکی یہ لڑکی بھی تھی۔ اسی لئے
حضرت عمر نے علیؑ کو کہلا بھیجا کہ اسکا نکاح مجھ سے کر دو لیکن جناب امیرؑ کو یہ بات بھی ناپسند تھی
کہ کسی غیر کی لڑکی جو آپکے گھر میں پرورش پاتی ہو حضرت عمر صاحب سے بیاہی جائے۔ اس لئے
آپنے انکار کیا۔ تیسری حدیث کا مضمون یہ ہے کہ امام سے پوچھا گیا کہ جس عورت کا خاوند
مر جائے وہ عدہ کہاں گذارے۔ خاوند کے گھر یا جہاں چاہے تو آپنے فرمایا جہاں چاہے۔
اگر حدیث میں یہ ہوتا کہ خاوند یا باپ کے گھر میں ایسی عورت عدہ گزارے۔ تو البتہ اس
ذکر سے کہ حضرت علیؑ اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لیگئے۔ یہ ضرور ثابت ہوتا کہ یہ حضرت علیؑ کی
لڑکی تھی۔ لیکن حدیث میں "جہاں چاہے" کے الفاظ ہیں۔ اسلئے یہ عورت اپنی ماں کے
گھر میں عدہ گزارنے کیلئے گئی جو حضرت علیؑ کی زوجیت میں تھی۔ تعجب ہے کہ آپ کو ابھی تک
یہ بھی معلوم نہیں کہ ربیبہ اپنے سوتیلے باپ کی محرم ہوتی ہے۔ اور اسے اس باپ سے پردہ
کا حکم نہیں۔ قرآن میں وربائبکم اللاتی فی حجورکم (تم پر ربائب حرام ہیں)
اور بخاری کا ص۷۶۵ بغور ملاحظہ کریں تو آپ یہ اعتراض ضرور واپس لینگے کہ حضرت
نے غیر کی جوان لڑکی کا ہاتھ کیوں پکڑا + رسالۂ روشنی کی کسی مجتہد شیعہ نے توثیق نہیں کی اور
نہ جناب شمس العلماء مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ دام مجدہم نے اسمیں کچھ لکھا ہے۔ وہ ایک
اڈیٹر کا لکھا ہے اسلئے ضروری نہیں کہ اسکے تمام مضامین سے شیعوں کو اتفاق ہو۔ اڈیٹر
صاحب کا یہ لکھنا تو صحیح ہے کہ سنیوں کی کتابوں میں اسکو بنت علی لکھا گیا ہے۔ لیکن شیعہ کی

کسی روایت میں بنت فاطمہؑ و علیؑ نہیں۔ جو کچھ انہوں نے اس بحث میں لکھا ہے وہ شیعوں کی کتابوں اور روایتوں سے نہیں لکھا بلکہ سنیوں کی روایات پر بنا رکھکر بطریق جمع بین روایات فریقین لکھا ہے دیکھو ابتداء تمہید صفحہ ۲ اور پھر رسالۂ مذکورہ کے صفحہ ۶ پر لکھا ہے کہ نتیجہ اس واقعۂ عقد کا زیادہ اس سے نہیں نکلتا کہ یہ امر صرف نام رکھنے کیلئے بغرضِ اذیت آل رسول لکھا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صاحب روشنی کے نزدیک یہ واقعہ صرف برائے نام ہے اور دراصل بنت علیؑ و فاطمہؑ سے یہ عقد نہیں ہوا اور اسی لئے مصنف صواعق محرقہ کے زمانہ تک سنی سادات بھی اس نکاح سے انکار کرتے تھے۔ (صواعق صفحہ ۲۷۶) حقیقت تو یہی ہے کہ یہ واقعہ صرف آل رسول کو اذیت دینے اور انکی اہانت کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ اور اسمیں ایسی ایسی باتیں خاندان نبوت کیطرف منسوب کی گئیں۔ جنہیں پڑھکر ایک محب آل رسولؐ کا کلیجہ شق ہوتا ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے اسے بنا سنوار کر ثانی کے پاس بھیجا۔ میاں جی نے اسے چھاتی سے لگایا اور اسے چوما (صواعق محرقہ صفحہ ۲۶۵) نعوذ باللہ۔ ساٹھ سالہ پیر فرتوت اور چار سالہ بچی سے یہ سلوک۔ اور پھر اسے بنت فاطمہ کہکر خاندان رسولؐ کی توہین کیجاتی ہے۔ خدا سمجھے ظالموں سے۔ اور اگر ان واقعات کو جو ان حضرات نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں دیکھا جائے تو اس نکاح کا باطل و مردود ہونا ثابت ہے۔ صواعق صفحہ ۲۶۳ پر لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں نے اسے پسر جعفر کیلئے رکھا ہے۔ اور بخاری میں صاف لکھا ہے کہ خطبہ پر خطبہ ناجائز ہے۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ ام کلثوم اسے طمانچہ مارنے لگی استیعاب میں ہے لولا انک امیر المومنین لطمت علیک اگر تو حاکم نہ ہوتا تو میں تجھے طمانچہ مارتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سے متنفر ہوگئی اور اس نکاح سے ناخوش تھی۔ جب ناخوش ہوئی تو نکاح کیسے درست ہوا۔ جسکے متعلق مفصل بحث کنز مکتوم میں ملاحظہ کریں۔ یہاں اتنا ہی کافی ہے ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ یہودی حضرت مسیح کو صلیب دینے لگے۔ تو خدا نے کسی اور کو اسکی شکل پر کرکے مسیح کو بچالیا۔ کیا اسکو بھی دغابازی کہینگے۔ ابھی تک تو آپ اسے مانتے ہیں۔ جب آپ مرزائی ہونگے تو پھر اور طرح کا جواب دیا جائیگا۔

زوجات عثمان صاحب۔ قال ۔ حضرت عثمان کی زوجات میں سے رقیہ و ام کلثوم رسول اللہؐ کی لڑکیاں تھیں۔ دیکھو اصول کافی صفحہ ۲۷۸ نہج البلاغہ صفحہ ۳۲۲ حضرت علیؑ نے عثمان کو کہا قد نلت من صھرہ ما لم ینالا انہ رسولؐ کی دامادی کا شرف پایا جو شیخین نے نہیں پایا۔ **اقول** ۔ رقیہ و ام کلثوم عثمان صاحب کی زوجیت میں ضرور

آئی تھیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ حضرت کی صلبی لڑکیاں تھیں مخاطب کی پیش کردہ عبارت جامع کا قول ہے نہ حدیث اور جامع نے دیباچہ میں خود لکھا ہے فمھما کان فیہ من تقصیر یعنی جو کچھ کتاب کافی میں تقصیر ہو اسمیں میرا گناہ نہیں۔ کیونکہ میری نیت میں تقصیر نہیں صـ۳۹ اس سے معلوم ہوا کہ کافی کی ہر بات اور حدیث کو خالی از تقصیر نہیں کہہ سکتے۔ خصوصاً جامع کے اقوال کو۔ اسلئے شیعہ کافی کو صحیح کا خطاب نہیں دیتے۔ چونکہ اسمیں تمام ضروریات دین کا علم موجود ہے۔ اسلئے اسے کافی لشیعتنا کہا گیا۔ شیعوں میں سے صاحب اعلام الورٰی نے تو لکھا ہے کہ یہ لڑکیاں حضرت کی ربائب (پچھلگ) تھیں۔ اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ایک خاص رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت کی صلبی لڑکیاں نہ تھیں۔ اور مجلسی نے مراۃ العقول جلد اصـ۳۵۳ پر لکھا ہے۔ وروی احمد البلاذری وابوالقسم الکوفی فی کتابیھما والمرتضیٰ فی الشافی ان النبی تزوج بھا (خدیجہ) کانت عذراء ویوکد ذٰلک مافی کتابی الانوار والبدع ان رقیہ وزینب کانتا ابنتی ھالہ اخت خدیجہ۔۔۔ وفی الانوار والکشف واللمع وکتاب البلاذری ان زینب ورقیہ کانتا ربیبہ من جحش یعنی الانوار والبدع میں ہے کہ رقیہ و زینب حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ کی لڑکیاں تھیں اور انوار۔ کشف۔ لمع اور کتاب البلاذری (معتبر مؤرخ اہل سنت) میں ہے کہ یہ خدیجہ کی ربائب تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس بات پر خود تمام سنیوں کا بھی اتفاق نہیں کہ یہ حضرت رسول کی حقیقی لڑکیاں تھیں۔ پس اگر یہ ربائب تھیں تو ربیب وربیبہ پر ابن وبنت کے الفاظ اطلاق ہوتے ہیں جیسا کہ مجمع البحرین لغت ربا میں لکھا ہے یقولون لابن المراۃ ابنہ یعنی لغت میں عورت کے پچھلگ کو مرد کا بیٹا کہتے ہیں۔ اسطرح یہ لڑکیاں اگر بنات رسول کہلاتی ہوں تو اس سے انکا حقیقی لڑکیاں ہونا غیر ثابت اور اگر یہ ہالہ کی لڑکیاں تھیں۔ تو چونکہ ہالہ اپنے شوہر ابو ہند کے مرنے کے بعد اپنی بہن خدیجہ کے ہاں اپنی اولاد کو لیکر آگئی۔ تو خدیجہ اسکی اولاد کی خالہ ہوئی اور خالہ بمنزلہ مادر ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ اپنی بہن کی اولاد کی تربیت بھی کرتی تھی۔ اسلئے ایسی خالہ کو ماں کہکر ضرور پکارتی ہونگی اور اسطرح یہ بنات خدیجہ و بنات رسول پکاری جاتی تھیں۔ جیسا کہ زید کو اسوجہ سے ابن رسول کہتے تھے کہ حضرت نے اسکی پرورش کی تھی۔ سنیوں کی مندرجہ ذیل کتب و دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضرت کی صلبی اور حقیقی لڑکیاں نہ تھیں۔ احمد فاروقی مجدد سرہندی نے مکتوبات جلد ۳ صـ۳۶ میں لکھا ہے کہ حضرت رسول قبل از بعثت کسی ایسے فعل کے مرتکب نہیں ہوئے جو در حقیقت

بُرا تھا اور اسلئے بعد از بعثت اسکی حرمت نازل ہو گئی ہے مثلاً حرمت شراب کا حکم مدینہ میں آیا۔ لیکن رسولخدا نے نزول حرمت سے پہلے نہ خود کبھی شراب پی اور نہ کسی کو پلائی اور نہ کسی کو پینے کیلئے کہا۔ اس دلیل فاروقی کی بنا پر جسکو اُنھوں نے اپنے ہاں کی ایک حدیث سے استنباط کیا ہے ایک قائل کہہ سکتا ہے کہ مشرکوں سے نکاح کرنا بُرا تھا اسی لئے مدینہ میں اس نکاح کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا۔ اگر یہ لڑکیاں رسول اللہ کی حقیقی و صلبی لڑکیاں ہوتیں تو حضرت قبل از بعثت انکا نکاح مشرکوں سے کبھی نہ کرتے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ حضرت بعثت سے پہلے بھی مومن کامل تھے۔ تو کوئی مومن کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ کہ اپنی لڑکیاں غیر مومن و مسلم کو دے۔ لیکن ان لڑکیوں کی شادی مشرکوں سے ہوئی زینب کی ابو العاص سے۔ رقیہ کی عتبہ بن ابی لہب اور ام کلثوم کی عتیبہ بن ابی لہب سے۔ اگر ان لڑکیوں کے شوہروں کو دامادی کا فخر ہو سکتا ہے تو یہ فخر دو کافروں عتبہ اور عتیبہ کو بھی ہوا۔ جو حالت کفر میں ہی مرے۔ اسپر اگر یہ ایراد کیا جائے کہ جس وقت یہ لڑکیاں کفار سے بیاہی گئیں۔ اسوقت تو حضرت پر شریعت ہی نازل نہوئی تھی۔ اور نہ اسوقت کفار سے نکاح کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تھی اسکا جواب یہ ہو گا کہ قبل نزول شریعت بھی حضرت بُرے اور حرام کاموں سے محترز تھے۔ تو اگر مشرکوں سے نکاح کرنا بُرا تھا تو آپنے انکا نکاح انسے کیوں کیا۔ اور اگر بالفرض کوئی شریعت اسوقت نازل نہوئی تھی تو پہلے انبیاء کی شریعت تو موجود تھی۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی بُت پرستوں سے نکاح حرام تھا۔ توریت کی کتاب احبار میں ابتک یہ حکم موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو یہ دعا کی تھی رب اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا۔ اور بت پرست سے بیزاری کرنا اور الگ رہنا آپکی ملت تھی چنانچہ ارشاد ہے فلما تبین لہ انہ عدو اللہ تبرء منہ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپکی ملت میں بت پرستوں سے میل ملاپ یعنی شادی بیاہ کرنا حرام تھا۔ کیونکہ یہ علیحدگی کے منافی ہے۔ پس حضرت ملت ابراہیمی و شریعت موسوی کی جو اسوقت رائج تھی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ اور انکو ہالہ کی لڑکیاں ماننے پر حضرت پر کوئی اعتراض ہی نہیں آسکتا۔

دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ تاریخ اسلام سے کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ابتدائے اسلام میں ہی منافقوں سے قطع تعلقات کر دئے گئے ہوں۔ بلکہ منافق حضرت کے اصحاب میں شمار ہوتے تھے جیسا کہ نودی نے شرح مسلم میں لکھا ہے ان المنافقین کانوا معدودین فی اصحابہ (یعنی منافق حضرت کے اصحاب میں گنے جاتے تھے) اور انسے مسلمانوں کا سا برتاؤ

کیا جاتا تھا۔ کیونکہ ایک حدیث کسی اور مقام پر منقول ہوئی ہے کہ ابتداء اسلام میں صرف
کلمہ پڑھنے سے مسلمان مان لیا جاتا تھا اور اسکے مخلص یا غیر مخلص ہونے کی تمیز نہ کی
جاتی تھی۔ بخاری ۱۲۵؁ کی حدیث ومن کانت ھجرتہ الی الدنیا او امرأۃ ینکحھا کی شرح
میں لکھا ہے کہ طبرانی میں ہے ان رجلا کان یخطب امرأۃ بمکۃ فھاجرت الی المدینۃ
فبلغھا الرجل رغبۃ فی نکاحھا فسمی بمھاجر۔ یعنی ایک آدمی مکہ میں کسی عورت سے
خطبہ کیا کرتا وہ مدینہ کو ہجرت کرتی تو وہ مرد بھی اسکے پیچھے آتا اور مہاجر کہلاتا۔ اس سے
معلوم ہوا کہ کئی نکاح کیلئے ہی مسلمان مہاجر بنجاتے تھے۔ بخاری باب الاکفاء فی الدین ۷۶۲؁
کی شرح میں مولوی احمد علی حنفی نے لکھا ہے۔ والکفاءۃ فی الدین متفق علیہ فلا تحل
المسلمۃ لکافر اصلا کہ مسلمہ کا نکاح کافر سے حلال نہیں۔ چونکہ منافق بظاہر محکوم باسلام
تھے۔ اسلئے ان ایام میں اگر کسی مسلم نے کسی منافق کو اپنی لڑکی دیدی ہو تو اسکے منافق
کا مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جب رسولخدا جیسے اکمل المومنین کی صحبت محضہ سے اُن کا
ایماندار ہونا ثابت نہیں ہوتا تو کسی مسلمہ کی صحبت سے ثبوت ایمان غیر معلوم۔ تیسری
دلیل یہ ہے کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ۶؁ھ یعنی صلح حدیبیہ سے قبل مشرکات سے نکاح
کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس سال کے بعد جب آیت ولا تنکحوا المشرکات (مشرکہ
عورتوں سے نکاح نہ کرو) نازل ہوئی تو حضرت عمر خطاب صاحب نے اپنی مشرکہ
بیویوں قریبہ اور ام کلثوم بنت عمرو کو طلاق دی۔ اس آیت کے ساتھ ہی ولا
تنکحوا المشرکین (مشرکوں سے نکاح نہ کرو) بھی ہے۔ پس اگر ترتیب نزول یہی ہے
تو دونوں حکم ۶؁ھ کے بعد آئے۔ یا اقلاً یہ کہ مشرکوں سے نکاح کی حرمت صراحۃً ۶؁ھ
کے بعد نازل ہوئی۔ براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۰ پر لکھا ہے ورسول قبل از
نبوت دختر خود رقیہ را بہ عثمان تزویج نمود یعنی حضرت نبی اکرم نے نبوت سے پہلے
رقیہ کی شادی عثمان سے کی۔ قبل نبوت تو عثمان صاحب بالاتفاق کافر تھے۔ اسلئے
اُنکے ساتھ اس لڑکی کا بیاہا جانا ایسا ہی ہے جیسے عتبہ سے۔ نہ اُسکو اس نکاح سے کچھ
شرف ہے نہ اس کو۔ اور ۲؁ھ میں رقیہ کا انتقال ہوگیا۔ جبکہ زینب بھی ابوالعاص
کافر کے پاس ہی تھی۔ ام کلثوم کی شادی عثمان صاحب سے ۳؁ھ میں ہوئی۔ جبکہ
مشرکوں سے بھی شادی صراحتاً حرام نہوئی تھی۔ چہ جائیکہ منافقوں سے حرام ہوئی۔
اور اگر مان لیا جائے کہ اسوقت مشرکوں سے نکاح حرام ہوگیا تھا تو غیر مشرکوں
سے حرام تھا۔ نہ تازہ مسلمانوں سے جنکا نفاق اسوقت اچھی طرح ظاہر نہیں ہوا تھا
ابھی وہ ظاہر اسلام میں نئے نئے تھے۔ چونکہ ان تمام تازہ مسلمانوں سے جنمیں منافق بھی

شامل تھے مومنوں کا سا برتاؤ ہوتا تھا۔ اسلئے اگر ایسے وقت میں ام کلثوم ایسے سے بیاہی
گئی تو باعث شرف نہیں۔ اور چونکہ بظاہر یہ حلقۂ اسلام میں تھے جیسے کہ دیگر منافقین بھی
تھے اسلئے بعد میں بھی اگر ام کلثوم کی انسے جدائی نہ کی گئی ہو تو بھی کوئی شرف ثابت نہیں
کیونکہ سنیوں کی معتبر کتاب جامع الاصول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یا دیگر مومنین تالیف
قلوب کیلئے بھی مؤلفۃ القلوب کو جو ایمان میں پختہ نہیں تھے لڑکیاں دیا کرتے تھے۔
اس کتاب میں لکھا ہے کہ اسماءؓ نے حضرت علی علیہ السلام کو کہا کہ تو حضرت فاطمہ علیہا السلام
کی حضرت رسول سے خواستگاری کر۔ تو آپنے فرمایا کہ میرے پاس دولت نہیں ولست
بما بورفی دینی فیو دینی بہا رسول اللہ۔ اور میں مامور یعنی مؤلفۃ القلوب میں سے نہیں ہوں
کہ حضرت لڑکی دیکر مجھے دیندار بنائیں۔ چوتھی دلیل۔ اگر یہ صلبی لڑکیاں ہوتیں تو آیۂ
تطہیر کے ذیل میں انکا بھی نام ہوتا لیکن انکا نام ہی نہیں بلکہ رسول اکرم نے حضرت علیؑ
فاطمہؑ و حسنین علیہم السلام کے بارے میں فرمایا۔ اللّٰھم ھؤلاء آل محمد (براہین فاطمہ صفحہ ۲۲۴)
یہ آل محمد ہیں اگر یہ صلبی لڑکیاں ہوتیں تو آل محمد تو تھی ہیں۔ بلکہ آپکے نزدیک تو اہل بیت میں
بھی حضور کی سب اولاد شامل تھی۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۹۱) پس حضرت رسول کا
انکو اپنی آل میں شمار نہ کرنا انکے آل نہ ہونیکی دلیل ہے۔ نہ حضرت مباہلہ میں انکو یا انکی اولاد کو
لیگئے۔ پانچویں دلیل۔ حضرت اکثر فخریہ فرماتے تھے و بنت محمد سکنی و عرسی لیس انصاف
دہید نسبت کہ ام کس را از شما چو مثل نسبت من است (ترجمہ صواعق محرقہ صفحہ ۲۲۳)
یعنی رسول کی لڑکی میری بیوی ہے۔ انصاف کرو کہ تم میں سے کس کو یہ نسبت حاصل ہے
یعنی کسی کو نہیں۔ چھٹی دلیل۔ بروایت ابو یعلےٰ و طبرانی مروی ہے کہ اولاد فاطمہؑ کا
عصبہ اور ولی میں ہوں اور عصبہ قرابت پدر اور مطلق قرابت پر اطلاق کرتے ہیں۔
(براہین فاطمہ صفحہ ۲۶۳) اگر حضور کی کوئی اور حقیقی لڑکی ہوتی تو حضرت انکا بھی عصبہ ہونے
حضرت فاطمہؑ کی اولاد کو سیادت کا شرف حاصل ہے۔ اگر یہ حضرت کی لڑکیاں ہوتیں تو انکی
اولاد بھی سید کہلاتی حالانکہ ایسا نہیں۔ ساتویں دلیل۔ براہین فاطمہ صفحہ ۲ میں ہے کہ حضرت
عمر کہتے تھے کہ کاش وہ تین باتیں جو علی میں ہیں مجھ میں ہوتیں انمیں سے ایک تزویج دختر رسول
ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر عثمان صاحب کی تزویج دو دختران رسول سے ہوئی ہوتی
تو عمر صاحب اسپر رشک کرتے نہ علی پر۔ آٹھویں دلیل۔ اگر بالفرض یہ حقیقی لڑکیاں
بھی ہوں تو انکے زوج کو اگر وہ مومن نہیں کوئی شرف نہیں۔ دیکھئے امراۃ حضرت
آسیہ فرعون کی عورت تھی تو فرعون کو اس سے کچھ شرف حاصل ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور حضرت
فاطمہؑ کا معاملہ تو بالکل الگ ہے۔ انکا کسی کی زوجیت میں آنا بالضرور باعث فضیلت ہے۔

کیونکہ حضرت نے فرمایا کہ اگر علی نہ ہوتا تو اسکا کوئی کفو ہی نہ تھا۔ (ارجح المطالب) اسی لئے
حضرت نے انکے بارہ میں شیخین کے خطبہ کو رد کیا۔ کافی میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس سے زوجات ثالث کا
حقیقی بنات رسول ہونا ثابت ہو۔ نہج البلاغۃ میں جناب امیر علیہ السلام نے مجازاً صہر
رسول فرمایا کیونکہ یہ بوجہ ربائب یا پرورش یافتہ ہونے کے بنات رسول کہلاتی تھیں۔
اور قرآن میں آیہ قل لازواجک وبناتک میں بناتک سے مراد بنت اور بنات البنت
ہیں جیسا کہ بخاری صفحہ ۷۶۵ پر ہے کہ حضرت نے ام حبیبہ کو کہا لا تعرضن علی بناتکن
یہاں لڑکیوں سے لڑکی کی لڑکیاں مراد ہیں۔ اور قرآن میں ارشاد ہے۔ حرمت علیکم
امہاتکم وبناتکم الخ تم پر تمہاری لڑکیاں حرام ہیں یہاں لڑکیوں سے صرف لڑکیاں ہی
مراد نہیں بلکہ لڑکی کی لڑکیاں وغیرہ بھی مراد ہیں۔

یزید ملعون شیعہ مناظر نے کتب مخاطب سے یزید کا خلیفہ ہونا بیان کیا۔ اور ایسی بیہودہ
تقریر کی۔ کہ مجمع میں کھلبلی مچ گئی کہ مخالفین کے ہاں یزید بھی خلیفہ مانا گیا ہے۔ سنی مناظر نے ایک حرف
بھی اسکی تردید میں نہیں کہا۔ لیکن روئداد میں ایک لمبی چوڑی تقریر بنالی ہے۔ اگر مدیر انجم حلفاً بیان
کر دے۔ کہ یہ مضمون انہوں نے واقعاً مجلس مناظرہ ۱۰ اپریل ۱۹۱۰ء میں پڑھا۔ تو ہم انکی روئداد کو
صحیح ماننے کے لئے تیار ہیں۔ بہر حال اب تقریر روئداد سنئیں۔ **قال**۔ خلیفہ ہونا کوئی فضیلت
وخوبی نہیں ہاں خلیفہ کے ساتھ عادل یا راشد یا برحق کی لفظ بھی ہو تو تعریف ہو سکتی ہے
یزید کو علماء اہل سنت نے ظالم و جابر لکھا ہے۔ شیعوں کے ہاں بھی مطلق خلافت و امامت
کوئی وصف نہیں۔ فاسق و فاجر بھی امام کہا جا سکتا ہے۔ نہج البلاغۃ صفحہ ۱۰۰ پر ہے لا بد
للناس من امیر بر او فاجر صفحہ ۳۲۳ ان شر الناس امام جائر ضل وضل بہ۔
کافی صفحہ ۲۹۵ پر یزید کو خلیفہ لکھا ہے۔ فی خلافۃ یزید بن معاویہ۔ **اقول** مولوی صاحب
نے آٹھ ماہ میں تلاش تو بہت کی۔ لیکن بنا کچھ نہیں ناظرین ذرا صفحہ ۳۲ رسالہ ہذا و صفحہ ۱۱ فتح
المبین ملاحظہ کریں۔ اب مولوی صاحب کی تقریر کا جواب سنئیں۔ مدیر صاحب نے مغالطہ دینے
کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں تو مطلق لفظ خلافت فضیلت وخوبی میں مستعمل ہوتا ہے۔ آپنے
روئداد میں کسی جگہ لفظ خلفائے ثلثہ استعمال کیا ہے راشد عادل برحق کی قید بہت کم
لگائی ہے۔ تو یہ بلحاظ فضیلت وخوبی استعمال کیا ہے یا کسی اور لحاظ سے۔ اور آپنے
اسپر تو غور ہی نہیں فرمایا کہ یزید کا ذکر کنکے ساتھ ہوا ہے۔ کس سلک میں اسے منسلک
کیا گیا ہے۔ بارہ دانوں کا ایک ہار بنایا گیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ سب خلیفہ ہیں۔ ان خلفاء
کی نسبت مشکوۃ صفحہ ۳۰۵ پر منقول ہے۔ کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء
کلما ہلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء یعنی بنی اسرائیل

ہیں جب کوئی نبی مرجاتا تھا تو اسکے پیچھے نبی ہوا کرتا تھا۔ میرے بعد نبی کوئی نہیں۔ بلکہ خلیفے
ہونگے۔ اور دوسری روایت میں ان خلفاء کی تعداد بارہ بتلائی ہے۔ اسلئے معلوم ہوا
کہ یہ ۱۲ خلیفے اس امت میں ایسے ہونگے جیسے بنی اسرائیل میں نبی۔ چونکہ آپکے علماء
نے یزید کو بھی ان بارہ میں شمار کیا ہے۔ اسلئے آپکے ہاں یہ بھی نبی کی طرح ہے۔ دوسری
بات یہ ہے پہلے تین کو آپ خلیفہ برحق کہتے ہیں۔ تو چونکہ عبارات محولہ میں ان بارہ
کیلئے صرف لفظ خلفاء استعمال ہوا ہے۔ جو دلالت کرتا ہے کہ سب یکساں خلیفے ہیں
جب تین آپکے خیال میں برحق ہوئے تو باقی نو معہ یزید بھی برحق ہوگئے۔ اگر انکی خلافت
میں کوئی امتیاز ہوتا تو وہ دکھلایا جاتا۔ بہ حیثیت خلافت کے کوئی فرق نہیں
رکھا گیا۔ اسلئے سب ایک جیسے خلیفے ہوئے۔ اور غیر رشد۔ ظلم و فسق سے آپکے ہاں خلیفہ
خلافت سے معزول نہیں ہوتا لا ینعزل الامام بالفسق آپکے ہاں مشہور ہی ہے
دیکھئے النجم جلد ۳ مضمون ۳ دربارۂ خلفاء اثنا عشر جسمیں یزید کو بھی خلیفہ مانا گیا ہے
(الشمس جلد ۲ نمبر ۷ صـ ۱۷) کتب شیعہ کے حوالے آپکے لئے کچھ مفید نہیں۔ پہلے حوالہ میں
لفظ امیر ہے نہ امام و خلیفہ۔ دوسرے میں امام ظالم کی ذم ہے۔ آپ ایسی مثال دیتے
جس میں مطلق لفظ امام و خلیفہ مقام ذم میں استعمال ہوا ہوتا۔ ہم تو یہ مانتے ہیں
کہ امام دو طرح کے ہیں۔ ایک داعی الی الجنۃ دوسرا داعی الی النار۔ لیکن جہاں مطلق
لفظ امام آئیگا خصوصاً امام خیار کے ذیل میں۔ وہ مقام فضیلت میں ہی آئیگا۔ اسکی بہت
سی مثالیں دے سکتا ہوں۔ تیسرے حوالہ میں آپنے کانٹ کی ہے کافی میں خلافت یزید
بن معاویہ لعنہ اللہ ہے۔ اس سے اگر کچھ نکلتا ہے تو یہی کہ یزید خلیفہ ملعون تھا
اور اسکی خلافت ملعونہ۔ اب اور طریقہ سے سمجھاتا ہوں۔ آپکے ہاں خلافت حقہ کا
معیار کیا ہے۔ اگر اسپر خلافت یزید مردود ٹھیک آگئی تو آپکے ہاں کے معیار کے رو سے
یہ حقہ ہوگئی۔ ازالۃ الخفاء میں تین شرائط خلافت حقہ کی بیان کی ہیں۔ ۱۔ اہل حل و عقد
کا اجماع یزید پر جیسا اجماع ہوا ثلثہ پر بھی نہ ہوا تھا (شفاء مرآۃ الجنان وغیرہ)۔
۲۔ پہلا خلیفہ جانشین کرے۔ معاویہ نے اسے خلیفہ کیا (نزل الابرار باب ۳ فصل ۱۰)
۳۔ رعایا پر غلبہ و تسلط۔ یہ بھی یزید کے حق میں آپکے ہاں مسلم ہے۔ (تاریخ الخلفاء
صواعق محرقہ) ۴۔ قرار اہل حل و عقد از برائے کسے کہ اہل او باشد (صواعق محرقہ صـ ۱۳۲)
اہل حل و عقد آپکے ہاں صحابہ ہیں۔ انہوں نے بھی یزید کو خلیفہ مان کر اسکی بیعت کی۔ (اخبار
اہل حدیث امرتسر) اور بخاری صـ ۱۰۵۳ پر ابن عمر کا قول ہے۔ انا قد بایعنا ھذا الرجل
علی بیع اللہ ورسولہ۔ اور عقائد نسفی صـ ۱۱۲ پہ ہے و تبعہ المسلمون من الصحابۃ

عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کی اور کہا کہ اسکی بیعت بیعتِ خدا اور رسول ہے (بخاری)
ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی شرح میں لکھا ہے (فی ھذا الحدیث وجوب طاعۃ
الامام الذی انعقدت لہ البیعۃ والمنع من الخروج ولو جار فی حکمہ ولا
ینخلع بالفسق کہ اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ جس امام کی بیعت ہو جائے اسکی اطاعت
واجب اور اسپر خروج منع ہے اگرچہ وہ اپنے حکم میں ظالم ہو۔ فسق و ظلم سے اسکا تعلع نہیں
ہوتا اور کنز العمال میں جہاں یزید کو ائمہ اثنا عشر میں شمار کیا ہے اسکے آخر میں لکھا ہے کہ
جو ان بارہ کی بیعت سے انکار کرے اُسے قتل کرد۔ اب دیکھ لیں کہ ان معیاروں پر آپکے
یزید کی خلافتِ مردودہ پوری اُتری۔ اور اسلئے آپکے ہاں یہ خلافت حقہ مانی گئی۔ اسی لئے
ابن تیمیہ نے استخلاف یزید کو آپکی احادیث سے ثابت کیا ہے (کوکب منیر شرح جامع صغیر)
اور اسی بناپر یزید آپکے ہاں دعائے مغفرت میں داخل ہے (قول غزالی در تاریخ ابن خلکان)
اور محی الدین عربی نے لکھا ہے کان یزید اماما مطاعا کہ یزید امام مطاع تھا اور ابن تیمیہ
نے لکھا ہے کہ ایک گروہ (سنیوں) کا اسے امام عادل ہادی مہدی۔ ولی اللہ بلکہ نبی بھی مانتا
ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۵) تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۲ پر ہے کہ زمانہ عمر بن العزیز تک لوگ
یزید کو امیر المومنین کہتے تھے۔ اب تیسرے طریقہ سے سمجھاتا ہوں۔ بخاری صفحہ ۹۶ پر ایک روایت ہے
(اسمعوا واطیعوا وان استعمل حبشی صفحہ ۹۷ قال لابی ذر اسمع واطع ولو لحبشی۔
مولوی احمد علی سہارنپوری حاشیہ پر لکھا ہے۔ ان المراد بہ عبد حبشی والمستعمل ای جعل امیرا
والیا والسنۃ ان یتقدم فی الصلوٰۃ الوالی۔ ووجہ الاستدلال بہ انہ اذا امر
بطاعتہ فقد امر بالصلوٰۃ خلفہ فان قلت کیف یکون العبد والیا والشرط فی الولایہ
الحریۃ قلت بان یولیہ بعض الائمہ او یتغلب علی البلاد بالشوکہ یعنے حضرت نے فرمایا
کہ اطاعت کر اگرچہ غلام حبشی تجھ پر امیر والی ہو۔ بخاری نے اسے باب امامت میں لکھا ہے اسکی
وجہ یہ ہے کہ جب اسکی اطاعت کا حکم دیا۔ تو اسکے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم بھی اسی میں
آگیا۔ اور یہ سنت ہے کہ والی نماز میں امام ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ غلام کیسے والی ہو سکتا ہے
جبکہ ولایت کیلئے حریت شرط ہے اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یا تو ایسے والی غلام کو بعض ائمہ
نے مقرر کیا ہو یا وہ شوکت سے خود بلاد مسلمین پر متسلط ہو جائے + اس سے معلوم ہوا کہ
آپکے مذہب میں جسکو غلبہ ہو جائے وہ امام برحق اور اس قابل ہے کہ نماز میں بھی امام ہو۔ جب
نماز جیسے رکن دین میں امام ہوا تو دیگر امور میں بالاولے بنگیا۔ یزید کو اسکے باپ نے والی بنایا۔
پھر عیاض قاضی وغیرہ نے اسکی شوکت یوں ثابت کی۔ کہ امام حسینؑ کا کام نہ بنا۔ وہ امور
کے منتظم ہونے سے پہلے ہی قتل ہو گئے۔ رہگیا یزید متسلط بالشوکہ۔ پس بخاری کی حدیث کے رو سے اسکی

اطاعت آپ پر فرض ہوتی - اور صفحہ ۲۳ پر آپنے خود لکھا ہے کہ جسکی اطاعت فرض ہو وہ نبی کا خلیفۂ برحق ہے - پھر چونکہ یہ بوجہ والی ہونے کے نماز میں آپکا امام بھی ہو گیا - آپ کے صحابہ نے اسکے پیچھے نمازیں پڑھیں - اسلئے بھی یہ آپکے دین میں برحق خلیفہ ہو گیا - کیونکہ خلافت ابوبکر کے ثبوت میں آپنے لکھا ہے کہ جو نماز پڑھائے وہ خلیفۂ برحق ہے - براہین قاطعہ صفحہ ۴۳ بھی دیکھیں - چونکہ مذہب اہل خلاف میں یزید خلیفۂ برحق تھا - اور اسکا مخالف واجب القتل اسلئے ایکے ابن العربی مالکی نے لکھدیا لم یقتل الحسین الا بسیف جدہ - ای لانہ الخلیفہ والحسین باغ علیہ حسینؑ نے چونکہ یزید خلیفۂ برحق نبی کی اطاعت نہ کی اسلئے آپ اپنے نانا کی تلوار سے مارے گئے - (شرح قصیدۂ ہمزیہ از ابن حجر شارح بخاری) اور اسلئے اس فرقہ نے ذکر حسینؑ کو بھی حرام قرار دیا چنانچہ غزالی نے لکھا ہے یحرم علی الواعظ ذکر الحسینؑ کہ وعظ پر ذکر شہادت حسینؑ حرام ہے - (صواعق محرقہ)

قرآن شریف - سنی مناظر نے اپنی پہلی تقریر میں ہی شیعوں پر عدم ایمان بالقرآن اور تحریف کا الزام لگایا تھا - لیکن جب شیعہ مناظر نے دندان شکن جواب دئے - تو پھر اسکا نام بھی نہ لیا - اور نہ اعتراضات کا جواب دیا - اور اتنے مرعوب ہوئے کہ اپنی روئداد میں اسکے متعلق نہ اپنی تقریر نقل کی اور نہ شیعہ کے جوابات - اور کمال دیانت سے صفحہ ۳۶ پر یہ لکھدیا کہ اگر اہل سنت کو خارج از بحث مسائل پیش کرنا منظور ہوتا تو پہلے ہی سے وہ بدا - تقیہ اور عدم ایمان بالقرآن کی بحث کو پیش کر لے - حالانکہ اُنھوں نے ہی یہ بحثیں چھیڑیں جسکی شہادت مولوی کرم دین صاحب کے مضمون مندرجہ روزانہ پیسہ اخبار لاہور ۲۶ $\frac{5}{18}$ میں موجود ہے - باوجود منہ کی کھانے کے مدیر النجم تعریض سے باز نہ آیا اور کئی جگہ روئداد میں لکھا کہ شیعوں کا ایمان قرآن پر نہیں - اور اگر ہم کسی آیت کو پیش کریں تو شیعہ کہینگے کہ خدا کو اسمیں بدا ہوا ہے + اسلئے ہمیں ضرورت ہوئی کہ اسپر بھی کچھ مختصر مضمون لکھا جائے - واضح ہو کہ شیعہ قرآن شریف کو کلام الٰہی جانکر اسپر ایمان رکھتے ہیں - اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ یہ اسکے کسی حکم کے منکر نہیں اسلئے یہ کہنا بالکل فضول ہے کہ یہ قرآن کو نہیں مانتے - شیعوں کے تمام اصول و عقائد کی کتابیں دیکھیں تمام میں قرآن پر اعتقاد رکھنے ہی کو ایمان کہا گیا ہے - اور احادیث بھی بکثرت وارد ہیں - احتجاج میں ہے قال امیر المومنین ان اخذتم بما فیہ (ای فی ھذا القرآن المدون) نجوتم من النار فان فیہ حجتنا وبیان حقنا وفرض طاعتنا اگر تمنے اس قرآن پر عمل کیا تو آگ سے نجات پائی کافی صفحہ ۲۸۴ میں حضرت صادق نے فرمایا ان ھذا القرآن فیہ منار الھدی ومصابیح الدجی کہ اس موجودہ قرآن میں ہدایت کیلئے نور اور اندھیروں کے چراغ ہیں - شیعہ قرآن کو مقدم رکھتے ہیں اپنی زندگی میں اسی پر عمل کرتے ہیں - نمازوں میں اسی کو پڑھتے ہیں اموات کو

ایصال ثواب کیلئے اسی کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور میت کو بھی یہی تلقین کرتے ہیں۔ کہ خدا کے حضور کہنا القرآن کتابی کہ قرآن میری واجب العمل کتاب ہے۔ اور مولوی شبلی قرآن کے معتبر ہونے کی بڑی زبردست دلیل یہی دیتے ہیں کہ فرقہ شیعہ بھی اسے مانتا ہے۔ رہا قرآن میں بدا۔ یہ شیعوں کے ہاں تو نہیں۔ البتہ جنکا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن رائے عمر پر نازل ہوا کرتا تھا۔ انکا یہ اعتقاد ہوگا۔ کیونکہ جب عمر کی رائے بدلجائے۔ قرآن بھی بدلجائیگا۔ انکی رائے کا بدلجانا حدیبیہ کے واقعات میں درج ہو چکا ہے۔ اسلئے فرقہ عمریہ قائل ہوگا کہ قرآن بھی بدلگیا۔ بحث تحریف تو شیعہ مناظرنے بقدر ضرورت بیان کردی ہے۔ اب میں دکھاتا ہوں کہ کس گروہ کا ایمان قرآن پر نہیں ہو سکتا۔ ایک فرقہ ہے جو کتابت کلام اللہ بول اور نجس خون سے اور مردار کی کھال پر جائز سمجھتا ہے مفصل ص۳ فتح المبین پر دیکھیں۔ سہ زاشیا نجس تحریر قرآن۔ روا دارند ایں ابلہ فریباں + ابو سعید کازرونی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ واما من استخف بالقرآن او المصحف او بشیئ منہ ولو حرفا منہ او آیۃ... فھو کافر بالاجماع کہ جسنے قرآن کے ایک حرف یا ایک آیت کی بھی بیعزتی کی وہ کافر ہے + (۲) عبد الحق نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے ظاہر حدیث این است کہ مصحف حفصہ را بعد وفات او سوختند۔ کہ حفصہ کے قرآن کو اسکی موت کے بعد جلا دیا۔ تیسرے کی نسبت یہ مسلمہ بات ہے کہ اسنے قرآن جلائے (فتح الباری مشکوٰۃ۔ اتقان ص۱۲۶) اور کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے عن عائشہ انہا انکرت علیہ حرق المصاحف وقالت اقتلوا حراق المصاحف اور استیعاب میں ہے قالت عائشہ بحق عثمان اقتلوا حراق المصاحف یعنی حضرت عائشہ نے اسپر قرآن جلانے کا اعتراض کیا۔ اور کہا کہ قرآن جلانیوالے کو قتل کر دو۔ اور سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے جزم القاضی حسین فی تعلیقہ بامتناع الاحراق لانہ خلاف الاحترام۔ کہ قرآن جلانا منع ہے کیونکہ یہ خلاف احترام ہے سہ کجا تعظیم قرآن مطہر۔ کجا سوزیدن فرقان اکبر۔ (۳) ایک صحابی عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نامی تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں قرآن میں علی عزیز حکیم لکھ دیتا اور رہنا علیم حکیم ملا استیعاب ۳۹۳) اسکو ثالث نے امیر مصر وامام الجماعہ بنایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ انکو معتقد تحریف قرآن بہت پیارے تھے۔ (۴) اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کو مقدم نہیں رکھنا چاہیئے اور اسلئے انہوں نے کہا ہے کہ وہ حدیث جسکا مضمون یہ ہے کہ ہر حدیث کو کتاب اللہ پر عرض کرو۔ اگر اسکے موافق ہو تو عمل کرو ورنہ چھوڑ دو۔ موضوع ہے وقال الخطابی وضعتہ الزنادقہ (رسالہ شریف جرجانی) اور اسے زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ اور سفر السعادۃ ص۱۵۵ پر ہے کہ او منع موضوعات است۔ اسلئے یہ قرآن کو خبر واحد سے منسوخ کر لیتے ہیں حصول المامول ص۱۶۱

اور جب چاہتے ہیں اجماع سے قرآن کو منسوخ کر دیتے ہیں فکان الاجماع یجوز ناسخا للکتاب
والسنۃ شرح اصول بزدوی صفحہ ۱۴۵ - بلکہ قیاس سے بھی - و ذکر فی بعض الکتب
ان النسخ یجوز عند ابی القاسم بالقیاس الجلی دون الخفی صفحہ ۱۴۶ (۵) ازالۃ
الخفاء صفحہ ۹۲ پر ہے - الشافعی فی القدیم ان عمر ابن الخطاب صلی فلم یقرء فقال لھم
کیف کان الرکوع والسجود قالوا حسنا قال فلا باس - ثانی نے نماز پڑھی اور اسمیں
قرآن بالکل نہ پڑھا پوچھا رکوع و سجود کیسا تھا لوگوں نے کہا اچھا فرمایا پھر کوئی مضائقہ
نہیں - اسکے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ بانئے فرقہ عمر یہ توریت پڑھا کرتا تھا اور رسولخدا
سے کہا کرتا تھا کہ آپ اسے قرآن میں شامل کر لیں مشکوۃ صفحہ ۱۳۲ اسی لئے انکے ہاں حکم ہے کہ
اگر نماز میں بائیبل (انجیل توریت) بطور ذکر کے پڑھے تو یہ قرأت کافی ہوگی اور نماز
فاسد نہ ہوگی - در مختار صفحہ ۳۲ اور یہ بھی انہی کے مذہب میں ہے کہ جنب - حائض اور نفساء
کو توریت - انجیل اور زبور کا پڑھنا اور اسکو ہاتھ پر اٹھانا گناہ ہے - (مجموعہ خانی
فی عین المعانی لکمال بن عبد الکریم) (۶) قرآن میں ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ ہے -
لیکن معلوم نہیں اس فرقہ کو اس سے کیوں نفرت ہے کہ اسے نماز میں ہر سورت کے ساتھ
نہیں پڑھتے - (۷) فتاوے بزازیہ - در مختار صفحہ ۲۴۷ بیان مفسدات صلوۃ اور رد المحتار
کہ اگر نماز میں قرآن پڑھنے میں ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھے جس سے معنے نہ بدلیں یا
کوئی حرف یا کلمہ زیادہ یا کم کر دے - یا آگے پیچھے کر دے - تو نماز نہیں ٹوٹیگی اور ایسی بھی
تحریف کرے کہ جس کا اعتقاد کفر ہو تو بھی نماز نہیں ٹوٹیگی - مثلاً عصی آدم ربہ
پڑھے یعنی اصل آیت تو ہے کہ لغزش کی آدم نے اپنے رب کی اور یہ پڑھے "نافرمانی کی خدا
نے آدم کی تو بھی نماز نہیں ٹوٹتی +

تحریف کے متعلق بھی چند حوالے کتب سنیہ کے لکھ دیتا ہوں تاکہ ناظرین کو موقعہ کیوقت
آسانی ہو - (۱) ابن عمر نے کہا قد ذھب منہ قرآن کثیرا (در منثور) کہ کوئی یہ نہ کہے
کہ میں نے سارا قرآن لے لیا کیونکہ بہت کچھ اس قرآن سے چلا گیا - (۲) سورۂ احزاب بقرہ کے
برابر تھا - اب بہت سی آیتیں اسمیں کم ہو گئی ہیں - (اتقان) (۳) ایک سورہ مسبحات کے
برابر تھا وہ بھی ساقط ہو گیا (مستدرک، در منثور - اتقان) - (۴) سورۂ براءت ایک ربع
کے برابر بھی نہیں رہا - (اتقان) (۵) سورہ خلع اور حفد قرآن سے کم ہو گئے - (اتقان)
(۶) عمر صاحب سورۂ توحید میں یہ پڑھا کرتے تھے اللہ الواحد الصمد (ازالۃ الخفاء ۲۵۵)
(۷) یہی صاحب سورۂ فاتحہ میں صراط کو سراط الذین انعمت الخ پڑھتے تھے -
(کنز العمال صفحہ ۲۸۴) (۸) کنز العمال صفحہ ۲۸۴ اسی صاحب نے آل عمران کو یوں پڑھا ء الم

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیام ما سلکم فی سقر کے پہلے یا فلان پڑھاتے تھے۔
(۹) سورۂ جمعہ میں فامضوا الی ذکر اللہ کی جگہ فاسعوا الخ ہے (کنز العمال ص۲۹ ج۴)
(۱۰) عثمان صاحب نے کہا کہ اس موجودہ قرآن میں غلطیاں ہیں (مستدرک)۔ عائشہ نے کہا
ان ھذان لساحران۔ المقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ۔ ان الذین امنوا
والصابئون میں کاتب کی غلطیاں ہیں۔ (اتقان) اسی نے کہا ہے کہ الذین یوتون
ما اتوا میں تحریف کی گئی دراصل یاتون تھا (اتقان)۔ (۱۱) ابن عباس نے کہا حتیٰ
تستانسوا دراصل تستاذنوا تھا۔ کاتبوں نے غلطی کر دی (اتقان درمنثور)۔
اسی نے کہا کہ کاتب کو بینک آ گئی اسنے افلم ییئس الذین امنوا کو افلم ییاس
الذین امنوا لکھدیا۔ اس روایت کو صحیح کہا گیا ہے۔ (فتح الباری) اسی سے منقول ہے
کہ مثل نورہ کمشکوٰۃ دراصل مثل نور المومن کمشکوٰۃ تھا۔ کاتب نے غلطی کی
(اتقان) (۱۲) مجاہد نے کہا واذ اخذ اللہ میثاق النبیین دراصل میثاق الذین
اوتوا الکتاب تھا۔ (درمنثور)، (۱۳) ابو عبیدہ۔ ابن جریر۔ ابن منذر۔ ضحاک وقضی
ربک میں ووصی ربک کو اصل جانتے تھے (درمنثور) (۱۴) حمزہ بن زیات ولی سفیان
نے کہا کہ اسنے خود خدا سے سنا کہ یٰسین میں تنزیل العزیز الرحیم ہے۔ اور طٰہٰ میں
وانا اخترتک کی جگہ وانا اخترناک ہے۔ (الیواقیت والجواہر شعرانی)، (۱۵) ابو درداء
صحابی وما خلق الذکر والانثیٰ میں ما خلق کو زیادہ جانتا تھا۔ (مسلم بخاری ترمذی)
غرضیکہ کہانتک لکھوں۔ رسالہ الشمس وحد السارق مطبوعہ مطبع اصلاح کھجوہ کو ملاحظہ
کریں جس میں یہ بحث ایسی مکمل لکھی گئی ہے کہ اسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اور جسکا جواب آج تک
النجم سے ممکن نہ ہو سکا۔

عصمت انبیاء۔ ص۳۴ سے آپکو معلوم ہوا ہوگا کہ سُنی مناظر نے اپنے خلفاء کو طعن سے
بچانے کے لئے دو نبیوں پر حملہ کیا ہے اور اس سراسیمگی میں قرآن بھی غلط پڑھ دیا یا ابن
الام کو یا ابن امی کہا۔ معلوم نہیں ان لوگوں کو نبیوں سے خاص مخالفت کیوں
ہے۔ کہیں بخاری میں روایت لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہایا کرتے تھے اور
ایک کو ایک دیکھا کرتا تھا۔ اور حضرت موسےٰ اکیلے ہوکر (ننگے) نہاتے۔ بنی اسرائیل کہنے
لگے کہ موسےٰ کے اکیلے نہانے کی یہ وجہ ہے کہ اسکے خصیے بڑے ہیں۔ ایکدفعہ جبکہ موسےٰ
پتھر پر کپڑے رکھکر نہاتے تھے کہ پتھر کپڑے لیکر بھاگا۔ حضرت موسےٰ (نعوذ باللہ) اسکے
پیچھے ننگے بھاگے کہ او پتھر کپڑے دے۔ جب بنی اسرائیل نے موسےٰ کو ننگا دیکھا تو کہا
کہ ہمارا خیال غلط تھا۔ کہیں یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو مردوں کے زندہ ہونے میں شک

تھا۔ اور انہوں نے تین جھوٹ بھی بولے۔ عبد الحی نے کمال التہذیب حاشیہ جلال التہذیب
میں لکھا ہے کہ انبیاء سے خطا ہونا جائز ہے۔ شرح مواقف میں ہے کہ اکثر اہل سنت اشاعرہ
اور معتزلہ قائل ہیں کہ قبل از وحی انبیاء سے عموماً گناہ کبیرہ ہو سکتا ہے۔ اور عبد العزیز
نے تحفہ میں لکھا ہے کہ انبیاء سے گناہ اور خطا ہوئے۔ جب انہوں نے توبہ کی۔ اور شرح
عقائد نسفی میں ہے کہ بعد وحی انبیاء کا گناہ صغیرہ کرنا جائز ہے نیز دیکھو بقیۃ الزاہد
صفحہ ۹۔ اپنے اسی عقیدہ کی بنا پر سنی مناظر نے کہدیا کہ حضرت موسےٰ ہارون پر اس لیے
خفا ہوئے کہ انکو خیال ہوا کہ یہ بھی گوسالہ پرستی میں شریک ہو گیا ہے اور روئداد صفحہ ۴۲
پر کہا ہے کہ موسےٰ نے بیوجہ ایک نبی کی توہین کی اور یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اس معاملہ میں
اس سے بھی زیادہ طعن انگیز تقریر کیجا سکتی ہے لیکن دھمکی سے کیا حاصل آگے
آپ جیسوں نے کیا کسر اٹھا رکھی ہے کس نبی کو طعن سے چھوڑا۔ اور اور خود افضل تو
الرسل پر وہ وہ طعن جمائے کہ جنہیں پڑھکر مومنین کا کلیجہ شق ہوتا ہے دیکھئے جذب القلوب
و مدارج النبوۃ میں مسجد فضیخ کی وجہ تسمیہ میں لکھا ہے وامام احمد در مسند خویش از حدیث
ابن عمر آوردہ کہ ہمدریں موضع پیش آنسرور صلعم کوزہ از فضیخ آوردند وآنرا بخورد وازیں
جہت اورا مسجد فضیخ گویند یعنی حضرت نے مسجد فضیخ میں ایک کوزہ شراب کا پیا اس لئے
اسکا نام مسجد فضیخ پڑا۔ نعوذ باللہ۔ الحاصل مولوی صاحب کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے
کہ حضرت موسےٰ اسوقت ہارون کو نبی بھی نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ اگر نبی جانتے تو انہیں یہ
تو معلوم ہوتا کہ سنیوں کے عقیدہ کے خلاف نبی نبوت کے زمانہ میں گناہ کبیرہ نہیں کر سکتا ہے چہ جائیکہ
شرک جیسے کبیرہ کا مرتکب ہو۔ اور یا یہ کہ انہیں عصمت کی حقیقت ہی معلوم نہ تھی حضرت
موسےٰ جیسے اولو العزم نبی کی شان میں یہ گستاخی! مولوی صاحب! آپکا قیاس بالکل غلط
اور مخالف قرآن ہے۔ حضرت موسےٰ حضرت ہارون پر خفا نہیں ہوئے۔ اور نہ انکی توہین
کی بلکہ قرآن میں تو یہ لکھا ہے ورجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا۔ کہ اپنی
قوم پر خفا ہوئے۔ سر و داڑھی پکڑنے کا سر بھی بتلا دیتا ہوں۔ علامہ سید مرتضےٰ علیہ الرحمہ
نے تنزیہ الانبیاء میں لکھا ہے۔ کہ بنی اسرائیل حضرت موسےٰ پر بہت بدظنی کیا کرتے تھے
یہانتک کہ ایکدفعہ حضرت ہارون غائب ہوئے تو انہوں نے موسےٰ سے کہا کہ تو نے اسے
قتل کیا ہے۔ حضرت کلیم جب الواح توریت لیکر آئے۔ اور قوم کی حالت دیکھی۔ ہارون
کو کہا تو نے انہیں کیوں منع نہیں کیا۔ کیا تو نے میرا حکم نہ مانا $\frac{16}{13}$ اسکے بعد بھائی کا سر پکڑا
تاکہ اسے اپنے نزدیک کریں اور اسے کیفیت واقعہ پوچھیں۔ حضرت ہارون نے خیال کیا
کہ مبادا قوم اس فعل سے بدظنی کرے اسلئے استغاثہ کیا کہ میرے سر و داڑھی کو نہ پکڑیں تاکہ

قوم یہ بدظنی نہ کرے۔ کہ آپ مجھے ایذا دینا یا میری اہانت کرنا چاہتے ہیں۔ پھر واقعہ سنا دیا کہ قوم اپنے مجھے کمزور کردیا۔ یہ صحیح تاویل ایسی ہے کہ رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس کی تحسین کی ہے۔ الغرض ان لوگوں نے طعنوں سے نہ خدا کو بچایا نہ ملائکہ کو نہ انبیاء ومرسلین کو نہ قرآن پاک کو نہ اہل بیت کو اور الٹا الزام شیعوں پر جڑ دیا کہ یہ انکو نہیں مانتے انکی کتابوں سے نہ انبیا کی نبوت ثابت ہوتی ہے نہ ائمہ کا ایمان۔ لیکن ہم مخالفین کی کتابوں سے ہی ثابت کرتے ہیں کہ ہماری کتابوں سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر ص۵ پر لکھا ہے ومنع الشیعۃ صدور الصغیرۃ والکبیرۃ قبل الوحی وبعدہ کہ شیعوں کے ہاں انبیاء قبل اور بعد وحی تمام گناہان صغیرہ وکبیرہ سے پاک ہیں۔ ملا علی نے ایک اتہام بھی لگایا ہے۔ کہ شیعوں کے ہاں جائز ہے کہ نبی تقیہ میں اظہار کفر کرے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ جس کا ثبوت کتب شیعہ سے کوئی نہیں دے سکتا۔ شرح عقاید عضدیہ میں ہے ولا منع النقل من غیرھم کالشیعۃ المتبعین بما ذوی عن ائمتھم لاعتقادھم بعصمتھم خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شیعہ اپنے دوازدہ امام کی عصمت کے معتقد ہیں۔

آل محمدؐ - قال - لفظ آل بمعنے پیرو آتا ہے قولہ تعالٰے واغرقنا آل فرعون لہذا آل کی لفظ اصحاب کرام کو بھی شامل ہے۔ وہ آل کے اعلےٰ ترین افراد ہیں۔ اور جہاں آل کے بعد اصحاب کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ وہاں بطور تخصیص بعد التعمیم کے ہے۔

اقول - معلوم نہیں مولوی صاحب نے آل محمدؐ کے معنے سمجھنے کے لئے آل فرعون کو کیوں انتخاب کیا۔ کیا فرعون کو آپ رسول اللہ جانتے ہیں۔ کہ آل محمدؐ کو اسکی آل پر قیاس کرلیا۔ واہ آپکے ایمان کا کیا کہنا۔ اگر آل محمدؐ کے معنے سمجھنے ہوں تو بخاری شریف دیکھیں درود کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے فکیف الصلوۃ علیک قال قولوا اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت (علی ابراھیم کما فی المشکوۃ) علی آل ابراھیم -(۲) وبارک علی محمد وآل محمد کما بارکت علی ابراھیم وآل ابراھیم اے خدا رحمت نازل کر محمدؐ اور اسکی آل پر جیسے تونے رحمت نازل کی ابراہیم اور آل ابراہیم پر اور برکت بھیج محمدؐ وآل محمدؐ پر جیسے تونے برکت بھیجی ابراہیم وآل ابراہیم پر۔ آل محمدؐ کے معنے سمجھنے کیلئے آل ابراہیم کی تلاش کرو۔ اگر آل ابراہیم میں پیرو شامل ہیں تو خیر۔ ورنہ اسکے وہی معنے ہیں جو آل ابراہیم کے ہیں۔ پ۳ آل عمران ع۴ - ان اللہ اصطفےٰ آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم۔ اللہ نے چن لیا ہے آدم۔ نوح۔ آل ابراہیم اور آل عمران کو جہانوں پر۔ کہ اولاد تھی ایک دوسرے کی۔ لفظ ذریت نے بتلا دیا کہ آل ابراہیم سے ذریت ابراہیم مراد ہے۔

اور تشریح فرمائی۔ ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب کلاً ھدینا۔۔ ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون۔۔ وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس۔۔ واسماعیل والیسع ویونس ولوطا وکلاً فضلنا علی العالمین ومن اباءھم وذریاتھم واخوانھم واجتبیناھم وھدیناھم الی صراط مستقیم۔ ہم نے دئے ابراہیم کو اسحاق ویعقوب۔ اسکی ذریت سے داؤد۔ سلیمان۔ ایوب۔ یوسف۔ موسیٰ وہارون۔ زکریا۔ یحییٰ۔ عیسیٰ۔ الیاس۔ اسماعیل۔ الیسع۔ یونس ولوط کلے۔ اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ آل ابراہیم سے ذریت واولاد ابراہیم مراد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بوجہ انکی والدہ کے ذریت ابراہیمی میں شمار کیا۔ اسی طرح آل محمدؐ سے ذریت محمدؐ من بطن فاطمہ سلام اللہ علیہا مراد ہے۔ آل ابراہیم میں سب کو رحمت خاصہ خدا نہیں ملی۔ صرف انبیاء و اوصیاء کو ملی۔ اسی طرح کی رحمت آل محمدؐ کیلئے بھی ہے۔ لیکن یہاں بوجہ ختم نبوت لفظ نبی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ پس آل محمدؐ سے حضرت فاطمہؑ علی اور ذریت طاہرہ صدیقہ سلام اللہ علیہا مراد ہیں نہ کوئی اور۔ انما حدیث الی کل مومن تقی۔ (ہر پرہیزگار میری آل ہے) ضعیف ہے (جواہر قاطعہ صفحہ ۲۴۷) اور اسلئے قابل تمسک نہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب آیۂ درود نازل ہوئی تو حضرت نے فرمایا تم کہا کرو۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد۔ اسیراء نے فرمایا فحق علی کل مسلم ان یصلی علینا فریضۃ واجبہ کہ ہر مسلمان پر فرض ہوا کہ ہم پر درود بھیجے (ینابیع المودۃ صفحہ ۹) اس سے معلوم ہوا کہ درود میں آل محمد سے صرف اہل بیت مطہرین مراد ہیں نہ صحابہ۔ شیخ سلیمان حنفی نے اسی مقام کے اخیر میں لکھا ہے فمن ھذہ الدلائل ثبت انہ صلعم ادخل نفسہ المکرمۃ المبارکۃ فی الہ فمن صلی او سلم علی الہ کانہ صلی وسلم علیہ لانہ منھم وھم منہ ومن صلی وسلم علیہ بضم الہ فقد اکمل الصلوٰۃ والسلام علیہ یعنی ان دلائل سے ثابت ہوا کہ حضرت نبی نے اپنی ذات ستودہ صفات کو بھی اپنی آل میں داخل کرلیا پس جسنے آپکی آل پر درود بھیجا اسنے گویا آپ پر بھیجا۔ کیونکہ آپ انمیں ہیں اور وہ آپ سے ہیں۔ اور جسنے آپ پر آپکی آل کو ملاکر درود پڑھا۔ اسنے پورا کیا صلوٰۃ وسلام کو آپ پر۔ اسکا ثبوت اصابہ میں ذیل ترجمہ رشید بن مالک موجود ہے۔ حضرت نے فرمایا انا آل محمد لا ناکل الصدقۃ ہم آل محمد صدقہ نہیں کھاتے۔ جسطرح رسول بھی بقول شیخ بوجہ اصل ہونیکے آل میں داخل ہے۔ اسی طرح حضرت علی بھی آل میں داخل ہے۔ اسی طرح جس طرح حضرت لوط علیہ السلام ذریت ابراہیم میں داخل ہے۔ یہ مرتبہ خاندانی قرابت اور استحقاق صلوٰۃ سے ملا ہے۔

آپکا فلاں کو اعلےٰ ترین افراد آل بنانا غلط ہے وہ تو آل ہی نہیں۔ بعد از رسول افضل البشر حضرت علیؑ ہے چنانچہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ سے روایت کی علیٌ افضل البشر من ابی فقد کفر (مودۃ القربےٰ) اور اسی کے قائل کئی صحابہ بھی تھے۔ منھم سلمان۔ ابوذر۔ مقداد۔ جابر۔ ابوسعید۔ ابن ارقم (براہین قاطعہ ص۱۰۹) امام شافعی بھی تفضیل علی کے قائل تھے۔ ص۲۱۳ حسنینؑ کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ وہ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ ص۲۳۷ اسیطرح باقی ائمہ الٰہی تمام خلق سے افضل ہیں۔

بدا ۔ بدا کے متعلق جو تقریر مناظرہ میں ہوئی تھی وہ متن میں درج ہے۔ روئداد مطبوعہ میں یہ پھیل کر تین صفحہ پر آگئی ہے۔ شاید گرانی کاغذ کی وجہ سے ہو۔ **قال** ۔ عقیدہ بدا یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو خدا کو معلوم نہیں ہوتیں وقتاً فوقتاً معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے ایجاد کی یہ وجہ ہوئی کہ شیعہ اماموں کے نام سے پیشگوئیاں نقل کیا کرتے۔ جب وہ غلط نکلتیں تو شیعہ مخالفوں سے پریشاں ہوتے۔ اصول کافی ص۸۱ میں خاص باب بدا کا ہے۔ جسکی تین حدیثوں کا لب لباب یہ ہے کہ بدا ضروری عقیدہ ہے۔ اور احتجاج ص۲۰۱ پر ہے کہ بدا اسی کو ہوتا ہے جو انجام کار سے واقف نہ ہو۔ بحار الانوار اور رسالہ اعتقادیہ میں ہے کہ جیسا بدا اسماعیل کے بارے میں ہوا ویسا کبھی نہیں ہوا اور کافی ص۲۰۲ پر ہے کہ امام نقی کے بعد پھر خدا کو زبردست بدا ہوا۔ **اقول** ۔ عقیدہ بدا جیسا آپنے ذکر کیا ہے کسی شیعہ کے معتقدات میں نہیں۔ اگر آپ شیعہ کی کسی حدیث سے یا کسی اعتقادات کی کتاب سے یہ دکھادیں کہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے۔ تو آپکو معقول انعام دے کر اس عقیدہ سے بیزاری کا پروانہ دیدینگے۔ ورنہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین پڑھکر آپکے سر پر دم کرینگے تاکہ آپسے مرض افترا دور ہو۔ خود علماء اہل سنت نے لکھا ہے کہ یہ عقیدہ شیعہ نہیں چنانچہ مرزا مخدوم شریفی نے نقض الروافض میں لکھا ہے۔ فان طالبتنی بان اذکر لک واحدا مما نسبہ علماءنا الی الرفضۃ وھولاء لا یقولون بہ فھو جواز البدء علی اللہ یعنی اگر تو چاہے کہ میں ایک امر ان امور سے بیان کروں جو شیعوں کا عقیدہ نہیں لیکن ہمارے علماء نے اسے ناحق انکی طرف منسوب کیا ہے تو وہ جواز بدا ہے اللہ پر۔ مرزا مخدوم کے کلام سے یہی بدا مراد ہے جو جہل سے پیدا ہو۔ اور اس بدا سے تمام علماء محدثین شیعہ نے تبرا کیا ہے۔ متقدمین سے متاخرین تک کسی نے یہ عقیدہ نہیں لکھا۔ بلکہ اسکی تردید کی ہے۔ متقدمین سے حضرت صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب التوحید دیکھیں۔

باب البدا کتاب کافی میں کوئی بھی ایسی حدیث درج نہیں۔ جس کا یہ مطلب ہو۔ بلکہ اسکے مخالف حدیثیں ملتی ہیں۔ اور خود ائمہ علیہم السلام نے اس غلط عقیدہ کی تردید فرمائی ہے چنانچہ کافی باب مذکور میں ہے عن ابی عبد اللہ قال ما بدء اللہ فی شیئ الا کان فی علمہ قبل ان یبدء لہ وقال علیہ السلام ان اللہ لم یبدء لہ من جہل عن منصور بن حازم قال سالت ابا عبد اللہ ھل یکون الیوم شیئ لم یکن فی علم اللہ بالامس قال لا من قال ھذا فاخزاہ اللہ یعنی اللہ کو بدا نہیں ہوا کسی شئے میں مگر بدا ہونے سے پہلے اسکے علم میں ہوتا ہے۔ اللہ کو بدا نہیں ہوتا جہل سے منصور نے حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آیا آج کوئی واقعہ ہوتا ہے جو کل خدا کے علم میں نہیں تھا۔ فرمایا نہیں۔ جو ایسا کہے خدا اسے ذلیل کرے۔ ان احادیث سے ثابت ہے کہ جو عقیدہ مخالف نے ہماری طرف منسوب کیا ہے۔ وہ افترائے محض ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ آیا شیعہ کسی بدا کے قائل ہیں۔ اسکے لئے کافی کا یہی باب ۴۴ دیکھ لیں۔ صل سوم۔ عن ابی عبد اللہ قال ھذہ الایۃ یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت قال فقال ھل یمحی الا ما کان ثابتا وھل یثبت الا ما لم یکن یعنی بدا اس آیت کے مطابق ہے۔ خدا مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے فرمایا مٹاتا ہے جو ثابت تھا اور ثابت کرتا ہے اُسے جو نہیں تھا۔ اساس الاصول و احتجاج میں جس بدا سے انکار کیا گیا وہ بدا وہ ہے جو جہالت سے ہو۔ احتجاج کی روایت میں یہود نے بدا کی نسبت استفسار نہیں کیا بلکہ یہ کہا اخبرنا عن وجہک فیما کان امرک بہ بزعمک من الصلوۃ الی بیت المقدس حین نقلک الی الکعبۃ۔ آیا تیرے خدا کو بدا ہوا اسمیں جسمیں تجھے تیرے زعم میں حکم دیا تھا بیت المقدس کیطرف نماز پڑھنے کا جبکہ تجھے بدلا کعبہ کی طرف۔ یہود کا فحوائے سوال یہ بتلا رہا ہے کہ انکا یہ اعتراض تھا کہ اگر خدا نے بیت المقدس سے ہٹا کر کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ تو یہ خدا کی جہالت کیوجہ سے تھا۔ تو حضرت نے فرمایا ما بدا لہ عن ذٰلک کہ اسوجہ سے بدا نہیں ہوا جو تمہارا خیال ہے۔ ذرا یہ سمجھ لیں کہ فی ذلک نہیں عن ذالک ہے۔ اور ایسا بدا اسکو ہوتا ہے۔ جو انجام سے ناواقف ہو۔ جو عاجز ہو جس سے غلطیاں ہوں جسکی رائے بدلا کرتی ہو۔ جسکو کوئی مانع اس کے ارادہ سے روک سکے۔ خدا میں چونکہ یہ باتیں نہیں اسلئے اسکو اسوجہ سے بدا نہیں ہوتا۔ صـ۱۰۸ پس ثابت ہوا کہ جس بدا کے شیعہ قائل ہیں۔ وہ عقیدہ قرآن میں بھی درج ہے۔ اور اگر آپنے بدا کو ناشی عن الجہالۃ ہی خدا کے بارے میں سمجھا ہے تو آپکی صحیح بخاری میں بھی یہی لفظ خدا کے لئے آیا ہے۔

فی حدیث اقرع وابرص واعمیٰ بدا اللہ ان یبتلیہم (نہایہ ابن اثیر) خدا کو کوڑھول اندھوں وغیرہ کے بارہمیں بدا ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جھوٹی پیشگوئیوں کیلئے یہ عقیدہ گھڑا گیا۔ اسکا ثبوت جب دینگے دیکھا جائیگا ابھی ہم ذیل میں دکھائینگے کہ یہ آپ کا عقیدہ ہے کہ جبریل و رسول اللہ نعوذ باللہ جھوٹی پیشگوئیاں کیا کرتے تھے۔ اور یہ عقیدہ آپنے اسلئے گھڑا کہ جب آپکے خلیفے اور پیر پیشگوئیاں کرتے اور وہ سچ نہ نکلتیں تو مخالفین اُنکا گلا دباتے۔ اسپر آپ لوگوں نے رسول کی طرف بھی غلط پیشگوئیاں منسوب کردیں کہ جب کوئی اعتراض کریگا تو کہدینگے۔ کہ رسول بھی نعوذ باللہ غلط باتیں کہتا رہا ہے۔ ہماری کتب سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ کسی امام کی کوئی پیشگوئی جھوٹی نکلی ہو کیونکہ انکو بتلانے والا سچا ہے۔ ومن اصدق من اللہ قیلا اور یہ خود سچے ہیں اس لئے خدانے انکی معیت کا حکم دیا ہے وکونوا مع الصادقین۔ اور جنپر یہ صادقین کاذبین کی نص کردیں۔ اس کی نسبت وحقیقت خود ظاہر ہے۔ حتمی پیشگوئیوں کے بارے میں بدا نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ احادیث ائمہ علیہم السلام میں دو قسم کے بدا کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ عقیدۂ بدا جسکی مدح وارد ہوئی ہے۔ اور جس کی توضیح یہ فرمائی گئی ہے یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب خدا محو کرتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت و قائم رکھتا ہے جو چاہتا ہے اور اسکے پاس ام الکتاب ہے۔ اس عقیدہ کا ضروری ہونا اسلئے بیان کیا گیا کیونکہ اسمیں قدرت خدا کی وسعت تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اور یہود اور اہل نیچر کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ خدانے جو کرنا تھا ایک ہی دفعہ کرچکا اب کسی امر میں دخل دینا۔ یا کسی امر کو محو و اثبات کرنا اسکی قدرت سے باہر ہے۔ چونکہ اس عقیدۂ باطلہ میں خدا کو معطل و معزول ماننا پڑتا ہے۔ اسلئے ائمہ نے فرمایا کہ وہ عقیدہ بدا جو ہمنے قرآن سے بتلایا ہے وہ بہت ضروری عقیدہ ہے اور اسکو ماننے کا بہت اجر ہے۔ دوسرا عقیدہ بدا یہ ہے کہ کسی نے ایک کام کیا۔ جو اسوقت اسکے علم میں مستحسن تھا حالانکہ وہ اسوقت درحقیقت بُرا تھا۔ بعد میں اس کے علم میں اسکی بُرائی واضح ہوگئی۔ تو اسنے اسے ترک کردیا۔ اس عقیدہ میں کرنیوالے کی جہالت ثابت ہوتی ہے۔ اور احادیث ائمہ و ارشادات محدثین و علماء ربانیین سے واضح ہوتا ہے۔ کہ خدا کی شان میں ایسا عقیدہ رکھنا کفر و زندقہ ہے۔ (عماد الاسلام صفحہ ۱۱۲) اساس الاصول میں اس بدا کو بُرا کہا ہے جو جہالت سے ہو۔ پس معترضین کا صرف اقرار یا انکار بدا کو دیکھکر یہ اعتراض کرنا کہ وہ جہالت کو متضمن ہے۔ خود اُنکی جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ انکی مثال آریوں کی طرح ہے جو قرآن میں خدا کی نسبت لفظ یضل دیکھکر جھٹ اعتراض کردیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا خدا بھی شیطان

کیطرح لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ مدیر النجم کا استدلال بالکل انہی کی طرز پر ہے۔ ذرا احتجاج کی
عبارت سے انکا استنباط دیکھیں فرمایا ہے۔ کہ بدا اسکو ہوتا ہے۔ جو جاہل ہو۔ چونکہ شیعہ
کہتے ہیں کہ خدا کو بدا ہوتا ہے۔ اسلئے انکا خدا جاہل ہے۔ اسی طرح آریہ بھی کہا کرتے ہیں۔
کہ گمراہ کرنا بُروں کا کام ہے چنانچہ قرآن میں ہے واضل فرعون قومہ۔ واضلہم
السامری ۱۶ ولاضلنہم ۱۵ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا۔ سامری نے انہیں
گمراہ کیا۔ شیطان نے کہا میں لوگوں کو گمراہ کرونگا۔ لیکن مسلمانوں کا خدا کہتا ہے۔ و
اضلہ اللہ علی علم۔ اللہ نے اسے گمراہ کیا۔ پس مسلمانوں کا خدا بھی ایسا ہوا۔ اسی طرح
اڈیٹر صاحب کا اعتراض بھی ہے۔ اب وہ حدیث لیجئے جس میں بدا کے عجیب و غریب واقعات
کا ہونا بیان کیا ہے۔ ایک حدیث بخار سے نقل کیگئی بدا اللہ فی اسماعیل دوسری
اعتقادیہ سے ما بدا اللہ فی شیئی کما بدا اللہ فی اسماعیل۔ انکے متعلق معترض
لکھتا ہے کہ امام جعفر صادق ؑ کے بعد خدا نے اسماعیل کو امام بنایا تھا مگر بعد میں خدا کی
رائے بدلگئی اور بجائے اسماعیل کے موسےٰ کو امام بنایا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسکو
تحریف میں عبارت کاملہ ہے اور افترا میں ید طولےٰ رکھتا ہے۔ اگر شیعہ کی کسی کتاب سے
یہ دکھا دے تو ہم سو روپیہ نذر دینے کو تیار ہیں۔ عبارات کا ترجمہ تو یہ ہے کہ
ظاہر کیا خدا نے اسماعیل میں جو ظاہر نہیں کیا کسی شے میں۔ یا ظاہر ہوا اللہ کے لئے
جیسا ظاہر نہیں ہوا اسکے لئے کسی شے میں۔ یہ آپنے کہاں سے نکالا کہ اسماعیل کو بعد
جعفر صادق ؑ کے امام بنایا تھا۔ مزید توضیح ابھی بیان ہوتی ہے۔ تیسری حدیث کا حوالہ ہی
دیا گیا ہے۔ میں اصل عبارت لکھے دیتا ہوں تاکہ حق و باطل کا تصفیہ ہوجائے۔ کافی کتاب
الحجۃ باب ۷۲ حدیث ۱۰ عن ابی ہاشم الجعفری قال کنت عند ابی الحسن
بعد ما مضی ابنہ ابو جعفر وانی لافکر فی نفسی ارید ان اقول کانہما اعنی
ابا جعفر وابا محمد فی ھذا الوقت کابی الحسن موسےٰ واسماعیل ابنی جعفر ابن
محمد وان قصتہما کقصتہما اذ کان ابو محمد المرجا بعد ابی جعفر فاقبل علی
ابو الحسن قبل ان انطق فقال نعم یا ابا ھاشم بدا اللہ فی ابی محمد بعد ابی
جعفر ما لم یکن یعرف لہ کما بدا اللہ فی موسیٰ بعد مضی اسماعیل ما کشف بہ
عن حالہ الخ۔ ابو ہاشم کہتا ہے کہ بعد از موت محمدؑ میں حضرت امام نقی ؑ کے پاس بیٹھا تھا
اور سوچتا تھا اور یہ کہنا چاہتا تھا کہ محمد و حسن عسکری کا قصہ اسوقت میں اسماعیل و
موسےٰ کاظم فرزندان امام جعفر صادق کی طرح ہے کیونکہ حسن عسکری ؑ محمد ؑ کے بعد زندہ رہے۔
تو امام علی نقی ؑ نے میرے بولنے سے پہلے ہی فرمایا۔ ہاں اے ابا ہاشم اللہ نے ظاہر کیا حسن عسکری ؑ

میں بعد محمدؑ کے وہ جو اسکے (عسکریؑ) لئے معروف و معلوم نہ ہو سکتا تھا جیسا کہ ظاہر کیا
خدا نے حضرت کاظمؑ کے بارہ میں بعد موت اسماعیل کے وہ امر جس سے اسکا حال کھل گیا اور واضح
و مکشوف ہو گیا۔ الفاظ زیر بحث بدا للہ ہیں۔ بدا کے معنے ظہر یعنے ظاہر ہوا۔ لفظ
اللہ پر لِ آیا ہے۔ رضی۔ صاحب مغنی و الفیہ و سیوطی نے لکھا ہے۔ کہ لِ آنے سے
بھی لازم بمعنے متعدی ہو جاتا ہے۔ پس ترجمہ یہ ہوا کہ ظاہر کیا خدا نے اور یہی ترجمہ
صاحب صافی شارح کافی نے بھی کیا ہے صفحہ ۳۰۳۔ پس اس معنے سے کوئی اعتراض ہی
وارد نہیں ہوتا۔ اور مجلسی نے مراۃ العقول جلد ا صفحہ ۲۳۹ پر لِ کو سببیہ بھی لیا ہے۔
اس سے معنے یہ ہوتے ہیں ظاہر ہوا بسبب خدا کے۔ اس سے بھی کوئی اعتراض لازم
نہیں آتا۔ اگر لفظی معنے ہی لیکر اعتراض کا شوق رکھتے ہیں تو اس آیت پر بھی اعتراض کر دیں
الآن خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفا اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی اور
جانا کہ تم میں ضعف ہے۔ کیا اس سے پہلے خدا کو علم نہ تھا۔ دوسری آیت دیکھئے و لنبلونکم
حتیٰ نعلم المجاهدین۔ ضرور ضرور ہم تمہارا امتحان کرینگے تاکہ جانیں مجاہدین کو۔ تیسری
آیت ولیعلمن اللہ الذین امنوا ولیعلمن المنافقین۔ جانے خدا انکو جو ایمان لائے
اور جانے انکو جو منافق ہیں۔ انپر بھی آریوں والا اعتراض کر دیں کہ مسلمانوں کا خدا عالم
نہیں۔ پس جو معنے ان آیات کے لئے جاوینگے۔ وہی معنے بدا للہ کے بھی لیجئے۔ الغرض
ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اوصیاء رسولخدا بارہ ہیں انکے اسماء بھی رسولخداؐ
نے بتلا دئے تھے جیسا کہ کافی کتاب الحجۃ باب ۱۲۴ سے ظاہر ہے۔ انمیں اسماعیلؑ و محمدؑ کا
نام نہیں بلکہ موسےٰ کاظمؑ و حسن عسکریؑ علیہما السلام کے اسماء مبارک ہیں۔ لیکن چونکہ وصایت
بڑے بیٹے کو ملا کرتی ہے۔ اور حضرت جعفرؑ کا بڑا بیٹا اسماعیل اور علی نقیؑ کا بڑا بیٹا محمدؑ تھا۔
اگر یہ زندہ رہتے تو امر وصایت قدرے مشتبہ ہوتا۔ اور رسول کی بشارت میں بعض عوام
کو شک ہونیکا احتمال رہتا۔ اسلئے خدا نے ہر دو اسماعیلؑ و محمدؑ کو انکے آبائے طاہرین کی
حیات میں ہی عالم آخرت کو بلا لیا۔ جس سے حضرت موسےٰ کاظمؑ و حسن عسکری کی وصایت
کا حال لوگوں پر بالکل مکشوف ہو گیا اور کسیکو جائے شک نرہی۔ اور خدا نے ان ہر دو کے
بارہ میں اپنے رسول کی بشارت کی پوری تصدیق ظاہر کر دی۔ ایسی صاف حدیث پر تو وہی
اعتراض کریگا جسکے قلب میں زیغ ہو۔ اب اہل خلاف کا تماشا دیکھیں کہ کس طرح جبرئیل
کی غلط بیانی کو ظاہر کرتے ہیں۔ سنیوں کے امام ربانی مجدد الف ثانی نے مکتوبات
جلد ا صفحہ ۲۲۳ مکتوب ۲۱۷ میں لکھا ہے ایکدن جبرئیل نے رسول اللہ کے پاس آکر خبر دی کہ فلاں
جوان صبح کو مر جائیگا۔ حضرت کو اس کے حال پر رحم آیا۔ آپ نے اس جوان کو کہا تجھے دنیا میں کس چیز

کی خواہش ہے۔ اُسنے کہا یا کرہ عورت اور حلوے کی۔ آپنے دونوں چیزیں اس کے لئے مہیا کیں اس جوان نے شب کو اپنی اہلیہ سے خلوت کی۔ طبق حلوا اسکے سامنے تھا کہ ایک سائل آیا اس جوان نے وہ طبق اُسے دیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ اس جوان کی خبر موت کے منتظر تھے جب دیر ہوئی تو آپ نے آدمی بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے۔ آپ حیران ہوئے۔ جبرئیل آیا اور اُسنے کہا کہ تصدق حلوا نے اُس جوان کی بلا کو دفع کیا ہے۔ دیکھا گیا تو اُس جوان کے سرہانے ایک سانپ مرا پڑا تھا جس کے شکم میں حلوا بھرا تھا۔ مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ عصمت و امانت و عدم احتمال خطا او (جبرئیل) مخصوص بوحی است کہ بر تبلیغ است از قبل حق سبحانہ و این خبر از قسم وحی نیست بلکہ اخبار است از علمے استفادہ از لوح محفوظ است کہ محل محو و ثبات است پس خطا را دریں خبر مجال پیدا شد یعنی جبرئیل صرف وحی تبلیغی کے پہنچانے میں ہی محفوظ ہے۔ یہ خبر چونکہ وحی نہیں تھی اسلئے اس میں خطا ہو گئی۔ العجب بیچئے آپکے ہاں تو جبرئیل کا اعتبار نہیں اور بدا سے بڑھکر اپنے ہاں دیکھ لیجئے۔ اسی بنا پر تو مرزا قادیانی واقعہ آتھم و محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئیوں کی تاویل کرتا ہے اور آپ لوگ اپنے معتقدات کی رو سے کچھ جواب نہیں دیسکتے +

تقیہ ۔ اس بحث کو بھی مولوی صاحب نے رد مدا دمیں تین صفحات پر پھیلایا ہے اپنے اعتراضات کو تو بہن کر دیا ہے۔ اور شیعہ مناظر کی کوئی بات بھی نہیں لکھی۔

قال ۔ مذہب شیعہ میں جھوٹ بولنا بہت بڑی اور نہایت ضروری عبادت ہے۔ پیغمبر اور ائمہ برابر جھوٹ بولا کرتے تھے۔ جو نہ بولے وہ بے ایمان ہے۔ ثبوت کافی تسعۃ اعشار الدین فی التقیہ ولا دین من لا تقیۃ لہ۔ ص۴۸۴ التقیہ من دینی و دین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیہ لہ۔ نو حصے دین کے تقیہ میں اور ایک حصہ دین کا باقی عبادات حضرت باقرؑ نے فرمایا کہ تقیہ میرا دین اور میرے باپ دادا کا دین ہے۔ اور باپ دادا میں پیغمبر بھی شامل ہیں۔ تقیہ کے جھوٹ ہونے کے لئے کافی کی وہ حدیث دیکھیں! جو متن میں درج ہے۔ تقیہ اور کتمان دو الگ چیزیں ہیں۔ تقیہ کہتے ہیں خلاف حق کہنے اور کتمان حق کے چھپانے کو۔ اگر تقیہ کا ثبوت کتب اہل سنت سے دیسکتے ہیں تو جس طرح ہمنے تین باتیں دکھائی ہیں تم بھی دکھاؤ۔

اقول تقیہ کا ثبوت کتب اہل سنت سے شیعہ مناظر نے دیا تھا جو متن میں درج ہے اگر مولوی صاحب اپنی یا شیعہ کی کسی لغت سے تقیہ کے معنے جھوٹ ثابت کر دیں تو آج دنیا ان کو سچا سمجھ لے۔ اگر تقیہ کے معنے جھوٹ ہوں تو پھر قرآن پر بھی اعتراض ہوگا کیونکہ اسمیں بھی تقیہ کی تعلیم ہے۔ ثبوت متن میں موجود ہے۔ ہمارے ہاں تقیہ کی

فضیلت ضرور وارد ہے - نہ جھوٹ کی - لیکن آپکے عقائد میں جھوٹ کی فضیلت ہے -
کیونکہ متن میں حوالہ موجود ہے کہ آپکے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ
بولے - تو آپکے مذہب میں جھوٹ بولنا ملت ابراہیمی ہوا - قرآن میں خدا فرماتا ہے ومن
یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ کہ بیوقوف ہی ابراہیم کی ملت سے
روگردانی کریگا - اور تمام انبیاء حتےٰ خاتم رسل کو بھی اتباع ملت ابراہیمی کا حکم ہے
تو معلوم ہوا کہ آپکے ہاں سب انبیاء جھوٹ بولتے رہے نعوذ باللہ - لیکن اگر آپ
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان اقوال کو کذب نہ کہیں - بلکہ تقیہ و توریہ کہیں تو پھر
معلوم ہوگیا کہ آپکے بعد سب انبیاء تقیہ کرتے رہے - اور اس سے حضرت باقر کی حدیث بھی
ہو جاتی ہے وہ حدیث جس سے آپنے تقیہ کے معنے جھوٹ نکالے ہیں قابل غور ہے - پوری
حدیث کافی ص۴۸۳ سے روئداد میں بالفاظ ذیل منقول ہے - لیکن مناظرہ میں اتنی ہی پڑھی
تھی جتنی متن میں درج ہے "قال ابوعبد اللہ التقیۃ من دین اللہ قلت من دین اللہ
قال ای واللہ من دین اللہ لقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ
ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیما -
حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کے دین سے ہے - تحقیق یوسفؑ نے کہا تھا کہ اے قافلہ
والو تم چور ہو حالانکہ بخدا انہوں نے کچھ نہ چرایا تھا اور ابراہیمؑ نے کہا کہ میں بیمار ہوں
حالانکہ واللہ وہ بیمار نہ تھے - جسنے چوری نہ کی ہو اسکو چور کہنا جو بیمار نہ ہو وہ اپنے کو بیمار
کہے - یہ جھوٹ ہے - اور امامؑ نے فرمایا یہ تقیہ ہے - پس تقیہ جھوٹ ہوا" کتب شیعہ
میں ان اقوال حضرت یوسفؑ و ابراہیم علیہما السلام کو کہیں کذب نہیں کہا گیا - بلکہ کافی کی
دوسری حدیث میں ان اقوال کی نسبت نفی کذب وارد ہے - حضرت صادقؑ نے فرمایا - ما سرقوا
ولا کذب وما کان ابراھیم سقیما وما کذب (منقول از تفسیر لوامع التنزیل جلد
۱۳ ص۲۳) یعنی قافلہ نے چوری کبھی نہ کی تھی اور حضرت یوسفؑ نے بھی جھوٹ نہیں بولا
حضرت ابراہیمؑ بیمار بھی نہ تھے اور انکا فرمانا کہ "میں بیمار ہوں" جھوٹ بھی نہیں تھا - پس ہماری احادیث
میں تو نفی کذب وارد ہے - لیکن انکی احادیث میں انہیں کذب کہا گیا ہے - ترمذی ص۵۲ میں
ابراہیمؑ کے تین جھوٹوں میں ایک یہ بھی لکھا ہے قولہ انی سقیم ولم یکن سقیما اسنے کہا
میں بیمار ہوں اور وہ بیمار نہیں تھے - پس اس سے خلیل الرحمان کا نعوذ باللہ جھوٹ بولنا
ثابت ہوا (حاشا جنابہ عن ذالک) کیونکہ خود ترمذی میں اسکو جھوٹ میں شمار کیا ہے
اور مولوی جی لکھ چکے ہیں کہ جو بیمار نہو وہ اپنے کو بیمار کہے تو یہ جھوٹ ہے - اب حضرت
یوسفؑ کے بارمیں آپکی معتبر تفسیر غرائب التنزیل جلد ۲ ص۳۵۶ پر ابن عباس کی حدیث

نقل کی ہے قال عوقب یوسف ثلث مرات عوقب بالحبس لاجل ھمہ بہا ودالحبس الطویل
لقولہ اذکرنی عند ربک وبقولہم فقد سرق اخ لہ من قبل لقولہ انکم لسارقون
یعنے حضرت یوسفؑ کو نعوذ باللہ تین دفعہ خدا نے سزا دی۔ ایکدفعہ قید کی۔ کیونکہ اُسنے
زلیخا کی طرف ارادہ بد کیا۔ پھر لمبی قید کی۔ کیونکہ اُسنے اپنے ساتھی کو کہا تھا کہ اپنے
رب (مالک) فرعون کے پاس میرا بھی ذکر کرنا۔ تیسری سزا یہ دی کہ اسے بھی چور کہا گیا
کیونکہ اسنے قافلہ والوں کو چور کہا تھا۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک
حضرت یوسف نے جھوٹ بولا جس کی انہیں سزا ملی۔ بلکہ ایک نامحرم عورت سے برائی
کا بھی ارادہ کیا نعوذ باللہ۔ اور سُنیوں کے علامہ زمخشری نے لکھا ہے قلت ھو فی
صورۃ البہتان ولیس ببہتان فی الحقیقۃ لان قولہ انکم لسارقون توریۃ
عما جری مجری السرقۃ من فعلہم بیوسف یعنے یوسف کا قول ہے تو صورت بہتان
میں (کذب سے بڑھگیا) لیکن درحقیقت بہتان نہیں جو کچھ انہوں نے یوسف سے کیا تھا
اس کو توریہ کے طور پر کہا گیا ہے اور تفسیر غرایب التنزیل جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ پر لکھا ہے
کہ یوسف نے بنیامین کو پاس رکھنے کے لئے کہا ولا سبیل الیٰ ذالک الا بان
انسبک الی مالیس بحسن قال انما انا راض بما رضیت قال فانی ادس
صواعی فی رحلک ثم انادی علیک انک قد سرقتہ کہ بھائی اسکے لئے کوئی راہ
نہیں سوائے اسکے کہ میں تجھے نسبت دوں ایسے امر سے جو اچھا نہیں۔ اسنے کہا میں راضی ہوں
تو یوسف نے کہا کہ میں اپنا پیالہ تیرے سامان میں رکھدونگا پھر کہونگا کہ تونے اسے
چرایا ہے۔ اب غور کریں۔ آپکے صحابہ۔ محدثین و مفسرین کے نزدیک یوسفؑ نے بھی
جھوٹ بولا۔ نعوذ باللہ۔ پس اعتراض بجائے ہم پر پڑنے کے آپ پر پڑگیا۔ اور معلوم
ہوگیا۔ کہ آپکے عقاید میں انبیاء جھوٹ بولتے رہے ہیں۔ بلکہ کذب آپکے ہاں واجب بھی
ہے۔ شیعہ مشن چکوال نے اپنے بڑے اشتہار میں لکھا تھا۔ کہ "غزالی نے احیاء العلوم
صفحہ ۱۰۹ پر لکھا ہے کہ کذب بنفسہ حرام نہیں۔ اکثر اوقات واجب ہوتا ہے سا اور اکثر
مقامات میں سچ سے بہتر۔ بعض جگہ جائز۔ حضرت عمر صاحب نے ایک عورت کو جھوٹ بولنے
کی اجازت دی۔ آپنے ترجمہ اسد الغابہ جلد صفحہ ۲۵۳ پر لکھا ہے کہ رسول اللہ نے
حجاج بن علاط صحابی کو جھوٹ بولنے کی اجازت دی اسیطرح ابن القیم نے زاد المعاد جلد ا
پر لکھا ہے کہ اپنے اور غیر پر جھوٹ بولنا جائز ہے۔ جبکہ اسکا ضرر غیر کو نہو۔ کنز العمال جلد ۲
صفحہ ۲۸۵ پر ہے کہ ابن کعب نے نمبر دو کو اکذب کہا۔ انکا جواب نہ تو مولوی کرم دین صاحب نے
دیا نہ آپنے اب مزید ثبوت تقیہ کتب سنیہ سے سنیئے۔ بخاری صفحہ ۱۰۲۶ پر اہا ابی تعقعوا

منہم تقاۃ میں تقاۃ کے معنے تقیہ کے ہیں اور یہی قرأت یعقوب۔ سہل حسن بصری مجاہد ضحاک ابورجا اور حمیدی سے تفسیر بیضاوی میں بھی منقول ہے اور صلہ پر لکھا ہے و قال الحسن التقیہ الی یوم القیامہ یعنے حسن بصری نے کہا کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے۔ اور فخرالدین رازی اور نیشاپوری نے اپنی تفاسیر میں تقیہ کو جائز اور اسکے احکام لکھے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے۔ اور مشرکوں اور کفار کے ساتھ کرنا چاہئے لیکن ویسی صورت جب مسلمانوں میں ہو جائے تو انسے بھی تقیہ کرنا جائز ہے۔ اور اظہار دین کے متعلق بھی تقیہ جائز ہے۔ کہ انسان اپنا اصل مذہب ظاہر نہ کرے کوئی اور کردے وقس علی ہذا اور تقیہ جان اور مال کے بچانے کیلئے ہو سکتا ہے اور تفسیر بیضاوی میں تفسیر الامن اکرہ کے ذیل میں عمار کا تقیہ اور خلاف اسلام کلمات کہنا اور رسول کا ایسی حالت میں تقیہ کی اجازت دینا مرقوم ہے فتاوے قاضیخان باب الجمعہ میں ہے کہ نخعی تقیہ کے طور پر نماز جمعہ پڑھتا تھا۔ ترجمہ صواعق محرقہ ص ۲۱۹ پر لکھا ہے کہ حجر بدری نے توریہ وتقیہ کیا۔ اب رہا کتمان یہ بھی تقیہ ہے۔ کیونکہ اگر کوئی مومن ہو اور حالت تقیہ میں ایمان کو چھپائے تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ اصلیت کو چھپاتا ہے اور ضرور کسی اور چیز کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ بھی نص سے ثابت ہے قرآن میں لکھا ہے قال رجل مومن من ال فرعون یکتم ایمانہ کہا ایک مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ یہاں باوجود کتمان ایمان اسے مومن کہا گیا۔ پس حق تین باتوں سے معترض نے تقیہ کو ہم معنے کذب بتلایا تھا وہی تین باتیں انکی کتب سے بھی ثابت ہوگئیں بلکہ مزید یہ ثابت ہوگیا کہ شیعوں کی کتب میں تو تقیہ کو کذب نہیں کہا گیا لیکن کتب سنیہ میں تقیۂ انبیاء کو کذب و بہتان کہا گیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ تقیہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جھوٹ بولا جائے۔ بلکہ دشمن کے ظلم سے بچنے کیلئے توریہ کا کلام ہوتا ہے جو درحقیقت سچ ہوتا ہے۔ لیکن دشمن اسے اپنے موافق سمجھکر ظلم سے باز رہتا ہے چونکہ ایسے مقامات کی تعیین مشکل تھی۔ اسلئے اسے عامل کی ضمیر پر چھوڑا گیا کیونکہ وہ وقت کی ضرورت سے واقف ہوتا ہے پس جہاں ظالم آمادہ ظلم ہو وہاں تقیہ جائز ہے اور یہی فی کل ضرورۃ کا مطلب ہے۔ ائمہ علیہم السلام کی ہر حدیث میں تقیہ نہیں۔ اسکے لئے خود انہی حضرات نے ایک قانون بیان فرما دیا ہے۔ اصول کافی ص ۳۰ پر ہے۔ خذوا بالمجمع علیہ فان المجمع علیہ لاریب فیہ کہ جو حدیث مجمع علیہ ہو اسکو پکڑو اسمیں شک نہیں ص ۳۹ پر ہے کہ جو حدیث مخالف کتاب و سنت اور موافق عامہ ہو اسے چھوڑو اور جو موافق کتاب و سنت ہو تو اگرچہ مخالف عامہ ہو اسپر عمل کرو۔ استبصار کے مسائل فقہیہ کی حدیثیں بھی اسی معیار پر پرکھی گئیں۔ جو موافق عامہ تھیں وہ سور و تقیہ میں کہی گئیں۔ کیونکہ اگرچہ خود سنیوں میں ان مسائل میں اختلاف ہے۔ لیکن

جس زمانہ میں ایسی حدیثیں بیان ہوئیں اسمیں ظالم حاکم کا یہی مذہب تھا - تو چونکہ اسی مذہب والا امام سے مسئلہ پوچھنے آیا اسی لئے امام نے بھی اسی مذہب کا حکم اسے بتلا دیا بنا بریں وہ حکم شیعوں کیلئے قابل عمل نہیں -

جنازۂ رسول - قال - اصول کافی صفحہ ۲۸۶ جب نبی کی وفات ہوئی تو ملائکہ اور مہاجرین و انصار نے آپکی نماز جنازہ پڑھی - احتجاج صفحہ ۵۹ - مہاجرین و انصار سے کوئی نہ رہا - جسنے آپ پر نماز نہ پڑھی ہو - **اقول -** مولوی کرم الدین صاحب نے تو اپنے اشتہار میں لکھا تھا کہ جنازہ کا مسئلہ پیش ہی نہیں ہوا - لیکن روئداد میں لکھا ہے کہ مولوی عبد الشکور نے اسکا بھی ذکر کر ہی دیا - دیکھیں اب مولوی کرم دین صاحب کس کو سچا کہتے ہیں - کافی کی حدیثوں میں ثلٰثہ کا نام نہیں - اگر بلا استثنا سب کو مراد لینگے - تو کیا جو مر گئے تھے انہوں نے بھی حضرت کی نماز جنازہ پڑھی - آپ کہینگے نہیں - وہ مر گئے ہوئے تھے اسی طرح ہم بھی کہینگے کہ انہوں نے بھی نہیں پڑھی - کیونکہ یہ سقیفہ میں گئے ہوئے تھے - ہاں جو وہاں موجود تھے - انہوں نے پڑھی - اور انمیں سے کوئی باقی نہ رہا جسنے نہ پڑھی ہو - اور یہ بھی جواب ہے کہ حدیث میں صلٰے کا لفظ ہے جسکے معنے درود بھیجنے کے بھی ہیں - انکی عدم شمولیت جنازہ کی شکایت خود جناب صدیقہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے منقول ہے ترکتم جنازۃ رسول اللہ بین ایدینا وقطعتم امرکم بینکم (کتاب الامامہ والسیاسہ صفحہ ۲۱) چھوڑ دیا تم نے جنازہ رسول کا ہمارے سامنے اور باخود ہا اپنے امر کا فیصلہ کر لیا -

کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ پر لکھا ہے ان ابا بکر و عمر لم یشھدا دفن النبی وکانا فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا یعنے حضرت ابو بکر و عمر صاحبان دفن نبی کے وقت موجود نہ تھے - وہ انصار میں تھے - حضور انکے واپس ہونیسے پہلے ہی دفن کر دئے گئے - اور شرح مواقف مرصد الرابع مقصد اول صفحہ ۷۲۹ سطر ۲۳ میں ہے وترکوا لہ اھم الاشیاء وھو دفن رسول اللہ صلعم - براہین قاطعہ صفحہ ۱۴۳ - اجماع کردہ اند برآنکہ نصب امام بعد از انقطاع زمان نبوت واجب است بلکہ آنرا از اہم واجبات دانستند از آنجہت باں مشغول شدند از دفن رسول (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۶۵ - شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۷۷ - بغیۃ الرائد صفحہ ۹۲) یعنی تقرر امام کو بعد رسول اہم واجبات سے جانا - اسلئے دفن رسول کو چھوڑ دیا اور اسمیں مشغول ہو گئے -

روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۵۱۳ و جلد ۲ صفحہ ۳ پر ہے فی الحال حضرت عمر بخانہ آمد و ابو بکر آنجا بود اورا ازاں امر اخبار نمود و ویرا بر رفتن بہ سقیفہ بنی ساعدہ کہ مجمع انصار بود تحریص نمود و ابو عبیدہ و جمعے دیگر از مہاجران بایشاں اتفاق نمودہ بہ سقیفہ بنی ساعدہ رواں شدند و علی ابن ابی طالب و بنو ہاشم و زبیر با جمعے دیگر از صحابہ بجہت شغل

تجہیز و تکفین و غسل و دفن حضرت صلعم تخلف نمودند - خلاصہ یہ ہے - کہ عمر و ابوبکر صاحبان
سقیفہ میں گئے اور حضرت علیؑ - بنی ہاشم - زبیر اور چند دیگر صحابہ کی ایک جماعت حضور
کی تجہیز - تکفین - غسل و دفن کیلئے پیچھے رہگئے - اس سے ثابت ہوا کہ جو پیچھے رہے انہوں
نے ہی نماز پڑھکر دفن کیا - سقیفہ والے دفن میں شامل نہیں ہوئے - جب دفن میں شریک
نہیں ہوئے تو نماز میں کیسے ہوگئے - کیونکہ نماز تو پہلے ہوتی ہے - اسی کتاب میں لکھا
ہے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت ہوجانیکے بعد جب حضرت علیؑ نے اپنے حقوق و دلائل پیش
کئے - تو بشیر بن سعد نے کہا آپنے یہ باتیں پہلے کیوں نہ بتلائیں - اسپر مولا مرتضے
نے فرمایا اے بشیر تو روا مے داری کہ من جسد اطہر و قالب انور سید عالم را غسل ناکردہ
و تجہیز و تکفین او ننمودہ و از دفن او فراغت حاصل نکردہ دم از طلب حکومت زدمے
تو امید رکھتا ہے کہ میں رسول اللہ کے جسد مطہر کو غسل - تجہیز و تکفین نہ کرکے اور اسکے
دفن سے فارغ نہ ہوکر حکومت کی طلب کا دم مارتا - (کتاب الامامۃ صفحہ ۲) +
اور شیعوں کی کتاب حیوٰۃ القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۹۶ پر صاف لکھا ہے کہ یہ حضرات
نماز جنازہ رسول میں شامل نہیں ہوئے - (فتح المبین صفحہ ۱۰۱) غالباً یہ بھی ان وجوہ
میں سے تھا جنکے سبب سے حضرت فاطمہؑ نے وصیت کی کہ اول میرے جنازہ پر نہ آئے
ولم یوذن بہا ابابکر (بخاری)

حضرت علیؑ پر مخالف کے بیجا اتہام - نماز بے وضو - **قال** - استبصار
جلد ۱ - صفحہ ۲۲۷ عن ابی عبد اللہ قال صلے علیؑ بالناس علی غیر طہر و کانت
الظہر فخرج منادیہ ان امیر المومنین صلے علی غیر طہر فاعیدوا ولیبلغ
الشاہد الغائب یعنی حضرت علیؑ نے بغیر طہارت کے لوگوں کو نماز ظہر پڑھادی پھر
انکا منادی یہ اعلان دیتا ہوا نکلا کہ امیر المومنین نے بغیر طہارت کے نماز پڑھادی
لہذا تم نماز کا اعادہ کرو - الخ - **اقول** - آپکے مذہب کے رو سے تو یہ طعن ہی
نہیں - آپکے ہاں نبی معصوم بھی اگر ایسا کرے تو اسکی عصمت میں کوئی نقص نہیں -
مشکوٰۃ باب السہو و بخاری صفحہ ۵۹ پر ہے کہ رسولؐ نے ایکدفعہ ظہر کی نماز کی
پانچ رکعتیں - عصر کی تین - عشا کی دو پڑھیں - ترمذی مسلم اور بخاری میں بھی ایسی
حدیثیں ہیں - اور یہ بھی انہی حدیثوں میں ہیں کہ حضرت نے زوال کی نماز دو رکعت پڑھائی
اور سلام کہدیا - پھر مسجد میں بیٹھ رہے - باتیں کیں - آخر مسجد سے نکلنے لگے تو ایک نے کہا کہ آیا
آپ بھول گئے ہیں یا نماز ہی چھوٹی ہوگئی ہے - جب آپکو ذوالیدین کے کہنے سے تصدیق
ہوئی - تو آپنے پھر باقی دو رکعتیں پڑھائیں - (بخاری صفحہ ۶۹) یعنی جبکہ نماز دو رکعت

ابھی باقی رہتی تھی تو سب لوگ نماز کے اندر تھے۔ اور یہ سب کلام حضرت اور صحابہ کی نماز کے اندر واقع ہوئے بھولکر اس خیال سے کہ ہم نماز میں نہیں ہیں ظفر المبین حصۂ دوم صـ۵۳ دیکھئے اتنی باتیں بھولکر نماز کے اندر ہوئیں اور پھر وہ نماز درست کی درست رہگئی۔ اور آپکی بخاری صـ۱۴ میں ایک اور روایت ہے کہ حضرت جنب تھے۔ اذان ہوئی۔ اقامت ہوئی۔ جب تکبیر ہونے لگی تو حضرت کو یاد آگیا۔ فوراً بھاگے گئے اور غسل کیا۔ واپس آئے جبکہ آپکے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اور بہت سی باتیں آپکے ہاں سہو نبی کے بارہمیں منقول ہیں۔ تو جبکہ آپ سہو نبیؐ کو مطاعن میں شمار نہیں کرتے بلکہ اسے کسی طرح کا نقص خیال نہیں فرماتے تو بفرض محال اگر حضرت علیؑ سے بھی سہو ہوگیا ہو تو آپکے عقائد کے رد سے یہ کسیطرح کا نقص نہیں۔ چہ جائیکہ اسے مطاعن ثلاثہ کے معارضہ میں پیش کیا جاسکے۔ اب اصل مطلب کو دیکھئے استبصار کے اس مقام پر اس مضمون کا باب ہے کہ اگر پیش نماز لاعلمی یا سہو سے بغیر وضو کے نماز پڑھادے۔ اور بعد نماز علم ہو جائے۔ تو پیش نماز اپنی نماز کا اعادہ کرے۔ لیکن مقتدیوں پر کوئی اعادہ نہیں۔ اور یہی مذہب شافعی و جماعت محدثین کا بھی ہے (کنز الدقایق حاشیہ صـ۶) اسکے ثبوت میں جامع کتاب نے کئی حدیثیں لکھی ہیں اور آخر میں یہ حدیث لکھی ہے جو ان سبکے مخالف ہے۔ اور اسکے بارہمیں محدثانہ تنقید بایں الفاظ کی ہے۔ فهذا خبر شاذ مخالف للاحادیث وما هذا حکمه لا یعمل علیه وقد تضمن ایضاً من الفساد ما یقدح فی صحته وهو ان امیر المومنین صلی بالناس علی غیر وضوء وقد امننا من ذالك دلالة عصمته علیه السلام یعنی یہ خبر شاذ مخالف احادیث ہے۔ اور اسکے حکم پر عمل نہیں ہوتا۔ اور اسمیں ایک خرابی بھی ہے جو اسکی صحت میں قدح کرتی ہے وہ یہ کہ حضرت نے بغیر وضو کے نماز پڑھائی۔ حالانکہ انکی عصمت نے ہمیں ایسی باتوں سے مامون کر دیا ہے۔ پس جبکہ اسی حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں۔ کہ یہ خبر شاذ اور مقدوح الصحت ہے تو ہمپر حجت نہوئی مشکوٰۃ صـ۱۳ پر ہے من شذ شذ فی النار شاذ نادر یعنی پس چونکہ یہی راوی منفرد ہے اس حدیث سے اور نیز یہ مخالف عقل ہے کیونکہ اگر بالفرض جناب امیرؑ نے عمداً بے وضو نماز پڑھائی تو پھر اپنے نقص کو اپنے ہی منادی کے ذریعہ اعلان کر دیتے اور اگر سہواً پڑھائی۔ تو مقتدی فوراً آپکو ٹوکدیتے۔ جیسا کہ آپکی روایات بتلاتی ہیں کہ انہوں نے رسول کو بھی ٹوکا۔ یہ بالکل خلاف عقل ہے کہ سب کو سہو ہو جائے۔ اور اگر جناب سے ایسا نقص ظاہر ہوا ہوتا تو چونکہ آپکے دشمن زیادہ تھے اسلئے وہ بات کا بتنگڑ بنا کر اسے ضرور مشہور کرتے۔ لیکن ایسا بھی نہیں۔ (براہین قاطعہ صـ۲۰۶) اسلئے بقول شاہ عبد العزیز صاحب اسپر اعتبار نکرنا چاہیئے۔ (عجالۂ نافعہ صـ۳) اس حدیث نے یہ تو اقلاً بتلایا کہ حضرت علیؑ

نمازی تھے۔ لیکن آپکا ممدوح تو نماز سے ہی چھٹی کیا کرتا تھا۔ کسی نے لکھا ہے ؎

کہا اک نے کہ یاں ملتا نہیں آب۔ ✤ ہوا ہوں میں جُنب اے پُور خطاب

یہ فرمایا جواب مسئلہ شیخ۔ ✤ کہ ساقط ہے نہ پڑھ ہرگز نماز اب

اور مشکوٰۃ باب التیمم صفحہ ۵۳ میں ہے کہ حضور نے خود بھی اس حالت میں نماز نہیں پڑھی۔ کیوں نہ ہو قائل حسبنا کتاب اللہ۔ اور آیۃ تیمم بھی معلوم و یاد نہیں۔ کیا کوئی شیعی ثابت کرسکتا ہے کہ انہیں سارا قرآن حفظ تھا۔ اسکے حقائق و معارف کا علم ہونا تو درکنار۔ اور ملاحظہ فرمائیے آپکے ہاں بغیر طہارت کے نماز جائز ہے۔ میزان میں ہے ومن ذالک قول الشافعی واحمد ان الاستنجاء واجب۔ لا کن عند مالک وابی حنیفہ انہ ان صلی من غیر استنجاء صحت صلوٰۃ۔ اور تفسیر رازی میں ہے الاستنجاء واجب اما بالماء او بالحجار وقال ابو حنیفہ غیر واجب۔ یعنی بو حنیفہ کے نزدیک استنجا واجب نہیں۔ اگر کوئی بغیر استنجا کے نماز پڑھے تو اسکی نماز صحیح ہے۔ اور فتاوے درمختار باب استنجا میں ہے لان ما علی المخرج ساقط شرعا وان کثر ولہذا لا یکرہ الصلوٰۃ معہ۔ یعنی مخرج پر خواہ کتنا زیادہ براز لگا ہو وہ شرعاً ساقط ہے اور اسلئے اسکے ساتھ نماز پڑھنا برا نہیں۔ اور کنز الدقائق صفحہ ۲۲ پر ہے وسن الاستنجاء و یجب ان جاوز النجس المخرج۔ استنجا صرف سنت ہے۔ اگر نجاست مخرج سے تجاوز کرے تو واجب ہے۔ اور آسمانی دیکھیئے کنز الدقایق صفحہ ۱۶ وان تعمدہ او تکلم تمت صلوٰۃ انہ اگر بعد تشہد کوئی قصداً بے طہارت ہو جائے یا غیرہیں اڑائے تو اسکی نماز تمام ہو گئی۔ کہانتک عرض کروں۔ روئداد میں تو آپنے اس حدیث کے ساتھ بہت سی باتوں کا اضافہ کر دیا۔ جو بعد از موقعہ آپکو یاد آئی ہیں۔ مناظرہ میں تو پہلے آپنے خبر کے الفاظ ہی پڑھے تھے۔ جب آپکو بار بار کہا گیا کہ اسکے ساتھ کی عبارت بھی پڑھیں۔ تو آخر آپکو پڑھنی پڑی۔ جسپر فوراً شیعہ مناظر نے آپکا گلا دبا لیا۔ کہ یہ روایت ہمارے ہاں مقبول کہاں مقبول تہاں ہے۔ اسپر آپ ایسے ساکت ہوئے۔ کہ پھر اسکا نام نہ لیا۔ مولوی صاحب نے اپنے خیال میں ایک عجیب بات پیدا کی ہے۔ کہ شیعہ بوجہ عصمت ائمہ سہو و نسیان کی روایات کو نہیں مانتے۔ اسی طرح اگر سُنی مطاعن صحابہ کی روایتوں کو بوجہ فضائل صحابہؓ نہ مانیں تو شیعوں کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔

واہ صاحب واہ۔ ان دو قضیوں میں ملازمت کس قسم کی ہوئی۔ معصوم وہ ہے جس سے خطا ممکن نہیں۔ سہو و نسیان سے بھی چونکہ خطا ہو سکتی ہے۔ اسلئے معصومین سے یہ بھی مرفوع ہیں۔ ورنہ انکا بحالت عصمت غیر معصوم ہونا ماننا پڑیگا وہو محال۔ برخلاف غیر معصوم کے اسکے کتنے ہی فضائل ہوں پھر بھی اس سے خطا ممکن ہے۔ اور اگر اس سے خطا ہو گئی تو یہ

نہیں کر سکتے چونکہ اسکے فضائل ہیں اسلئے یہ خطا خطا نہیں۔ پھر یہ کہ فضائل و مدح وقتی ہیں۔ ایک شخص نے اچھا کام کیا اسکی تعریف ہو گئی۔ لیکن یہ مدح اس امر کی مانع نہیں ہو سکتی کہ وہ آئندہ گناہ نہ کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ صحابہ کے فضائل وارد ہیں۔ لیکن بخاری میں ہے کہ ایک گروہ صحابہ بروز قیامت حوض کوثر سے ہٹایا جائیگا۔ فرمایئے باوجود فضیلت کے یہ کیوں راندے جائینگے۔ اور جو صحابہ آپکے خیال میں ہیں۔ انکی تو کوئی فضیلت بھی نہیں۔ گھڑی ہوئی روایتیں ہیں۔ جو جرح پر ساقط الاعتبار ہو جاتی ہیں۔ ۲۔ قال۔ صـ۲۲ حضرت علی نے کہا میں اس سے زیادہ نہیں کہ خطا کروں۔ **اقول**۔ مناظر سنی نے بہ تقلید دہلوی مغالطہ دینا چاہا ہے۔ اگر جناب امیرؑ کا سارا کلام مناظرہ میں پڑھتے یا درمیداں میں لکھتے۔ تو حق و باطل کھل جاتے۔ نہج البلاغہ صـ۱۹۴ خطبہ صفین میں جناب نے والی اور رعایا کے حقوق بیان فرمائے۔ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر آپکی بہت تعریف کی۔ اسپر آپ گویا ہوئے کہ جس کے نفس میں اللہ کا جلال بڑا ہو۔ اسکا یہ حق ہے کہ وہ اپنے آپکو اسکے حضور میں پست کرے۔ جسپر خدا کی نعمتیں زیادہ ہوں۔ اسپر خدا کا حق بھی زیادہ ہوتا ہے میں اس بات کو بُرا سمجھتا ہوں۔ کہ تمہارا یہ خیال ہو کہ میں خوشامد و تعریف کو پسند کرتا ہوں۔ میں بحمد اللہ ایسا نہیں اور اگر میں اسے پسند بھی کرتا تو جلال خدا کے سامنے پست ہونیکے لئے میں اسے چھوڑتا۔ پس تم میری بہت تعریف نہ کیا کرو۔ اور نہ ایسا کلام کیا کرو جیسا جابروں سے کیا جاتا ہے۔ اور نہ باز رہا کرو سچی بات کہنے اور حق و عدل کے ساتھ مشورہ دینے سے کیونکہ میں بنفس خود اس سے بالاتر نہیں کہ خطا کھاؤں (خطا دیا جاؤں) اور اس سے بچنا میرے اپنے فعل سے نہیں الا ان یکفی اللہ من نفسی ما ھو املک بہ منی لیکن خدا کفایت کرتا ہے میرے نفس سے جس کا وہ زیادہ مالک ہے مجھ سے اور ہم اور تم اسکے مملوک بندے ہیں مخالف نے اول تو حوالہ کتاب غلط دیا۔ پھر اخطی مجہول کو بصیغہ معلوم پڑھا۔ اور تیسری غلطی یہ کی کہ من فعلی کا ترجمہ اپنے فعل میں کیا حالانکہ ادنےٰ طالبعلموں کو بھی معلوم ہے کہ من کا ترجمہ سے ہے نہ "میں" چوتھی غلطی یہ کی کہ اسکو خطائے نفسی و فعلی قرار دیدیا۔ جو عبارت سے بالکل ظاہر و ثابت نہیں۔ حضرت کا کلام شہادت دے رہا ہے کہ یہ کسر نفسی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور خدا کے حضور نفس کو گرانے اور پست کرنے سے کسر نفسی صاف ظاہر ہے۔ برخلاف حدیث لقد کادوا جسمیں نہ کسر نفسی کا قرینہ ہے نہ یہ کسر نفسی کا محل تھا اور نہ اسمیں کوئی لفظ ہی ایسی ہے جس سے کسر نفسی ثابت ہو۔ جناب امیرؑ نے مخاطبین کو مشورۂ حق کی ترغیب دینے کیلئے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ اور یہ جتلا دیا کہ بنفس خود میں جھوٹے مشوروں سے دھوکا کھا سکتا ہوں لیکن اس دھوکے

اور خطا سے جو بچ جاتا ہوں تو یہ میرا اپنا فعل نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے
کہ آپنے خطا کا اقرار نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ خدا مجھے اس سے بچا لیتا ہے۔ اور یہ جتلایا کہ
عصمت موہبتی ہے۔ نبی کریم نے خود فرمایا لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین خدایا ایک
لحظہ بھر بھی مجھے اپنے نفس پر نہ چھوڑ۔ یہ قول بالکل ویسا ہی ہے۔ جیسے حضرت یوسف
علیہ السلام کا۔ پ۱۳ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما
رحم ربی۔ (اور میں نہیں پاک کہتا اپنے جی کو۔ جی تو سکھاتا ہے برائی۔ مگر جو رحم کیا
میرے رب نے (ترجمۂ نذیر احمد) کیا آپکا یہ عقیدہ ہے کہ اس آیت سے یوسف صدیق
کی خطا کاری یا خطائے نفسی وفعلی ثابت ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسا ہی رسول اللہ
نے بھی فرمایا الا ان یتدارکنی اللہ برحمتہ۔ ماسوا اسکے حضرت علی کے کلام میں خطا بمعنے
گناہ نہیں۔ بلکہ سیاسی لغزش کے مترادف ہے۔ اگر یہاں گناہ کے معنے ہوتے تو آپ
فرماتے مجھے نصیحت و وعظ۔ زجر و توبیخ کیا کرو۔ لیکن آپنے ذکر حقوق والی کے بعد
فرمایا کہ عدل کے ساتھ مشورہ دیا کرو۔ پس یہ دلالت کرتا ہے کہ سُنی مناظر نے متکلم
کے منشاء کے خلاف مطلب بیان کرکے دھوکا دینا چاہا ہے۔ مخالف نے صرف حدیث تا لفظ
ہی بیان نہیں کی۔ بلکہ کچھ اور بھی فرمایا ہے۔ براہین قاطعہ ص۱۹۔ مرا شیطانیست کہ
عارض مے شود گاہے کہ بہ بینید کہ عصیاں کنم از من اجتناب کنید۔ مرا تنبیہ سازید اگر
از من چیزے صادر شود از بیدینی۔ میرے لئے ایک شیطان ہے جو عارض ہوتا ہے۔
جب تم دیکھو کہ میں خدا کی نافرمانی اور گناہ کرتا ہوں تو مجھ سے پرہیز کرو۔ اور اگر مجھ
سے کوئی بے دینی صادر ہو تو مجھے تنبیہ کرو۔ حد گئی۔ بے دینی کا اقرار ہو گیا۔ اگر
بفرض محال جناب امیرؑ کے کلام سے یہی ثابت ہو کہ آپنے اپنی خطائے سیاسی کا اقرار
کیا ہے تو سُنی مذہب کے رو سے یہ کوئی جرم و عیب بھی نہیں۔ کیونکہ انکے عقیدے
میں نعوذ باللہ رسول اللہ سے بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بخاری ص۳۳۲ پر
لکھا ہے۔ عن رسول اللہ انہ سمع خصومۃ بباب حجرتہ فخرج الیہم
فقال انما انا بشر وانہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض
فاحسب انہ قد صدق واکفنی لہ بذلک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما
ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا او فلیترکھا یعنی حضرت نے اپنے حجرے کے
دروازہ پر کچھ جھگڑا سُنا تو نکلے اور فرمایا کہ میں بشر ہوں لوگ میرے پاس مقدمہ لیکر
آتے ہیں۔ شاید ایک فریق بات کرنے میں ہوشیار ہو۔ میں اسے سچا سمجھکر اسکے حق میں
فیصلہ کر دوں۔ پس اگر اسطرح میں کسیکو مسلم کا حق دلا دوں تو وہ مال آگ کا ٹکڑا ہے۔

بس یا اسنے نے یا چھوڑ دے۔ جناب امیرؑ کے کلام میں تو یہ ہے مگر یہ کہ خدا مجھے بچائے لیکن اس روایت میں خدا کا ذکر ہی نہیں اور فحوائے کلام ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت اسی طرح پُرخطا و غلط فیصلے دیا کرتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے اور بھی باتیں حضرت کی طرف منسوب کی ہیں۔ بخاری حصہ ۱ صفحہ ۷۵ نحن احق بالشک من ابراھیم اذ قال رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ۔ رسول نے کہا کہ ہم ابراہیم سے زیادہ حق رکھتے ہیں کہ مردوں کے زندہ ہونے کے بارہ میں شک کریں۔ تو گویا حضرت خلیل کو اسمیں شک تھا۔ اور رسول اللہ کو اس سے زیادہ۔ لیکن یہ سب باتیں غلط ہیں۔ حضرت رسول و ائمہ تمام ان امور سے پاک تھے جو باعث نفرت ہیں۔ جیسے رسول اللہ سے خطا نہیں ہوئی۔ ویسے ہی علیؑ سے بھی نہیں ہوئی۔ براہین قاطعہ صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے کہ علیؑ کے بہت دشمن تھے۔ انہوں نے بہت تفتیش کی کہ آپ میں کوئی نقص یا اجتہادی خطا پائیں۔ مگر انہیں کوئی بھی نہ ملی۔ عصمت اسے کہتے ہیں کہ دشمن بھی اقرار کریں۔

متعہ۔ **قال** مصنفین مذہب شیعہ نے اس مذہب میں ہر قسم کی نفسانی خواہشوں کو آزادی کے ساتھ پورا کرنیکا موقعہ دیا ہے اور سب سے قطع نظر کرکے ایک زنا کو لیجئے کہ کس کس طریقہ سے اسکی اجازت دیگئی نہ صرف اجازت بلکہ اُسکی فضیلت بیان کیگئی ہے کبھی اسکا نام متعہ رکھا ہے۔ اور فضیلت یہ بیان کی ہے۔ کہ معصوموں کا مرتبہ ملتا ہے متعہ کے وقت فرشتے پاسبانی کرتے ہیں۔ غسل کے ہر قطرۂ آب سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے۔ فلاحقتہ المنہج۔ کبھی زنا کا نام نکاح رکھا گیا ہے۔ چنانچہ فروع کافی جلد ۲ میں ہے کہ عمرؓ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا مجھے پاک کر۔ اسنے رجم کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ نے تو کہا کیا ماجرا ہے۔ عورت نے کہا میں جنگل گئی تھی وہاں سخت پیاس لگی۔ ایک اعرابی سے پانی مانگا اسنے انکار کیا مگر اس شرط پر کہ اسے نفس پر متمکن کردوں جب مجھے پیاس نے پریشان کیا اور جان کا خوف ہوا۔ تو اُسنے پانی پلایا اور میں نے تحلیل کی۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ بربِ کعبہ یہ نکاح ہے۔ دیکھئے دنیا میں زنا کا وجود باقی نہ رہا۔ کسبیاں بھی زنا نہیں کرتیں کیونکہ وہاں بھی تراضی اور معاوضہ ہوتا ہے۔ اور گواہوں کی شرط تو اڑگئی جسنے کہا ہے سچ کہا ہے کہ مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو۔ ایسی باتیں مذہب شیعہ کی ترویج کا باعث ہوئیں۔ **اقول** اس بحث میں مولوی صاحب نے خوب شرافت و تہذیب دکھلائی ہے اور متعہ کو زنا کہکر حضرت رسول اور صحابہ کی توہین کرکے سب مسلمانوں کا دل دکھایا ہے۔ انہیں تردید شیعہ کرتے ہوئے یہ خیال نہ آیا کہ حضرت ابوبکر صاحب کی لڑکی اسماء نے زبیر سے متعہ کیا تھا۔ (تاریخ طبری)

نعوذ باللہ خلیفہ زادی اور اپنے مبشر بالجنہ پر زنا کا اتہام۔ اور کیا کہوں جابر انصاری
نے متعہ کیا۔ اور عرض کروں ابن جریح تابعی نے ستر متعے کئے۔ (رجال مشکوۃ) ہم نے
تو ایسے حضرات کو تہمت زنا سے بچانے کے لئے اور حقیقت ظاہر کرنے کے لئے متعہ کا مفصل
جواب فتح المبین میں دیا تھا۔ حالانکہ یہ رسالہ آپکی روئداد سے مدتوں پہلے چھپکر آپ کی
خدمت میں بھی پہنچگیا۔ لیکن آپنے اسکے ایک حرف کا بھی جواب نہ دیا۔ زیادہ زور آپ کا
اسی پر ہے کہ متمتع کے بارہ میں یہ لکھا ہے کہ درجتہ کدرجتہ فلان اسکا درجہ امام
حسن وغیرہ کیطرح ہے۔ لیکن اول تو یہ روایات فضائل اعمال میں ہیں۔ جنمیں تنقید
نہیں کی جاتی۔ بلکہ قاعدہ تسامح کے تحت میں آتی ہیں۔ اس لئے یہ کسی ثابت شدہ اصول
کی مخالفت پر حجت نہیں ہو سکتیں۔ دوم اگر آپ لغت میں درجہ کے معنے دیکھ لیتے تو آپکی
تسلی ہو جاتی اور پھر آپ یہ نہ کہتے کہ یہ امام اور نبی بن جاتا ہے۔ صراح صـ۶۲ پر درج کے
ذیل میں لکھا ہے۔ کہ درج درجہ درجات کے معنے ہیں۔ پایہ۔ پایگاہ۔ طریق۔ یعنی راہ۔
پاؤں رکھنے کی جگہ۔ پس مطلب واضح ہے کہ جو کسی نبی یا امام کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ تو وہ
انکی راہ پر چلتا ہے۔ اسلئے اسکی راہ اس نبی یا امام کی راہ کے موافق ہو جاتی ہے۔
کیونکہ اسنے انکی مطابقت میں یہ راہ اختیار کی ہے۔ جو للہ اور مطابق حکم نبی نماز پڑھتا
ہے اسکی راہ اس بارے میں نبی کی راہ کے موافق ہے۔ اب دیکھئے کہ اسمیں اعتراض ہی
کیا ہے۔ ایک حدیث ملاحظہ کرلیں ترجمہ صواعق محرقہ صـ۲۳۹ پر ہے من احبنی واحب
ھذین واباھما وامھما کان معی فی درجتی یوم القیامہ یعنے جو دوست رکھے مجھے
(رسول کو) حسنینؑ اور انکے ماں باپ کو وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا اسکی تشریح
میں فرمایا ہے مراد ازیں معیت معیت من حیث المقام نیست بلکہ معیت از جہت رفع
حجاب است میاں ایشاں نظیر قول تم اولئک مع الذین الخ حاصل ایں آیت آنکہ امروز
کسں را دوست دارد فردا باو خواہد بود۔ المرء مع من احب یعنی اس معیت سے معیت من حیث
المقام مراد نہیں۔ بلکہ وہ معیت ہے جو بسبب رفع حجاب کے ہوگی انکے درمیان اسکی
مثال وہ حدیث ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ آج تو جسے دوست رکھیگا کل اس کے ساتھ ہوگا
جو آپ ان احادیث کا مطلب لینگے وہی حدیث متعہ میں بھی ہے۔ کسی کے حکم پر عمل کرنا
محبت کی دلیل ہے۔ رہا فرشتوں کا ذکر۔ فرشتے ہر ایک کے ساتھ ہیں۔ خواہ وہ کسی کام
میں ہو۔ اگر اس کام میں ہو جو مطابق مرضئے خدا و رسول ہے تو انکی موجودگی بطور تلطف
ہے۔ یہ صرف متعہ کیلئے ہی نہیں بالکل نکاح کے باب میں بھی ایسی حدیث ہے۔ فروع کافی
جلد ا کتاب الجہاد باب نوادر دیکھیں کہ ملاعبۃ الرجل بزوجتہ کے وقت ملائکہ کی حضوری

لکھی ہے۔ جو وطی مطابق حکم رسول ہے اسکی جنابت کے قطرات غسل سے فرشتوں کا پیدا ہونا بھی احادیث
فریقین میں ہے خواہ وہ نکاح ہو یا متعہ۔ ملاعبہ کے بارمیں مشکوۃ کتاب النکاح صلـــــ۲۶۷ دیکھو۔
جابر نے باکرہ سے شادی کی۔ تو حضرت نے کہا افلا تلاعبہا و تلاعبك آیا تم ملاعبہ کرتے ہو۔
پھر ایک حدیث ہے ثلثۃ حق علی اللہ عونہم کہ تین پر خدا کا حق ہے کہ انکی مدد کرے انمیں
سے ایک یہ ہے والناکح الذی یرید العفاف وہ شادی کرنیوالا جو عفاف کا ارادہ کرے۔
ثواب فرمائیے اسکے ملاعبہ کے وقت اگر فرشتے انکی پاسبانی کریں تو مشکوۃ کی حدیث سے
مطابقت ہوگئی — اب لیجئے دوسری حدیث۔ آپنے کافی کے صفحہ کا حوالہ نہیں دیا۔ تاکہ دیکھنے
میں آسانی ہوتی۔ کتاب الحدود میں یہ روایت نہیں ملی۔ اور اسلئے آپکے الفاظ کی درستگی
نامعلوم رہی۔ خیر انہی الفاظ کو لیکر عرض کرتا ہوں۔ کہ اسمیں اصولی اعتراض بتلائیں۔ اور
یہ فرمائیں کہ عقد تزویج کسطرح ثابت ہوتا ہے۔ کنز الدقائق صـــــ۱۹۷ پر لکھا ہے (النکاح)
ینعقد بایجاب وقبول وضعا للماضی اواحدھما وانما یصح بلفظ النکاح و
التزویج وما وضع لتملیك العین فی الحال عند حرین او حر وحرتین عاقلین
بالغین مسلمین ولو فاسقین یعنی نکاح منعقد ہوتا ہے ایجاب وقبول سے دونوں
بصیغہ ماضی یا ایک اور صحیح ہوتا ہے لفظ نکاح اور تزویج سے اور اس سے جو وضع کیا
گیا واسطے تملیک عین کے فی الحال۔ نزدیک دو آزادوں۔ یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں
کے کہ دونوں عاقل بالغ مسلمان ہوں۔ اگرچہ فاسق ہوں۔ حنفیوں کے نزدیک یہ تعریف
نکاح ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ مذکورہ پر اگر یہ باتیں صادق آتی ہیں تو یہ نکاح و تزویج
ہے۔ اول ایجاب قبول اسمیں موجود ہے۔ دوم۔ ایک ایسا لفظ بھی ہے جو تملیک العین پر دلالت
کرتا ہے۔ وہ لفظ امکان ہے۔ اور اسکے معنے آپنے قابو دینا کئے ہیں۔ قابو دینا تملیک ہے
اور صیغہ یہ تھے مرد نے کہا لك الماء ان امکنتنی علی نفسك۔ عورت نے پانی لیا۔ اور کہا
شربت الماء وامکنتك علی نفسی۔ سوم۔ پانی مہر قرار پاگیا۔ آپکے نزدیک اس کے
نکاح ہونمیں صرف گواہوں کی کسر رہگئی۔ لیکن اہل سنت کے دو اماموں محمد و مالک کے نزدیک
صحت نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری نہیں (خزانۃ الروایات۔ فتح المبین صـــــ۳۶)
پس آپکے ان اماموں کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے اور گواہوں کی ضرورت اسصورتمیں ہوتی ہے۔
جبکہ عقد سے انکار ہو۔ چونکہ یہاں اقرار موجود ہے۔ اسلئے ثبوت تزویج کیلئے انکی ضرورت نہ
تھی۔ اسے آپ ایسا ہی سمجھ لیں جیسے دو فاسق شاہدونکی شہادت پر آپ نکاح کی صحت کا فتوے
دیتے ہیں حالانکہ خدا فرماتا ہے۔ ولا تقبلوا لھم شہادۃ ابدا۔ کہ انکی شہادت کبھی قبول نہ
کرو۔ خدا کے نزدیک انکی شہادت کالعدم ہے۔ لیکن آپکے نزدیک باوجود ایسی شہادت کے

تزویج ثابت ہے۔ اب اپنے ہاں کے عجیب نکاح سنیئے۔ کتاب تبیان الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ ان امرءۃ لاطلبت من رجل مالاً فابی ان یعطیہا حتی تمکن من نفسہا فدرء عمر الحد عنہا۔ فقال ھذا مہرھا۔ ایک عورت نے ایک مرد سے مال طلب کیا۔ اسنے کہا تب دونگا کہ تو مجھے اپنے نفس پر قابو دے۔ عمر نے اسپر حد جاری نہ کی اور فرمایا کہ وہ مال اس عورت کا مہر ہے۔ یہاں عورت کیطرف سے رضا ثابت ہے نہ قبول نہ ایجاب۔ لیکن حضرت عمر نے اسکو نکاح بنا دیا۔ اور دیکھئے رد المحتار میں ہے وفی التاتارخانیہ قال لامرءۃ یا عروسی فقالت لبیک فنکاح۔ درمختار میں ہے قال لہا عروسی فقالت لبیک انعقد علی المذھب یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت کو کہے ہے میری دلہن اور وہ جواب دے ہاں تو اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ واہ کیا عمدہ ایجاب و قبول ہے اور گواہوں کی شرط معلوم نہیں کہاں گئی۔ آپکے کسبیوں والے سوال کا جواب یہ ہے کہ کسبیوں کے کیس میں ایجاب و قبول تو ضرور ہے۔ لیکن تملیک دائمی نہیں جو نکاح دائمی کیلئے ضروری ہے۔ رہی تزویج و تملیک عارضی اسکے لئے کافی کا باب احکام المتعہ دیکھ لیں۔ اسمیں دوسری حدیث یہ ہے قال سالت اباعبد اللہ عنہا یعنی المتعۃ فقال لی حلال فلا تزوج الا عفیفہ ان اللہ عزوجل یقول والذین ھم لفروجہم حافظون فلا تضع فرجک حیث لا تامن علی درھمک حضرت صادق نے فرمایا متعہ نہ کر مگر پاکدامن عورت سے خدا مومنوں کی تعریف میں فرماتا ہے وہ اپنی فروج کی حفاظت کرنے والی ہیں۔ پس جہاں تو اپنے درہم سے مامون نہیں وہاں اپنی فرج نہ رکھ۔ چونکہ کسبیاں فواحش ہیں نہ پاکدامن انکو زنا سے احتراز نہیں۔ عدہ نہیں رکھتیں اسلیئے انسے تزویج عارضی بھی جائز نہیں۔ ایک اور حدیث ہے۔ ایاک والکواشف والدواعی والبغایا وذوات الازواج۔ خبردار خاوند والیوں۔ کسبیوں و فواحش سے متعہ نہ کر۔ اس سے آپکو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ مذہب شیعہ میں انکی کیا پوزیشن ہے۔ اب میں آپکو وہ مذہب دکھلاتا ہوں جسمیں انکے لئے خاص مراعات و تلطف پایا جاتا ہے۔ کہیں یہ ارشاد ہوتا ہے۔ ما اخذتہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارۃ فحلال عند الاعظم (چلپی حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۲۹۸) یعنی اعظم کے نزدیک کسبی کا خرچی مقرر کرکے لینا حلال ہے۔ کہیں انکے حال پر مراحم خسروانہ کئے جاتے ہیں اور انکی سزا بھی معاف ہو جاتی ہے۔ ولو استاجرہ امرءۃ لیزنی بہا فزنی بہا لا یحد فی قول ابی حنیفہ۔ (فتاوے قاضیخان جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ کنز الدقائق صفحہ ۱۷۱) اگر اجرت پر کسی عورت سے زنا کرے تو اعظم فرماتے ہیں۔ اسپر کوئی حد شرعی نہیں۔ کیونکہ یہ صورت عقد نکاح ہے (کنز الدقائق حاشیہ صفحہ ۳۸) کہیں ان بیچیوں سے مزے اڑانے کی اجازت ملتی ہے۔ الاستمناء

یجب لو خاف الزنا (رد المحتار ج۲ ص۱۵۷) اگر خوف زنا ہو تو دستی مشین چلاؤ۔ اور کہیں ایسے لطف کی بات کہی ہے کہ مزے بھی لوٹیں اور دامنِ زہد بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ومن الناس من قال لا یفسد صومہ فی الاستمناء بالکف وھل یباح لہ ان یفعل ذالک فی غیر رمضان ان اراد الشھوۃ لا یباح وان اراد تسکین الشھوۃ قالوا نرجوا ان لا یکون اثما بعض کہتے ہیں کہ دستی مشین سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن کیا رمضان شریف کے علاوہ بھی یہ فعل جائز ہے۔ ہاں اگر تسکین کی نیت ہو تو کوئی گناہ نہیں لیکن خواہش کی نیت سے مباح نہیں۔ (فتاوی قاضیخان جلد ا صنا۔ برھنہ جلد ۲ صفحہ ۱۹) اور کہیں یوں ہدایت کی ہے کہ اگر کوئی اپنی محرمات (والدہ۔ ہمشیرہ وغیرہ) سے عمداً نکاح کرے تو اسپر حد نہیں ہے۔ بلکہ مہر واجب ہے اور ساتھ ہی دلیل یہ دی ہے۔ کہ عورت خواہ کوئی ہو محل نکاح ہے کیونکہ محل وہ ہے جس میں مقصود حاصل ہو۔ اور مقصود آدم کی بیٹیوں سے توالد ہے۔ پس لائق تو یہ تھا کہ یہ نکاح سب احکام کی نظر سے صحیح ہو جاتا الخ۔ (ہدایہ جلد ا ص۶۶۲) فتاوے قاضیخان۔ تفسیر رازی۔ شرح وقایہ وغیرہ پھر مالک غلام نے غوطہ زنی کی اجازت دی ہے۔ جس کا اشارہ مثنوی جام جم میں شیخ فریدالدین نے کیا ہے۔

آبروئے غلام خویش مبر + دفتر بدنام خویش مدر + نتوان بگفتہ کہ مالک + غوطہ در ورطہ چنیں ہالک

چونکہ عیش کے لئے مے بھی لوازمات سے ہے۔ اسکے لئے رہروان میخانہ منتظر تھے کہ سرکار کیا حکم دیتی ہے۔ ایک حکم درمختار نے یہ دیا۔ رخص الخمر للعطشان و علیہ الفتوی۔ پیاسے کے لئے شراب کی رخصت ہے۔ و نبیذ التمر والزبیب مطبوخا ادنی طبخۃ وان اشتد اذا شرب لم یسکر بلا لھو وطرب ش بل لقصد التقوی۔ (ہدایہ جلد ۴ ص۴۳۱۔ شرح وقایہ ص۴۳۲) نبیذ کھجور کا اور انگور خشک کا تھوڑا سا پکالو اور اسے پی لو اگرچہ اس میں نشہ پیدا ہوا ہو۔ لیکن اتنا نہ پیو کہ تم کو نشہ کرے۔ اسے قوت کے لئے پیو نہ لہو و طرب کے قصد سے۔ لیکن کتنی پیالیاں پیئں۔ اذا شربت تسعۃ اقداح من نبیذ التمر فاوجد الیہ العاشر فسکر لم یحد کذا فی السراجیہ۔ نو پیالیاں پیو۔ خیر دسویں بھی اگر پیو اور نشہ بھی آجائے تو بھی تم پر کوئی حد نہیں ہاں اگر اندھے بدمست ہوئے تو خبردار پٹو گے۔ (فتاوے عالمگیری جلد ۵ ص۴۵۔ سراجیہ ج۲ ص۳۷)

اور مسند اعظم میں ایک اور ترکیب بھی بیان ہوئی ہے کہ ثانی کے پاس ایک اعرابی لایا گیا

جو نشہ سے چور تھا۔ اس نے اس کے لئے عذر تراشنا شروع کیا۔ جب ہر طرح سے عاجز ہوا تو کہا اس کو قید کرو اگر ہشیار ہوگا تو حد جاری کرو اس کے بعد خود اُس کی جو بھی شراب منگائی اور پانی ملا کر نشہ اُس کا کم کر دیا خود پی اور شرکاء جلسہ کو پلائی اور کہا اس طرح پانی ملا کر اس کا نشہ کم کر دیا کرو۔ اگر اس کا شیطان تم پر غلبہ کرے۔ اب ماکولات کو لیں۔ چمگادڑ حلال (فتاوے عالمگیری) گوہ اور جنگلی چوہا حلال مالک و شافعی کے نزدیک (رحمۃ الامہ) مالک کے نزدیک چھچھوندر۔ سانپ۔ بندر۔ ریچھ۔ بھیڑیا حلال۔ (رحمۃ الامہ) و (مرقاۃ) پس جس مذہب کو آپنے چاہا ہے۔ اور اس کے مداح کو بھی آپنے سچا کہا ہے۔ اس کی تعریف اگر یوں فرماتے تو اولے تھا ع مذہب وہ چاہیئے کہ سب کچھ حلال ہو۔ ہم نہیں جانتے۔ آپ چونکہ مشنری ہیں۔ اسلئے آپکو ضرور تجربہ ہوگا۔ کہ ایسے مذہب کی ترویج زیادہ ہوئی یا نہیں شیعہ بیچارے تو باقیوں کے مقابلہ میں انگلیوں پر گنے جاتے ہیں وقلیل من عبادی الشکور وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ حبیبہ محمد واھلبیتہ الطاھرین۔

خادم خدام شیعیان حیدری
میرزا احمد علی امرتسری
لاہور۔ موچی دروازہ کوچہ گاماں

۳ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

قطعۂ تاریخ از نتیجۂ فکر جناب مولانا سید سردار علی صاحب
مولوی فاضل اول مدرس عربی گوجرانوالہ سیالکوٹ

ایا چکوال ھل لک من مجال — بان تنسا وصانک ذوالجلال
مناظرۃ اقام الناس شوقا — علیک فلا وذاعین المحال
اذا کانوا بمیدان التلاقی — سددناھم باجوبۃ السوال
فما کان المفر ولا مناص — الی سمت یمین او شمال
تنادوا اعترفنا اعترافا — بانفسنا بلا قیل وقال
وحین تفرقوا باتوا بعکس — کما بین المنقض والزلال
ایا عجبا فلا تتعجبوھم — فان الامر من ادنی الخصال
اضاعوا نفعھم حرصا فان الفضیحۃ کان فی بعض الرجال
یشبع الان دھرا کل یوم — ولا یختم ذالک فی اللیالی
فلا تخفی علیکم کیف ھذا — وقد طلعت ھنا شمس الکمال
کتاب فیہ صدق فیہ صدق — وشرح للمبادی والمال
بیانات مفیصلۃ بحق — ولو سخطوا علیہ فلا نبالی
عبارات کدرٍ او دراری — معانیھا فما فوق المثال
حقیق ان یریٰ قولا وفعلا — بعین القلب تحصیل المعالی
فیا من قد نسوا متعمدیہ — حقائق ماجرت للاندمال

اقول لکم بتاریخ ووعظ
خذوا بالصبر میزان المقال
۱۹۱۹ء

علمی ذخیرہ

المصطفیٰ۔ سرورِ عالمین کی مکمل سوانح عمری تاریخی حیثیت میں۔ بچوں اور مستورات کیلئے بہت مفید ۸ر الہدیٰ۔ وراثت انبیاء کا ثبوت قرآن۔ حدیث۔ تفاسیر اور بائیبل سے۔ قادیانی نبوت کی زبردست تردید ۱۰ ار۔ فتاوی حائری حصہ ۳ و ۴ جنمیں مسائل مہمہ مثل دیدار باری۔ ارسال یدین۔ نجاست مشرکین۔ مآل معاویہ تردید مہدویت قادیانی۔ سجدہ گاہ۔ عقائد اہل قرآن۔ پنج تکبیر جنازہ۔ کلوخ۔ استقبال قبلہ۔ عقائد آریہ مسح پا وغیرہ وغیرہ پر زبردست بحثیں ہیں۔ قیمت فی حصہ ۴ر ۱۰ الانصاف۔ خلافت ایمان ثلاثہ۔ فدک۔ امامت۔ ائمہ۔ مہدویت و دیگر مسائل متنازعہ شیعہ و مرزائیہ و سنیہ پر دلچسپ بحث۔ استدلال تمام قرآنی۔ قادیانیوں کی تردید ۱۰ ار *

دلیل العرفان در تحقیق امام زمان۔ مرزائیوں کے مایۂ ناز مضمون تشحیذ کا واحد مکمل جواب۔ امام مہدی فاطمیؑ کی امامت و حیات کا ثبوت۔ آپکے متعلق مرزائیوں کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب خروج امام۔ نزول مسیح۔ خروج دجال و یاجوج و ماجوج۔ علائم ظہور پر سیر کن اور مدلل بحث۔ امامت۔ مہدویت۔ مسیحیت و نبوت قادیانی کا دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ابطال۔ قادیانیت کے برخلاف کاری حربہ۔ اسکی ایک بات کے جواب کے لئے **ایک لاکھ روپیہ** انعام مقرر ہے اس مضمون کی آجتک اُردو میں کوئی کتاب نہیں۔ عمر اشتہار شکست النجم در مناظرہ چکوال ۱۲ صفحہ ار

فتح المبین ضمیمہ مناظرہ چکوال۔ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ طالب حق کے لئے رہنما ۴ر

میزان المقال یعنی یہی کتاب۔ قسم اول کاغذ ۱۲ ار۔ قسم دوم ۱۰ ار +

ملنے کا پتہ

مرزا محمد ہادی۔ موچی دروازہ۔ کوچہ میاں گاماں لاہور

بدستخط کربلائی المشہدی علی محمد عرف علی بخش خطاط۔ لاہور اکبری دروازہ کوچہ شیعیان مسجد نواب صاحب

مطبوعہ جارج سٹیم پریس لاہور باہتمام لالہ ایشر داس پرنٹر